شعور اتحاد

سال چہارم ۞ شمارہ ۱۴ ۞ محرم، صفر، ربیع الاول ۱۴۳۲ھ ۞ جنوری، فروری، مارچ ۲۰۱۱ء

- انقلابات کی روح
- عالم اسلام میں اجتماعی امن قائم کرنے کے لئے پسندیدہ اقدامات
- مسلحانہ مقاومت کی فقہی بنیادیں
- امام حسینؑ اہل سنت کی نگاہ میں
- سیرت رسولؐ میں آسمانی ادیان کے پیروکاروں سے رواداری
- ثقافتی زوال قرآن کے آئینہ میں
- اقبال کی نظر میں مسلمانوں کے مسائل اوران کا حل
- اتحاد رسول اکرمؐ کے تربیتی نظام کی بنیاد پر
- ایمان کے سایہ میں خواہشات کا کنٹرول
- امام خمینی، فقیہ، اور تقریب بین المذاہب کے داعی
- بوسنیا و ہرزگوئین بیسویں صدی سے آج تک اور ہمارے فرائض
- کتاب ''الفرقان الحق'' تعارف، تبصرہ اور تنقید

مجمع جہانی تقریب مذاہب اسلامی

ACC No.....Date.....
Section.....Status.....
D.D. Class.....
NAJAFI BOOK LIBRARY

بسم الله الرحمن الرحيم

AAL-ULBAYT (A.S) INSTITUTE FOR PROPAGATION,
GUIDANCE AND WELFARE AFFAIRS
PH: 32220676

NAJAFI BOOK LIBRARY
Shop No. 11
M.L. Heights
Soldier Bazar #2
KARACHI
PH. 7211795

سال چہارم ۞ شمارہ ۱۴ ۞ محرم، صفر، ربیع الاول ۱۴۳۲ھ ۞ جنوری، فروری، مارچ ۲۰۱۱ء

پیشکش: مجمع جہانی تقریب مذاہب اسلامی

نگران اعلیٰ: آیۃ اللہ محمد علی تسخیری

مدیر مسؤل: علی اصغر اوحدی

علمی گروہ کی زیر نگرانی

چیف ایڈیٹر: سید احتشام عباس زیدی

سہ ماہی ''شعور اتحاد'' مسلمانوں کے درمیان اتحاد کو مستحکم بنانے نیز عالم اسلام کو فقہی، حقوقی، کلامی، فلسفی، تاریخی و... میدانوں میں درپیش مشکلات اور دشواریوں کے حل کے لئے نئی راہیں کھولتا ہے۔

یہ مجلّہ مذکورہ بالا اغراض و مقاصد کے متعلق لکھے جانے والے علمی مقالوں کا استقبال کرتا ہے۔

یہ مجلّہ مقالات کی ایڈیٹنگ اور تلخیص میں آزاد ہوگا۔

مجلّہ کے مطالب نقل کئے جاسکتے ہیں لیکن حوالہ ضروری ہے۔

ایڈریس: تہران، خیابان آیۃ اللہ طالقانی، شمارہ ۳۵۷ ''مجمع جہانی تقریب مذاہب اسلامی'' معاونت فرہنگی و پژوہشی

ٹیلی فون: ۳۔۸۸۳۲۱۴۱۱۔۸۸۸۲۲۵۳۲۔ فیکس: ۸۸۳۲۱۴۱۴۔۸۸۳۲۱۶۱۶۔۲۱۔۰۰۹۸

قم: خیابان ساحلی، نبش لواسانی ۱۷، پلاک ۱۶۱ رکوڈ پوسٹ ۳۷۱۶۶۳۶۵۷ رٹیلی فون ۶/۷۷۵۵۴۶۴۔۷۷۵۵۴۴۵۔۲۵۱۔۰۰۹۸

ای میل andisheh@taqhrib.org

قیمت فی مجلّہ		سالانہ	
ہندوستان [redacted] روپے	200/=	800/=	[redacted]، روپے
پاکستان [redacted] روپے	250/=	1000/=	[redacted]، روپے
یورپی ممالک [redacted]، ڈالر	10/=	40/=	[redacted] ڈالر

فہرست

انقلابات کی روح ..... اداریہ ۵

فکر و شعور

عالم اسلام میں اجتماعی امن قائم کرنے کے لئے پسندیدہ اقدامات.... آیۃ اللہ محمد علی تسخیری ۱۱

مسلحانہ مقاومت کی فقہی بنیادیں .....آیۃ اللہ محمد مہدی آصفی ۲۱

امام حسینؑ اہل سنت کی نگاہ میں .....سید احتشام عباس زیدی ۳۷

سیرت رسولؐ میں آسمانی ادیان کے پیروکاروں سے رواداری..... محمود عراقی ۴۵

ثقافتی زوال قرآن کے آئینہ میں (۲)..... محمد علی قاسمی ۵۳

اقبال کی نظر میں مسلمانوں کے مسائل اور ان کا حل.....سید معراج مہدی رضوی ۷۵

اتحاد رسول اکرمؐ کے تربیتی نظام کی بنیاد پر.....محمد احسانی ۹۳

ایمان کے سایہ میں خواہشات کا کنٹرول.....غلام حسین متو ۱۱۵

سیرت نبوی میں رفق و مدارا کے انداز ..... محمد جواد اصغری ۱۲۹

اتحاد کے علمبردار

امام خمینی، فقیہ، اور تقریب بین المذاہب کے داعی..... علی اشرفی کرمی ۱۴۵

عالم اسلام کا تعارف

بوسنیا و ہرزگوئین بیسویں صدی میں سے آج تک.....عزالدین رضا نژاد ۱۶۷

ایک کتاب کا خلاصہ و تبصرہ

کتاب ''الفرقان الحق'' تعارف، تبصرہ اور تنقید.....ع. ا. امیر دہی ۱۸۷

اداریہ

انقلابات کی روح

انسان خداوند عالم کی عجیب مخلوق ہے۔ یہ وجود خدا کی سرزمین پر ہزاروں برسوں سے زندگی بسر کرتا آرہا ہے اس کی زندگی عائلی زندگی سے شروع ہوکر سماجی زندگی اور ایک چھوٹے سے سماج سے شروع ہوکر بڑے سے بڑے اجتماعات کی طرف گامزن ہے۔ ایک گھر میں رہنے والا انسان ایک قبیلہ کا خالق پھر ایک چھوٹی بستی سے لیکر قصبوں، شہروں اور ملکوں کو تشکیل دیتا رہا ہے۔

ظاہر ہے یہ سماج چھوٹا ہو یا بڑا اس کی تشکیل وتعمیر وترقی نیز اس کے نظم وضبط اور اس کی حفاظت کے لئے ایک نظام حاکمیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ نظام کبھی نیک اور صالح افراد کے ہاتھوں، اچھے اور پاکیزہ سماج کی تشکیل کا باعث بنتا ہے اور انسان کو ترقی کی راہ پر لے جاتا ہے اور کبھی یہ سماج ظالم وستمگر ہاتھوں سے فساد، برائی اور انسانی تباہی کا شکار بن جاتا ہے۔ زمین پر ایسے ہی سماجوں کی تشکیل ہوتی رہی ہے اور اسی طرح انسان زندگی بسر کرتے آئے ہیں کہ کبھی اچھے لوگوں کی سرپرستی میں زندگی بسر کرکے خوشحال رہے ہیں اور کبھی برے لوگوں کے ظلم و ستم کا شکار ہوکر تباہ وبرباد ہوئے ہیں۔ لیکن ان میں یہ شعور بیدار نہیں ہوا کہ اپنے اچھے حکام اور سرپرستوں کی تمجید اور حمایت کرتے یا برے حکام اور ڈکٹیٹروں کی مذمت کرتے اور ان کے خلاف آواز اٹھاتے۔ انسانوں کو متوازن زندگی، عدل وانصاف اور ترقی کی راہ دکھانے اور انھیں اچھائی کی طرف لے جانے والے اللہ کے نیک بندے، انبیاء ومرسلین یا ان کے ہاتھوں کے پروردہ افراد تھے کہ خداوند عالم کی جانب سے رسولوں کے ارسال کا مقصد ہی یہی تھا۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿لقَد ارسلنا رُسُلنا بالبیِّناتِ و انزَلنا معهمُ الکتابَ والمیزانَ لیقومَ النّاسُ بالقسطِ﴾

" بلاشبہہ ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی ہوئی نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ہمراہ کتاب اور معاشرہ کو صحیح راہ پر گامزن رکھنے کے لئے میزان نازل کی تا کہ وہ لوگوں کو قسط وعدالت کی راہ پر چلائیں" (حدید/۲۵)

اسی طرح انسانی معاشرے کو برائیوں کی طرف لے جانے والے اور انھیں تباہ کرنے والے مغرور وخود سر ظلم صفت اور ظلم پیشہ افراد تھے جو شیطان کی پیروی میں انسانوں اور انسانیت کو تباہ کرتے تھے ائمۃً یدعون الی النار۔

انسانی قافلہ جب تک انبیاء کی راہنمائیوں میں زندگی بسر کرتا رہا خوشحال اور پرسکون رہا اور ترقی کی راہوں پر گامزن رہا اور جب جب شیطان صفت انسان نما درندوں کے ہاتھوں میں پڑا پیہم لٹتا رہا اور تباہ ہوتا رہا۔ علم کی ترقی نے انسان کے سامنے فلاح ونجات کی راہیں کھولیں لیکن جب بھی جہالتوں کے پروردہ خودسر حکمرانوں کو موقع ملا انہوں نے اپنی شیطنتوں سے انسانیت کو پریشان رکھا۔ اکثر ایسا بھی ہوا کہ بعض نفس پرست اہل علم، موقع پرست حکام کے ہاتھوں چڑھے اور پھر دونوں نے مل کر انسانی معاشرے کا بھرپور استیصال کیا۔ عام معاشرے میں علم وشعور کی کمی کے سبب انسان صدیوں خودسر اور خوں خوار حکمرانوں کے قدموں تلے کچلا جاتا رہا اور اپنی اسی حالت کو الٰہی تقدیر سمجھتا رہا یہاں تک کے پیغمبر اکرم صل اللہ علیہ وآلہ وسلم کائنات میں قرآنی نظام کے ہمراہ تشریف لائے اور آپ نے اسلامی تعلیمات کے ذریعہ دنیوی واخروی صلاح اور فلاح کا شعور انسانوں میں بیدار کیا۔ غلامی کے شکنجوں سے نکال کر انسان کو اس کی حقیقی کرامت و بزرگی سے آشنا کیا، ظالم اور ظلم کے آگے نہ جھکنے اور صرف خدائے وحدہ لاشریک کے آگے جھکنے کا جذبہ پیدا کیا۔

ظلم کے آگے انسان کو نہیں جھکنا چاہئے، یہ ظلم چاہے باہر کی طاقتوں کے ہاتھوں جارحیت کی شکل میں ہو یا داخلی سطح پر استبدادی صورت میں، ظلم بہر حال ظلم ہے اور اس کے خلاف آواز اٹھانا نہ صرف انسانیت کا تقاضا ہے بلکہ عین اسلام ہے

حیات پیغمبرؐ کے بعد داخلی سطح پر پیدا ہونے والی کوتاہیوں کے نتیجہ میں وہ انسانی قافلہ جو اسلام لا چکا تھا چند قدم پیغمبر اکرمؐ کے نقش قدم پر چل کر پھر گمراہی کی طرف مڑ گیا مؤمن سرپرستوں کی جگہ فاسق حکمرانوں نے لے لی اور خلافت ملوکیت میں تبدیل ہوگئی۔ یزید کی سلطنت کا آغاز ہوا اور اس نے نہ صرف انسانی عظمت کا تصور بے معنی کیا اور انسانوں سے اس کا شرف چھیننے کے درپے ہوا بلکہ اس نے توحید، رسالت وقرآن کا بھی بھرپور مذاق اڑایا۔ یہ وہ موقع تھا جہاں انسانی شعور کو اپنی بیداری کا ثبوت دینا تھا اور اس کے لئے مدینۃ الرسول سے ایک مضبوط اور محکم آواز گونجی جس نے ظلم کے ایوانوں کو ہلا کر رکھ دیا" ألا ترَونَ انَّ الحقَّ لا یُعملُ بهِ و انَّ الباطلَ لا یُتناهیٰ عنهُ " :(کیا تم یہ نہیں دیکھتے کے حق پر عمل نہیں کیا جارہا ہے اور باطل سے منھ نہیں موڑا جارہا ہے)۔ یہ آواز حسین بن

علیؑ کی آواز تھی۔ آپ نے کربلا کی سمت جاتے ہوئے منزل بیضہ پر لوگوں کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث یاد دلائی'' ایّھا الناس! انَّ رسولَ اللہِ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم قال : مَن رأی سُلطاناً جائراً مُستحِلّاً لِحرام اللہِ ، ناکثاً عھدَہُ ، مُخالفاً لِسنۃِ رسولِ اللہِ ، یَعملُ فی عبادِ اللہ بالاثمِ و العدوانِ ، فَلم یُغَیِّر علیہِ بفعلٍ و لا قولٍ ، کان حقّاً علی اللہ اَن یُدخِلہُ مَدخَلَہُ ''۔ (اے لوگوں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: جو شخص بھی انسانی معاشرہ پر ظلم ڈھانے والے حکمراں کو دیکھے، جو حرام خدا کو حلال کر رہا ہو اور الٰہی عہد و پیمان کو توڑ رہا ہو، سنت رسولؐ کی مخالفت کر رہا ہو اور اللہ کے بندوں کے درمیان گناہ و معصیت اور دشمنی سے عمل کر رہا ہو اور وہ ایسے استبدادی حکمراں اور ڈکٹیٹر کے مقابل نہ اٹھے اور عمل یا زبان کے ذریعہ اس کی مخالفت نہ کرے تو خداوند عالم کو حق ہے کہ اسے بھی اس ظالم حکمراں کے ساتھ جہنم میں ڈال دے)۔

اسلامی دنیا میں حکومتیں آتی رہیں اور کتنے استبدادی حکمراں تھے جنھوں نے انسانوں کو دبا کر حکمرانی کی لیکن انقلاب حسین اور شہادت سید الشہداء کے بعد حق طلبی اور حق پسندی کا شعور انسانوں میں بیدار ہو چکا تھا اور ظلم و ستم کی دنیا میں جہاں انقلاب ممکن تھے وہاں انقلاب آتے رہے اور جہاں انقلاب ممکن نہ تھے وہاں اس شعور نے ظالم حکمرانوں کو عمومی سطح پر اپنے قول یا فعل یا مصلحت آمیز خاموشی کے ذریعہ قابل نفرت بنا دیا اور یہ بات طے ہوگئی کہ جہاں بھی جارحیت، ظلم اور استبداد جنم لے گا یا اپنی من مانی کرے گا یا وہ قابل نفرت ہوگا یا زوال پذیر ہوگا۔

اسلامی دنیا میں استبداد ہی کی دین تھی جو ایک عالم اسلام پچاس سے زیادہ چھوٹی بڑی حکومتوں میں تبدیل ہوگیا جس کا بڑا فائدہ بیرونی مشرک اور استعماری طاقتوں نے اٹھایا اور اسلامی سرمایوں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا۔ یہ چھوٹی بڑی اسلامی حکومتیں اپنے استعماری آقاؤں کے ہاتھوں کا کھیلونا بن کر ملت اسلامیہ کا استیصال کرتی رہیں۔ گزشتہ صدی میں عالم اسلام کے داخلی استبداد کے خلاف سب سے بڑی آواز بانی انقلاب امام خمینیؒ نے اٹھائی اور داخلی استبداد کے ساتھ استعمار کو بھی اسلام اور حقانیت کے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ اسلامی انقلاب کی ابھی بتیس بہاریں گزری تھیں کہ اس کی اسلامی، انسانی، مادی اور روحانی روز افزوں ترقی نے مسلمانوں میں بیداری کی لہر دوڑا دی اور ۱۴۳۲ھ کا آغاز ہوئے ابھی ایک ماہ نہیں گزرا تھا کہ اسلامی دنیا میں حیرت انگیز انقلابات رونما ہونے لگے۔

سب سے پہلے ٹونس میں عوامی اور اسلامی بیداری نے دیکھتے دیکھتے چنگاری سے آتش فشاں بن کر زین العابدین بن علی جیسے استبدادی حکمراں کو ملک سے فرار کر جانے پر مجبور کیا، ٹونس کے بعد مصر کے عظیم عوام حسنی مبارک

کے مقابل اٹھ کھڑے ہوے اور انھوں نے اس کی تیس سالہ استبدادی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ دیکھتے دیکھتے اسلامی اور انسانی بیداری کی یہ لہریں لیبیا، بحرین اور یمن میں بھی پھیل گئیں آج نہ صرف مسلمان استبدادی ملکوں میں مسلمان بیدار ہوے ہیں بلکہ اسلامی دنیا سے باہر یورپ اور امریکہ میں بھی دنیا کے استبداد اور استعمار کے مدمقابل لاکھوں انسان سڑکوں پر نکل آئے ہیں۔

قابل غور بات یہ ہے کہ اسلامی ممالک میں جہاں جہاں بھی یہ انقلاب آئے ہیں وہاں نعروں میں مادی رجحانات یا مادی تقاضے نظر نہیں آتے جب کہ سب سے زیادہ قوموں کا مادی استیصال کیا گیا بلکہ اسلامی اور روحانی نعرے بلند کئے جارہے ہیں تکبیروں کی گھن گرج، لا الہ الا اللہ کے فلک شگاف نعرے، اذانوں کی روح پرور آوازیں ہیں ، قیام، قعود، رکوع، سجدے، نمازیں، عبادتیں، مجاہدت اور قربانیوں کے جلوے ہیں، سینے گولیوں کا غرور توڑ رہے ہیں، زمینیں جوانوں کے گلرنگ لہو سے لالہ زار بن رہی ہیں۔ دنیا کو ہوش نہیں ہے، استعمار و استکبار لرزہ براندام ہیں اسلامی سرزمینوں سے اندھا دھند فائدہ اٹھانے والی طاقتیں اپنے ہولناک مستقبل کے تصور سے پریشان ہیں، مظلومیت کی طاقت کے آگے ظلم نہ کل ٹھہرا تھا نہ آج اس کے قدم ٹکتے نظر آتے ہیں۔ یہ آواز تکبیر آخر کہاں سے بلند ہوئی؟، یہ صدائے لا الہ کس گلے سے نکلی؟، یہ حق طلبی اور حق پسندی کا پیغام قوموں کو کہاں سے ملا؟

وہ صحرائے کربلا ہے، وہ حسینؑ ہیں۔ کل ان آوازوں کے بلند کرنے والے بہتّر گلے تھے جو کاٹ ڈالے گئے، آج کروڑوں گلوں سے یہی حسینی پیغام بلند ہے اور حق کے طلبگاروں کو ان کا حق دلا کر رہے گا۔

فکر و شعور

عالم اسلام میں اجتماعی امن قائم کرنے کے لئے

پسندیدہ اقدامات

آیۃ اللہ تسخیری

ترجمہ: سید احتشام عباس زیدی

بشری امن وامان ہمیشہ باطل پرستوں اور فاسقوں کا نشانہ رہا ہے۔ بے ایمانی اور الحاد کو ایسے طغیان کا اصلی سبب سمجھنا چاہئے جو ایک مبداء یعنی توحید سے دوری اور عدم وابستگی سے پیدا ہوتا ہے۔ جہالت، فقر، ظلم اور اخلاقیات کا نہ ہونا ٹرورزم کی پیدائش کا سبب ہوتا ہے۔ اسلام اخلاقی برائیوں کو حرام قرار دیتے ہوئے انسانیت کے لئے امن وامان اور عادلانہ صلح قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اگر جنگ پر مجبور ہو تو صرف جارحیت کا جواب دیتا ہے اور دفاع کرتا ہے۔ اسلام پوری طاقت کے ساتھ نا امنیوں کے مقابل کھڑا ہے اور انھیں ختم کرنے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ اس مقالہ میں امت اسلام کی سطح پر ان مسائل کے حل کا جائزہ لیا گیا ہے۔

کلیدی الفاظ :

بے ایمانی، اتحاد، سماجی امن، ٹرورزم، فقر، ظلم، نا امنی، اسلامی امت۔

جن لوگوں نے اسلام کا مطالعہ کیا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اس دین نے تمام مخلوقات کی خلقت کا مقصد مشخص کیا ہے، اور وہ ہے حصول کمال یعنی ان کی چھپی ہوئی طاقت کو عملی طاقت میں تبدیل کرنا، اور یہ وہ چیز ہے جسے انسان کا فطری وجدان بھی عالم ہستی کے لئے اللہ کے منصوبوں، اس کی غرض وغایت اور دنیائے خلقت کی باہمی ہماہنگی کو دیکھ کر محسوس کر سکتا ہے۔

قرآن کریم ''وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون ،ہم نے جن وانسان کوصرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے'' (ذاریات/۵۶) کے اعلان کے ذریعہ انسان کی خلقت کا مقصد واضح طور سے بیان کرتا ہے جوظاہر کرتا ہے کہ انسان کا کمال فردی حیثیت سے اس کی بندگی اور خدا پرستی میں ہے، اوراس کا یہ اوج کمال بھی خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ بہترین صفت بھی پیغمبر کودی جاتی ہے کہ وہ بہترین بندہ (نعم العبد) ہے۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ: ''وَوَهَبْنَا لِدَاوُودَ سُلَيْمَانَ نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّاب ''اور ہم نے داود کوسلیمان عطا کیا جو بہترین بندہ (خدا کی طرف) واپس آنے ولا (توبہ کرنے والا) تھا'' (ص/۳۰)

جب ایک بندۂ مومن، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتا ہے تو ان کی بندگی کو ان کی رسالت سے پہلے بیان کرتا ہے۔'' اشهد ان محمدا عبده و رسوله '' یہ امر انسانی مجموعہ پر سماجی واجتماعی حیثیت سے بھی طاہر ہوتا ہے۔ اللہ کے نیک بندے اوران سے بھی آگے انبیائے کرام علیہم السلام، عبادت گزار سماج قائم کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔'' وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولاً أَنْ اُعْبُدُوا اللهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ... ''دراصل ہم نے ہر امت میں ایک پیغمبر بھیجا (تا کہ وہ کہے) اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے دوری اختیار کرو۔۔۔'' (نحل/۳۶)

اس طرح ہر میدان میں انسان کی صحیح راہ وروش کے لئے دو راستے ہیں ایک ''عبادت و بندگی'' ہے اور دوسرا ''طاغوت سے دوری'' ہے، جس کا نتیجہ مطلق طور سے اللہ کی عبادت ہے۔

یہاں ہم عبادت و بندی کی مزید وضاحت کرتے ہیں جو اللہ کی عبادت اور طاغوت سے دوری میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ ان دونوں مفہوموں کا مطلب کیا ہے۔؟

اسلام میں عبادت کے مفہوم کا خلاصہ یہ ہے کہ پوری زندگی خدائے متعال اوراس کے فرمان کی پابندی کے لئے وقت کردی جائے۔ ''يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ '' اے مومنو! جب بھی خدا اوراس کا رسول تمھیں کسی چیز کے لئے بلائیں کہ تمھیں زندگی عطا کریں تو ان کی دعوت پر لبیک کہو'' (انفال/۲۴)

یہ معنی عبادت میں بطور ''اخص'' منجملہ نماز وروزہ کی صف میں بھی شامل ہیں۔ زندگی اس میں سمٹتی نہیں ہے بلکہ پوری زندگی مسجد ونماز میں بدل جاتی ہے کہ عبادت بمعنی ''اعم'' کا مفہوم بھی یہی ہے۔

طاغوت بھی اسلامی تصور میں مختصر طور سے اسے کہتے ہیں جو حد اعتدال سے بڑھ جائے اور طغیان بھی

جیسا کہ ''مفردات راغب اصفہانی'' میں آیا ہے (راغب اصفہانی، ۱۴۱۸، ص/۳۴۱) حد سے تجاوز کو کہتے ہیں، اس طرح سے کہ خداوند عالم فرماتا ہے: ''انّا لمّا طغیٰ الماء حملناکم فی الجاریة'' جب پانی حد سے بڑھ گیا تو ہم نے تم کو کشتی (نوح) میں سوار کیا۔ (حاقہ/۱۱)

اسلامی میانہ روی، عدالت، توازن، حکمت، ہر چیز کو اس جگہ قرار دینے اور اس سے مقصد کے حصول کو کہتے ہیں۔ یہاں کمی معیار در پیش نہیں ہے۔ اگر اسلامی امت کو امت وسط (درمیانی) کہتے ہیں: '' وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا '' اور اسی طرح ہم نے تمھیں درمیانی اور معتدل امت قرار دیا۔ (بقرہ/۱۴۳) تو وہ اس لئے ہے کہ ''اسلامی امت'' مثالی امت اور تمام امتوں کے درمیان تہذیبی نمونہ ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرتی ہے۔

ان تمام مفاہیم کو دیکھتے ہوئے جن سے عالم اسلام دور ہوتا جا رہا ہے، ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ سبھی اس معنی میں حد اعتدال سے خارج ہو گئے ہیں۔ ''الحاد'' ''شرک'' ''فحشا و فساد'' ''لاپروائی'' ''سخت گیری'' ''استبداد'' ''سرکشی'' ''اسراف'' ''کم فروشی'' ''حق کشی'' اور اسی طرح کے دوسرے منفی مفاہیم جیسے ''رہبانیت'' ''تنگ نظری'' ''بزدلی'' ''غیر ذمہ داری'' وغیرہ۔۔۔ یہ سب کی سب شرعی حدود کی پابندگی نہ کرنے اور افراط و تفریط کی قسمیں ہیں۔

اس کا معیار و ملاک ایسا انسان ہے جسے خداوند عالم نے منتخب کیا ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم خود پاکی اور گندگی، اچھائی اور برائی کی روشن و واضح دلیلوں سے ان کو اپنے وجدان و ضمیر میں محسوس کرتے ہیں لیکن الٰہی نقطہ نظر حد اعتدال کے ایک مکمل افق کو، دوسرے لفظوں میں ایک طبیعی حد کو ہمارے سامنے پیش کرتا ہے جس سے خارج ہونا گویا اپنے آپ سے خارج ہونا اور خود کو بھول جانا ہے۔ یہ خوبصورت الٰہی تعبیر بھی یہیں سے نکلی ہے ارشاد ہوتا ہے: '' نَسُوا اللهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ أُوْلَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُون '' انھوں نے خدا کو فراموش کر دیا تو خدا نے بھی ان کو خود سے غافل کر دیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو نافرمان ہیں۔ (حشر/۱۹)

انسانی امن و امان تاریخ میں ہمیشہ طاغوتوں اور فاسقوں کی طرف سے خطرہ شمارہ ہوتا رہا ہے۔ شہید صدر کی تعبیر میں ان تمام جارحیتوں کا سبب ان دو بنیادوں بیگانگی (ایک مبداء یعنی خدا سے) ناوابستگی اور وابستگی میں افراط نیز نسبی حقائق کو مطلق حقائق میں تبدیل کرنے کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسلامی زبان میں ان دونوں مسئلوں کو ''الحاد'' اور ''شرک'' کہا جاتا ہے جو ایک بنیادی نقطہ پر مشترک نظر آتے ہیں یعنی ''انسان کی عملی ترقی اور اس کے کمال کو مفلوج کر دینا'' (صدر، ۱۴۲۳، ص/۷۵۳) ان مشکلات کا علاج بھی خدائے واحد کی ذات پر ایمان اور اس کے مقابل ذمہ داری کو قبول کرنے میں ممکن ہے۔

ایمان سے خالی ہونا یا بت پرستی طغیان کے سکہ کے دو رخ شمار ہوتے ہیں جنھیں طغیان کا اصل سبب بھی کہا جا سکتا ہے کہ ایک اصل سے ناوابستگی کی صورت میں یا ذمہ داری کا احساس پیدا نہیں ہوتا یا اپنی ذات، سنگ، حاکم، عہدہ و منصب، مال و دولت، طاقت اور خوہشات کی تصویریں جو سب کے سب نسبی امور ہیں اور جہل و نادانی انہی کو مطلق امور میں ڈھال دیتی ہے، یہ چیز بڑی سے بڑی ہوتی جاتی ہیں اور تباہی لاتی ہیں اور انسانی امن و امان کے لئے بڑا خطرہ شمار ہوتی ہیں۔ اس سلسلہ میں انسانی امن و امان کی بہت سی قسموں کو مدنظر رکھا جا سکتا ہے۔ فکری امن، اجتماعی و سماجی امن، اخلاقی، انسانی، خاندانی، صحی، ماحولیاتی، اور سیاسی و اقتصادی امن و امان وغیرہ۔ طغیان اور جارحیت یعنی حد سے زیادہ بڑھ جانا اور افراط و تفریط ہر طرح کے امن کے لئے خطرہ ہوتی ہے۔ قرانی متون میں ''فرعون'' اس طغیان و سرکشی کا نمونہ شمار ہوتا ہے۔

''اذهبا الیٰ فرعون انّه طغی'' ''تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ کہ اس نے سرکشی اختیار کر رکھی ہے۔ (طہٰ/۴۳)

''و انّ فرعون لعال فی الارض و انّه لمن المسرفین ...'' اور بلاشبہ فرعون نے زمین (مصر) پر بلند پروازی کر رکھی ہے اور سچ مچ وہ لاف و گزاف کرنے والوں میں ہے۔ (یونس/۸۳)

حتی ایمان لانے کے لئے بھی اس کی اجازت ضروری تھی: قال فرعون آمنتم به قبل ان آذن لکم ...'' فرعون نے کہا، اس سے پہلے کہ میں تمھیں اجازت دوں تم اس (موسیٰ) پر ایمان لے آئے؟ (اعراف/۱۲۳)

فرعون قوموں، نسلوں اور مخلوقات کے لئے خطرہ کا نمونہ تھا۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: ''إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلاَفِی الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَائَهُمْ وَيَسْتَحْيِ نِسَائَهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنْ الْمُفْسِدِينَ'' بلاشبہ فرعون نے زمین (مصر) پر سرکشی کی اور وہاں کے لوگوں کو گروہ گروہ میں تقسیم کر دیا وہ ایک گروہ کو کمزور کر دیتا ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا اور عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ بے شک وہ تباہ کاروں میں سے تھا۔ (قصص/۴)

وہ لوگوں کی تحقیر کرنے کا نمونہ تھا:

''فاستخف قومه فاطاعوه انهم کانوا قوما فاسقین'' پس اس نے اپنی قوم کی تحقیر کی تو ان لوگوں نے اس کی اطاعت کر لی کیوں کہ وہ بدکار لوگ تھے۔ (زخرف/۵۴)

مذکورہ بالا باتوں کے بعد اور قرآن کی جانب سے تمام طاغوتی و فرعونی رویوں کی مذمت سے یہ بات نظر آتی ہے کہ مختلف قسم کے امن و امان کے وجود میں لانے کے سلسلہ میں اسلام کے کردار کی بات ایک واضح سی بات

ہے۔اسلام اپنے اخلاقی وتربیتی قوانین کے پیش نظر اخلاقی امن فراہم کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے:

''هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْأُمِّیِّینَ رَسُولًا مِنْهُمْ یَتْلُو عَلَیْهِمْ آیَاتِهِ وَیُزَکِّیهِمْ'' وہ وہی ہے جس نے انپڑھ (عربوں) کے درمیان ان میں کا ایک پیغمبر مبعوث کیا جو ان کے لئے الٰہی آیات کی تلاوت کرتا تھا اور انھیں پاکیزہ کرتا تھا۔(جمعہ/۲)

یہاں اسلام اپنے تربیتی قوانین کے لئے ایک ایسی مرکزیت کو مدنظر رکھتا ہے جس کے بغیر وہ اپنی اسلامی خصوصیت کو گنوا دیتا ہے۔اسلام اخلاقی برائیوں کو حرام قرار دیتے ہوئے کہ جو انسان سے اس کی انسانیت چھین لیتی ہے، انسانی اخلاقی فضا کو آلودہ کرنے والی تمام چیزوں سے انکار کرتا ہے اور خانوادہ کی بنیاد رکھتے ہوئے جنسی غرائز کو غلط طریقوں سے پورا کرنے کے تمام اسباب کی نفی کرتا ہے اور بہترین اجتماعی وسماجی روابط وتعلقات کی لڑیوں کو پیش کرتے ہوئے تمام مادی معیاروں منجملہ رنگ، زبان، نسل، قبیلہ اور جغرافیا وغیرہ سے انکار کرتا ہے جو لوگوں کو تفرقہ و پراگندی کا شکار بناتے ہیں۔ یوں ہی زندگی میں تمام انسانی حقوق انسان کی کرامت، آزادی، سماجی واقتصادی آسائش کی ضمانت لیتے ہوئے ان تمام تباہ کن عوامل مثلاً تنگ نظری غصب مال، حرام خوری، دولت اکٹھا کرنا، اسراف، تبذیر، راہ زنی، ظلم وستم اور قتل وغارت وغیرہ کی نفی کرتا ہے اور سماجی امن وامان فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔اسی طرح اس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اصل مشورت، باہمی ولایت وسرپرستی، عمومی ذمہ داری اور سیاسی مشارکت کے ذریعہ لوگوں کی ضمانت بھی لے۔اس راہ میں اسلام کی روش اتنی روشن وواضح ہے کہ اس کی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

اسلام، تہذیبی اور (عالمی) میدان میں اپنے انسانی اصول کے تقاضوں کے ذریعہ پوری انسانیت کے لئے عادلانہ امن وصلح برقرار کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اگر اس راہ میں جنگ بھی ضروری ہو تو صرف جارح کو جواب دینے اور اسے اس کی جگہ پر بٹھانے لئے جنگ کرتا ہے اور اس میں بھی بے گناہوں کو نقصان نہیں پہنچاتا اور کوشش کرتا ہے کہ فضا اور ماحول کو بھی نقصان نہ پہنچے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو (جب آپؐ ان لوگوں کو جنگ کے لئے روانہ فرما رہے تھے) نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: اللہ کے نام سے اللہ کے لئے اور رسول اللہ کے دین کی بنیاد پر آگے بڑھو۔ افراط نہ کرو، کسی کو ٹکڑے ٹکڑے نہ کرو خیانت نہ کرو، بوڑھوں کو قتل نہ کرو، بچوں اور عوتوں کو نقصان نہ پہنچاؤ، درختوں کو جب تک ضروری نہ ہو نہ کاٹو۔(متقی ہندی، ۱۴۰۹، ح/۵ص/۶۶۷ وکلینی رازی ۱۳۸۸، ج/۵ص/۲۷)

اسلام میں جانوروں، ماحول اور فضا تک کے لئے امن وامان کی ضمانت لی گئی ہے اور اسلام میں ''لا

ضرر و لا ضرار فی الاسلام ''یعنی (اسلام میں نقصان اٹھانا اور نقصان پہنچانا روا نہیں ہے) کا قاعدہ ایک عام قاعدہ ہے جو ماحول اور فضا کو بھی شامل ہے، اس لئے کہ ماحول کو نقصان پہنچانے کا مطلب پوری بشریت کو نقصان پہنچانا ہے۔ خاص طور سے اگر ہم ضرر و زیان کو عام معنی میں لیں اور اسے فرد اور سماج کے لئے براہ راست یا باواسطہ ہر طرح کے نقصان کو شامل سمجھیں، امن کو کسی بھی طرح کا نقصان، نقصان ہی ہے۔ اسلام نے عالم طبیعت کو انسان کے حوالہ کیا ہے اور اس کا فریضہ ہے کہ وہ نعمتوں کا شکر گزار ہو، کفران نعمت نہ کرے: ''وَآتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللهِ لاتُحْصُوهَا إِنَّ الْإِنسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّار''

(اور جو کچھ تم چاہتے تھے اللہ نے تمھیں عطا کیا ہے اور اگر تم اللہ کی نعمت کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔ بلا شبہ انسان بہت ستم گر اور بڑا ناشکرا ہے) (ابراہیم/۳۴)

حتی ایک مسلمان اور عالم طبیعت کے درمیان جذباتی اور دوستانہ روابط بھی برقرار ہو سکتے ہیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوہ احد کی طرف سے گزرتے ہوئے فرماتے ہیں (یہ احد کا پہاڑ ہم کو دوست رکھتا ہے اور ہم بھی اسے چاہتے ہیں) (یہ حدیث تمام صحاح میں روایت ہوئی ہے)

اللہ کا وعدہ ہمیشہ انسان کے خیال و ذہن میں باقی رہتا ہے اور وہ اسے حاصل کرنے کی سخت کوشش کرتا ہے خدا سے متعال فرماتا ہے:

''وَعَدَ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لايُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ''

''خداوند عالم نے تم میں ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دیتے ہیں وعدہ کیا ہے کہ انھیں یقیناً زمین پر جانشین بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے کے لوگوں کو جانشین بنایا تھا اور بلا شبہ اس دین کو جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے ان کے لئے استوار و محکم کر دے گا اور ان کی حالت کو خوف و ہراس کے بعد امن میں بدل دے گا۔ وہ لوگ میری عبادت کریں گے اور کسی کو میرا شریک نہیں بنائیں گے اور اس کے بعد بھی جو لوگ کفر اختیار کریں گے تو وہی نافران ہیں'' (نور/۵۵)

وہ سماج جو جانشین (خدا) امن و امان کا سماج، عبادت گزار سماج ہے وہ اپنے داخلی و خارجی دشمنوں سے امن و امان میں رہتا ہے پیغمبروں کا مقصد بھی یہی ہے ''عبادت'' اور ''طاغوت'' سے امن و امان میں رہنا۔ ''وَلَقَدْ

بَعَثْنَا فِی کُلِّ أُمَّةٍ رَسُولاً أَنْ اُعْبُدُوا اللهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ... ''

''اور درحقیقت ہم نے ہر امت کے درمیان پیغمبر کو مبعوث کیا (تا کہ وہ کہے) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے دوری اختیار کرو'' (نحل/۳۶)

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم ٹرورزم کی، جو عام انسانی منطق میں ہر وہ کام جو وسیلہ و ہدف کے لحاظ سے انسانی وجدان و ضمیر سے ہم آہنگی نہیں رکھتا اور ہر طرح کے امن و امان کے لئے خطرہ ہے، کی تعریف کریں تو یہ نظر آئے گا کہ اسلام پوری قوت کے ساتھ اس (ٹرورزم) کے مقابل کھڑا ہے اور اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش میں مصروف ہے یہ ممکن نہیں ہے کہ علت کو باقی رکھا جائے اور صرف معلول سے لڑتے رہا جائے اور اسے ختم کیا جائے۔

یہ ٹرورزم جو ہمارے سامنے ہے اس کا بہت بڑا حصہ بہت سے عوامل کا نتیجہ ہے، منجملہ:

الف)۔ جہالت کا پھیلاؤ، اندھا تعصب اور دنیا کو آنکھیں بند کر کے دیکھنا۔

ب)۔ فقر تنگدستی بھوک اور محرومیت، کہ فقر کو روایات و احادیث میں کفر کا ہمزاد کہا گیا ہے۔

ج)۔ ظلم و استبداد، قہر و غضب کا پھیلاؤ انسانی حقوق کا سلب کیا جانا اور اس سے اس کی قانونی آزادی چھین لینا۔

د) معنوی رکاوٹوں کا نہ ہونا، قدروں کا انحطاط اور حیوانیت اور بے جا خواہشات کا زیادہ سے زیادہ رائج ہونا۔ جب تک ان عوامل و اسباب کو ختم کرنے یا بے اثر بنانے کے لئے عالمی سطح پر کام نہ کیا جائے گا ٹرورزم یوں ہی پھلتا پھولتا رہے گا۔

اس سے بھی بدتر یہ دیکھا جا رہا ہے کہ بڑے بڑے ممالک جن کی تاریخ جنگوں، ویران گری اور ٹرورزم سے بھری ہے خود کو ٹرورزم سے مقابلہ کرنے والی طاقتوں میں شمار کرتے، حتی وہ ٹرورزم سے جنگ میں بدترین ٹرورزم کے مرتکب ہوتے ہیں اور ٹرورسٹی اور فاشسٹی حکومتوں مثلاً اسرائیل کی صہیونی حکومت کی حمایت کرتے ہیں۔

یہ ممالک جسے چاہتے ہیں سزا دیتے ہیں اور جس کی چاہتے ہیں حمایت کرتے ہیں، کسی بھی ملک یا حکومت کے خلاف ادعا نامہ صادر کرتے ہیں سب کا خیر و شر ان کے ہاتھ میں ہے۔ وہ تمام بشریت کے مدعی ہیں، بین الاقوامی قاضی ہیں مختلف عنوانات سے احکام جاری کرنے والے ہیں۔

امت کی سطح پر ان مسائل کا حل یہ ہے کہ حسب ذیل موارد پر توجہ دی جائے۔

۱۔ اسلام کی معرفت اور خدا کے نام پر زندگی کی راہ سے متعلق مختلف میدانوں میں مسلمانوں کی آگاہی کی سطح بلند کرنا، اور اس کے بعد دنیا کے موجودہ حقائق، عالمی حالات، بین الاقوامی مشکلات مثلاً ''عالمیت'' ''عالمی نظام''

اور ''ثقافتی حملہ'' جیسی چیزوں سے آگاہی حاصل کرنا۔

۲۔ زندگی کے تمام میدانوں میں شریعت اسلام کو عام کرنے کی کوشش کرنا، اس لئے کہ جب تک اسلامی امت اسلام کی طرف واپس نہ ہوگی اس وقت تک مشکلات اسے گھیرے رہیں گے، کیوں کہ جب تک معاشرہ کی عمومی فضا کی پاکیزگی کی ضمانت نہ ہوگی معنوی و دینی ترقی کے لئے ماحول سازگار نہیں ہوگا۔

۳۔ اسلامی تعلیمات کی بنیاد پر مختلف شعبوں میں ہمہ جہت تربیتی پروگراموں کا اجرا۔

۴۔ اس کی پیہم کوشش کی جائے کہ امت کے عملی مواقف میں اتحاد قائم کرنے کے لئے لوگوں کے افکار ایک دوسرے سے نزدیک ہوں، کیوں کہ فکروں کو متحد نہیں کیا جاسکتا لیکن انھیں ایک دوسرے سے نزدیک کیا جاسکتا ہے۔ یہ طے نہیں ہے کہ اتحاد خیال پردازی سے حاصل ہو جس طرح ہم یہ نہیں چاہتے کہ یہ چیز آنکھیں بند کر کے تسلیم ہو جانے سے حاصل ہو۔ یہ روش درمیانی اور حقیقت پسندانہ طریقوں کی بنیاد پر طے شدہ مقاصد کی روشنی میں اسلامی عقلانیت کے رواج، منطقی، اور مسالمت آمیز گفتگو، دوسروں اور ان کے مخالف نظریوں کو برداشت کرنے، منضبط اجتہاد کی آزادی اور تکفیر، تفسیق و تبدیع (یعنی دوسروں کو کافر فاسق اور بدعتی کہنے) سے پرہیز کے ذریعہ حاصل ہونا چاہئے۔

۵۔ عالمی اور بین الاقوامی موسسات و اداروں کو قوی بنایا جائے، ضروری موسسات قائم کئے جائیں انھیں جدید فعال و امید افزا وسائل و ذرائع سے استفادہ کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ عمل کی آزادی دی جائے نیز معاشرہ کے لئے ہمہ جہت امن کے منصوبوں کو مدنظر رکھا جائے جن کی بنیاد حسب ذیل پایوں پر استوار ہو۔

الف)۔ پورے عالم اسلام میں امن کے مسائل کا متحد ہونا۔

ب)۔ انسانی حقوق کے اسلامی منشور کی پابندی

ج)۔ آگاہانہ و عالمانہ احساسات و جذبات کو عملی شکل دینے اور فردی و اجتماعی اعمال پر اثر ڈالنے کے لئے اعتقادی بنیادوں کو محکم و مضبوط کرنا۔

د)۔ عقلانی و ذمہ دارانہ آزادی کی اصل کو مدنظر رکھنا، ظلم اور امن و امان میں خلل ڈالنے والے خیالات و تصورات کو ختم کرنا، امن قائم کرنے کے بہانہ آزادیوں کو کچلنے، اختناق پیدا کرنے اور لوگوں پر پابندیاں لگانے کے بجائے انسانی پیش گیری کی راہ ہموار کرنا۔

ھ)۔ سماجی امن کی حفاظت کے لئے قوموں اور حکومتوں کے باہمی تعاون کی اصل کو مدنظر رکھنا۔

۶۔ سیاسی، اقتصادی، میڈیا، جغرافیائی، مادی، عوامی توانائی، علمی، ثقافتی امکانات سے بہتر طور پر استفادہ

کرنے کے لئے منصوبہ سازی اور انھیں دشمن عناصر سے مقابلہ کے لئے آمادہ کرنا نیز اپنی پیشرفت کی راہ میں معیاروں کی تعیین اور ضروری اصلاحات کے لئے ایک عام ثقافتی مرکز کے قیام پر زور دینا۔

۷۔ مقصد کے حصول کے لئے راہ حل تلاش کرنا، چشم پوشی کرنا، بعض جانبی اختلافات یا فکری تنازعات اور مذہبی، جغرافیائی، تاریخی جھگڑوں کو ٹالنا، اور اولویت کو مدنظر رکھنا اور اہم موارد کو مقدم کرنا۔

۸۔ مسلمان اقلیتوں کی حمایت اور پشت پناہی جو دنیا بھر کے انسانوں کی ایک تہائی جمعیت کو تشکیل دیتے ہیں، ان کے وجود اور اتحاد پر زور دینا۔ ان کے درمیان اور امت اسلام میں ان کی یکجہتی کو مضبوط کرنا۔ تا کہ امت میں اس سے استفادہ ہو سکے اور اسلامی امت کی اس اقلیت کے افراد کی مہارت، آگاہی، تبلیغاتی و علمی توانائیوں سے استفادہ کرنا۔

۹۔ نیکوکاری، امداد رسانی اور تبلیغی اداروں کی حمایت پر زور، انھیں اپنے حال پر تنہا نہ چھوڑنا، انھیں فرعی، مذہبی و سیاسی اختلافات سے دور رکھنا انھیں دشمنانہ تہمتوں مثلاً ان پر ''ٹرورزم کی تہمت'' سے دور رکھنا کہ جو ان کے بند کئے جانے پر تمام ہو۔

۱۰۔ تعلیم کی اصالت کی حفاظت، تعلیمی اداروں کا استقلال، خارجی و بیرونی دباؤ کے آگے نہ جھکنا تا کہ تعلیمی ادارے اپنا بہترین کردار ادا کر سکیں۔ تعلیمی اداروں کا نئی نئی ایجادات اور زمانہ کی پیچیدگیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کتاب و سنت سے اسفادہ کرنا۔

۱۱۔ دوسرے موسسات اور خصوصی بین الاقوامی اداروں سے اپنے عادلانہ مسائل میں فائدہ اٹھانا جیسا ''ڈربن'' (جنوبی افریقہ) میں پیش آیا۔

۱۲۔ اہم اور تقدیر ساز مسائل میں قاطعیت اور منصوبہ بندی کے ساتھ استقامت و پائداری کا ثبوت دینا، جن میں سب سے اہم فلسطین کا مسئلہ ہے، اس سلسلہ میں حسب ذیل مشورے دیئے جاتے ہیں۔

الف)۔ اسرائیلیوں کی طرف سے فلسطینی قوم کو تباہ کرنے اور ان کے انتفاضہ کو ختم کرنے والے نقشوں کے خلاف تمام اسلامی کوششوں کو متحد کرنا اور فلسطینی قوم کی شجاعانہ استقامت اور انتفاضہ کی حمایت کرنا۔

ب)۔ نقصان زدہ افراد کی حمایت کے لئے مل جل کر اقدام کرنا تباہ شدہ آبادیوں کی مرمت کرنا اور دولت مند ممالک کو اس کا خرچ برداشت کرنے کے لئے آمادہ کرنا۔

ج)۔ مسئلہ فلسطین کی اسلامی حیثیت پر زور دینا اور اس کے لئے تمام امکانات اور اسلامی طاقتوں کو جمع کرنا۔

د)۔ صہیونیوں کے جرائم کو طشت از بام کر کے انھیں رسوا کرنے کے لئے موثر اقدامات کرنا، تمام قانونی

وسائل کو بروئے کار لانا اور بین الاقوامی اجتماعات وکمیٹیوں سے استفادہ کرنا۔

ھ)۔ غاسب صہیونی حکومت اور اس کے حامیوں پر ہمہ جہت پابندی لگائے جانے پر دوبارہ سنجیدگی سے غور کرنا اور اس سے زیادہ اہم عوام کی طرف سے ان کی اشیاء کی خرید وفروخت پر پابندی لگانا۔

ز)۔ اس سلسلہ میں ''اسلامی کانفرنس کے ادارہ'' کے سیاسی کردار کو فعال کرنا، خاص طور سے بین الاقوامی ویٹو پاور کا مطالبہ اور اسے ان اعلیٰ مقاصد کے لئے استعمال کرنا جن کے لئے یہ کانفرنس بنی ہے۔

ح)۔ ٹرورزم کی ہمہ جہت تعریف پیش کرنے کے لئے بین الاقوامی سطح پر کوشش کرنا اور قانونی ''مقاومت و دفاع'' سے اس کا فرق بیان کرنا تاکہ مقاومت کرنے والی تحریکوں پر ٹرورزم کی تہمت نہ لگائی جائے۔

ط)۔ فلسطین کی مقاومت کو قانونی سپر فراہم کرنا اور اس سے اہم اسلامی امت کے درمیان فلسطینی مقاومت کے حوصلے بلند کرنا تاکہ اس میں خارجی مشکلات سے مقابلہ کرنے کی مزید توانائی پیدا ہو اور اس کا مستقبل روشن ہو۔

ی)۔ ہر اس اقدام کو بروی کار لانا جو ٹرورزم کا خاتمہ کر سکے کیوں کہ ٹرورزم بعض اسباب اور علتوں کے ذریعہ وجود میں آتا ہے اور یہ بات منطقی نہیں کہ معلول سے جنگ کی جائے اور علتوں کو اپنی جگہ رہنے دیا جائے۔

منابع و مآخذ

۱۔ قرآن کریم۔

۲۔ راغب اصفہانی، حسین بن محمد، مفردات راغب، تحقیق: ابراہیم شمس الدین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، چاپ اول، ۱۴۱۸۔

۳۔ صدر، محمد باقر بن حیدر، الفتاوی الواضحۃ، مرکز الابحاث والدراسات التخصصیۃ للشہید الصدر، قم چاپ اول ۱۴۲۳

۴۔ کلینی رازی، محمد بن یعقوب، الکافی، تحقیق علی اکبر غفاری، دار الکتب الاسلامیۃ، تہران، چاپ سوم، ۱۳۸۸۔

۵۔ متقی ہندی، علی بن حسام الدین، کنز العمال، تصحیح صفوۃ السقاہ، موسسۃ الرسالۃ، بیروت ۱۴۰۹۔

مسلحانہ مقاومت کی فقہی بنیادیں

آیۃ اللہ محمد مہدی آصفی
ترجمہ: صفدر حسین یعقوبی

خلاصہ:

اسلامی فقہ کی بنیاد انسانی ضرورتوں کے مختلف پہلوؤں کا جواب دینے کے لئے رکھی گئی ہے۔ ان ہی میں سے ایک مسئلہ بیرونی جارحیت کے مقابل جہاد و دفاع کا مسئلہ ہے۔ مقالہ نگار نے اس تحریر میں فقہ کو دو حصوں، فقہ مقاومت اور فقہ حکومت میں تقسیم کرتے ہوئے داخلی اور خارجی سطح پر مسلحانہ مقاومت کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے اور اس طرح کی مقاومت کی کتاب وسنت اور عقلی دلیل کے ذریعہ تشریح کی ہے۔

کلیدی الفاظ:

فقہی نظریات، مسلحانہ مقاومت ، اجنبیوں کا ناجائز قبضہ، فقہ مقاومت ، فقہ حکومت۔

فقہ مقاومت اور فقہ حکومت

﴿ وَمَا لَكُمْ لاتُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنْ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَنَا مِنْ لَدُنْکَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَنَا مِنْ لَدُنْکَ نَصِيرًا ﴾

''اور تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے جہاد نہیں کرتے ہو جنھیں کمزور بنا کر رکھا گیا ہے اور جو برابر دعا کرتے ہیں کہ خدایا ہمیں اس قریہ سے نجات دے دے جس کے باشندے ظالم ہیں اور ہمارے لئے کوئی سرپرست اپنی طرف سے مدد گار قرار دے دے'' (نساء/۷۵)

عصر حاضر کے اسلامی معاشرے میں دن بدن بڑھتی ضروریات کے تحت ہم دو فقہی مسائل سے روبرو ہیں۔ ''فقہ مقاومت'' اور ''فقہ حکومت''

کلی طور سے فقہ مقاومت، اس موضوع پر پیش آنے والے بہت سے سوالات کے جواب دیتی ہے جو آج کی اسلامی دنیا میں پیش آتے ہیں۔ منجملہ، اس کے واجب عینی یا کفائی ہونے پر بحث، مقاومت کی قسمیں اور اس کی تمام قسموں یا ان میں سے کچھ کے جائز یا واجب ہونے پر بحث، نیز اس کے جواز پر چاروں دلیلوں کے ذریعہ شرعی دلیل پر بحث اور بہت سارے کلی مسائل جو اس موضوع سے مربوط ہیں۔۔

دوسری فقہ جس کی جانب اشارہ کیا گیا ہے وہ ہے ''فقہ حکومت'' جو بہت ہی وسیع اور بہت سے مسائل کو شامل ہے۔ منجملہ حکومتی مسائل اور ان کی نوعیت، قضاوت، ولایت فقیہ، جزائی احکام، پیسہ اور بینک کے مسائل۔ امنیتی اور دفاعی مسائل، عالمی روابط، اساسی قوانین کی تدوین کی فقہ، مجلس شوریٰ اور ولایت سے اس کا رابطہ۔ الکشن اور بہت سارے موضوعات جو اس فقہ سے متعلق ہیں۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ آج کا اسلامی معاشرہ بہت وسیع پیمانہ پر ان دونوں کا حاجت مند ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عصر حاضر میں ہم وسیع پیمانہ پر مسلحانہ مقاومت کی تحریکوں کے شاہد ہیں جو بیرونی قابض اور ظالم و جابر حکومتوں کے خلاف نبرد آزما ہیں۔ نیز اس طرح کی قابل توجہ تحریکوں میں اضافہ کے بھی شاہد ہیں جو اسلامی ممالک میں چل رہی تھیں اور اب بھی جاری ہیں اور یہ تحریکیں بعض علاقوں میں منظّم ہو رہی ہیں۔

پہلوی دور سلطنت میں ایران و عراق، فلسطین، جنوبی لبنان، الجزائر، ٹونس، افغانستان، مشرقی ایشیا کے اسلامی ممالک اور دوسرے خطے۔ وسطی ایشیا میں روسیوں کے ذریعہ مقبوضہ اسلامی ممالک۔ تبت میں مسلمان نشین علاقے جو چین کے قبضہ میں ہیں لیبیا یا دوسرے اسلامی ممالک جو بعض اوقات اجنبیوں کے حملوں اور قبضوں سے دو چار ہوتے ہیں یہ وہ نمونے ہیں جن کی جانب اشارہ کیا جا سکتا ہے۔

اجنبیوں کے حملوں اور دہشت گردیوں کے سبب مسلمان جن مشکلات کے شکار ہوتے ہیں وہ طولانی مدت تک جاری رہتی ہیں، کیوں کہ سابق روس کے ٹکڑوں میں بٹنے کے بعد امریکہ کی طولانی مدت سیاست یہ ہے کہ وہ اس علاقہ میں اپنا سیاسی، اقتصاد، فوجی حتیٰ ثقافتی ٹھکانا قائم کرے۔

درحقیقت امریکہ کی پسندیدہ اور منتخب روش اس راہ میں اپنے خیر خواہوں اور گماشتوں کو اسلامی دنیا میں اہم عہدوں پر براجمان کرنا ہے۔ اور یہ لوگ وہ افراد ہوں جو قومی اور ملی شہرت رکھنے کے ساتھ امریکی سیاست کو نافذ کریں گے اور یہ وہی حکومتیں ہیں جن کو امریکہ ''معتدل حکومتوں'' کے نام سے یاد کرتا ہے۔ یہ بالکل واضح سی بات ہے کہ ایسی حکومتیں کبھی بھی اپنی قوم وملت کی حقیقی نمائندہ حکومت نہ ہوں گی۔ اور اپنی باطل حکومت اور کرسی کو بچانے کے لئے ظلم و بربریت اور انقلابیوں کے سر کچلنے کے علاوہ کوئی راہ نہیں اپنائیں گی اس طرح آج اسلامی دنیا دو اہم مشکل سے دوچار ہے ناجائز قبضہ اور استبداد۔

ان دو روشوں سے مقابلہ کا نتیجہ اسلامی مقاومت کا وجود اس کی نشو ونما ان دو محاذوں پر ان کی مقاومت ہے اجنبیوں اور کافروں کے ناجائز قبضے کا محاذ اور اپنے ملک پر ظالم وستمگر گماشتوں کے خلاف محاذ، دوسرے لفظوں میں ایک داخلی اور دوسرا خارجی محاذ ہے۔ جتنا ہی ناجائز قبضہ اور ظلم پنپے گا اس کے مدمقابل اسلامی دفاعی تحریکیں جنم لیں گی اور ان میں وسعت آتی جائے گی۔ جس طرح روس کے ٹوٹنے کے بعد اسلامی ممالک میں امریکی سیاست کا نفوذ بڑھ رہا ہے عوامی مقاومت بھی منظّم ہوتی جارہی ہے اور اپنی راہ وحکمت عملی کو داخلی اور خارجی محاذوں پر منظّم و مرتب کررہی ہے ظاہری بات ہے کہ یہ حکمت عملیاں اسلامی فقہ کے تحت پروان چڑھیں پھر ان کی قانون سازی ہو تاکہ سارے مسلمان اس کے تحت اپنا دفاع کرسکیں۔

فقہ حکومت کے مصداق اور نمایاں نمونہ کے طور پر جمہوری اسلامی ایران کی جانب اشارہ کیا جاسکتا ہے جو روز اول سے فقہی روش پر قائم ہوئی ہے جس کی رہبری ایک فقیہ اور مجاہد شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع میں کی ہے۔ اور یہ اسلامی حکومت اسی فقہی روش پر اب تک چل رہی ہے اور اس کے حساس اور اہم عہدے احکام وحدود شرعیت کے پابند فقیہوں کے پاس ہیں۔ ظاہری بات ہے کہ اس حکومت کو وسیع پیمانہ پر فقہی آئیڈیالوجی اور قانون سازی کی ضرورت ہے اور یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ موجودہ تاریخ میں یہ موضوع پہلی بار پیش آیا ہے۔

مسلحانہ مقاومت کی اقسام اور اس کے فقہی نظریات

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ عصر حاضر میں ہم دو قسم کی مقاومت کی ترقی کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ داخلی مقاومت ظالم و جابر حکومت کے خلاف جہاد۔ بیرونی مقاومت جو اجنبیوں کے ناجائز قبضوں کے خلاف استقامت ہے۔ لیکن ان دونوں کی خاص فقہی بنیادیں ہیں۔

داخلی فقہی مقاومت میں جو کتاب و سنت سے استفادہ کیا جا سکتا ہے وہ ہے امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے جس کا عالی درجہ طاقت کا استعمال ہے جو مسلحانہ مقاومت ہے اور کم ترین درجہ ظالم سے قلبی نفرت ہے۔ اور اس کا درمیانی راستہ سیاسی، اقتصادی، اداری بائیکاٹ، اور ظالم کے خلاف پروپیگنڈہ، اس کے ظلم کو برملا کرنا، عوام کو اس سے دور کرنا اور سیاسی و اجتماعی طور پر اس کو کمزور کرنا۔ ہے یہ مسلحانہ مقاومت اور قلبی نفرت کا درمیانی راستہ ہے۔

جارح کفار کے خلاف جہاد اور مسلحانہ اقدام کو اگر ہم کتاب و سنت سے ثابت کر سکتے ہیں تو وہ ہے آیۂ قتال (سورہ نساء آیت ۷۵) اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و ائمہ طاہرین علیہم السلام سے مروی بہت سی احادیث جن کو فریقین نے نقل کیا ہے اس بات کی غماز ہیں کہ جب اسلام دشمن عناصر اسلامی سرزمینوں پر ناجائز قبضہ کریں تو اس وقت دفاع واجب ہے اور کفار کے خلاف لڑی جانے والی جنگ میں ہر طرح کی مدد کا وجوب بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ اس کی بنیادوں میں سے ایک اسلامی حکومت کا دفاع کرنا تمام مسلمانوں پر واجب ہے اگر کچھ اسلامی مذاہب ظالم حکمران کے خلاف جنگ و جہاد کے واجب یا جائز ہونے کے سلسلہ میں مشکوک ہوں تو بھی کوئی مذہب کافر دہشت گردوں کے خلاف جنگ اور اسلامی ممالک سے دفاع کی حرمت کا قائل نہیں ہے۔ نیز اس مسئلہ میں عقل کا یقینی فیصلہ دفاع کے واجب ہونے پر ہے جیسا کہ عقل ظالم کے خلاف دفاع کی قوت رکھتے ہوئے تسلیم ہونے کو قبیح جانتی ہے۔ بہر کیف ہم اس تحقیق میں اسلامی شہروں پر ناجائز قبضہ کرنے والے کفار کے خلاف مسلحانہ مقاومت کی فقہی بنیادوں کے بارے میں گفتگو کریں گے۔

ناجائز قبضہ کرنے والے اجنبیوں کے خلاف مسلحانہ مقاومت کی فقہی بنیادیں

مسلحانہ مقاومت کے وجوب پر فقہی دلیلیں تین ہیں۔

۱:۔قرآن کریم

۲:۔ سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سنت اہل بیت علیہم السلام جو سنت رسولؐ کا تسلسل ہے۔

۳:۔ عقلی دلیل

پہلے ہم دو دلیلوں کو تمام اسلامی مذاہب کے فقہی نظریات یعنی مکتب اہل بیتؑ اور مکتب خلفاء سے ذکر کریں گے۔لیکن عقلی دلیل مکتب اہل بیت علیہم السلام سے مخصوص ہے۔اہل سنت کے فقہی مذاہب عقلی دلیل کو حجت نہیں مانتے۔

فقہا کے نظریات

اصل موضوع یعنی دشمنوں کے قبضوں کے خلاف مسلحانہ مقاومت کی گفتگو شروع کرنے سے پہلے ہم دفاع اور اس کے شرائط کے بارے میں حکم شریعت کے سلسلہ میں بعض فقہا کے نظریات کو ذکر کرتے ہیں۔

ابن ادریس کتاب ''السرائر'' میں کہتے ہیں:

''اگر کوئی دشمن (نعوذ باللہ) مسلمانوں پر حملہ کرے اور حاکمیت اسلام جو کہ اصل اسلام ہے اور اسلامی معاشرہ خطرے میں پڑ جائے یا بعض مسلمان خطرے میں پڑ جائیں تو ایسی صورت میں دشمنوں کے خلاف جہاد و دفاع مسلمانوں پر واجب ہے۔ہاں ایسی صورت میں مجاہد کو چاہئے کہ اپنا اور حریم اسلام و مسلمین کے دفاع کا قصد کرے'' (ابن ادریس حلی، مطبوعہ ۱۴۱۰ھ ج ۲/ص ۴/)

علامہ حلی ''قواعد الاحکام'' میں فرماتے ہیں:

''اپنے اور اہل وعیال کی جان کا دفاع اس شخص پر واجب ہے جو اس کی قدرت رکھتا ہے۔اور دشمن کے سامنے تسلیم ہو جانا جائز نہیں ہے۔انسان اپنے مال کا اپنی جان کی طرح دفاع کر سکتا ہے اور اگر دفاع کرنے والا مر جائے تو شہید ہے'' (علامہ حلی، طبع ۱۴۱۳ھ، ج ۳/ص ۵۷۱/)

نیز ''تذکرۃ الفقہا'' میں فرماتے ہیں: جو کوئی اپنے مورچہ پر قتل ہو وہ شہید ہے۔(علامہ حلی، طبع ۱۴۱۵ھ ج ۹/ص ۴۵۳/)

آپ کی مراد دفاعی جہاد ہے، کیوں کہ عموماً مورچہ نشین دفاعی جنگ کرتا ہے۔

شہید اول کتاب ''دروس'' میں فرماتے ہیں:

''مگر یہ کہ اصل اسلام خطرے میں پڑ جائے یا مسلمانوں کے کسی گروہ کو تباہ ہو جانے کا خطرہ ہو تو ایسی

صورت میں جولوگ انسے نزدیک ہیں ان پر دفاع کرنا واجب ہے۔(شہید اول طبع ۱۴۱۴ھ، ج ۲/ص ۳۰/)

محقق اردبیلی ''زبدہ البیان'' میں ﴿اصبروا و صابروا و رابطوا﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''یعنی مرابط کے مصادیق میں سے ایک جان ودین کا دفاع ہے'' (محقق اردبیلی، بی تا۔ص ۱۴۴/)

شیخ جعفر کبیر ''کشف الغطاء'' میں فرماتے ہیں:

''ایک دوسری مستحب یا واجب شرعی جنگ بھی ہے جس کو (دفاع) کہتے ہیں اور اس کی تین قسمیں ہیں۔

۱)۔ انسان کا اپنی جان کا دفاع کرنا۔

۲)۔اپنی عزت وناموس کا دفاع یا کسی مومن کی عزت و جان کا دفاع کرنا جو انسان کی سلامتی کے اطمینان کی صورت میں اس پر واجب ہے۔

۳)۔اپنے یا مومن کے مال کا دفاع جو مستحب ہے۔(کاشف الغطا، ۱۴۲۲ھ، ج ۴/ص ۲۹۲، ۲۹۳/)

فقیہ عالی قدر شیخ محمد حسن نجفی اپنی کتاب ''جواہر الکلام'' میں فرماتے ہیں:

''اگر دشمن چڑھائی کرے تو اس کا مقابلہ واجب اور واجب جہاد شمار ہوگا اور اس کے لئے امام کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے'' (نجفی، ۱۴۰۱ھ، ج ۲۱/ص ۱۴/)

اس کے بعد آپ وضاحت فرماتے ہیں کہ فقہا کی جانب سے جہاد کے جو شرائط بیان کئے گئے ہیں من جملہ امام عادل کا حکم یا اس کی اجازت یہ جہاد ابتدائی سے مخصوص ہے یعنی یہ اسلام کی راہ میں دعوت کا جہاد ہے۔لیکن دفاعی جہاد میں کوئی شرط ضروری نہیں ہے اور مزید فرماتے ہیں دفاع جہاد کے اقسام میں سے ہے اور جہاد کی مطلق دلیلوں میں داخل ہے۔لہٰذا اس راہ کا مقتول شہید شمار ہوگا اور اس کے لئے غسل وکفن کی ضرورت نہیں ہے۔

''جواہر الکلام'' کی عبارت یوں ہے کہ بعض فقہا کے کلام سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مرکز اسلام کا دشمن سے دفاع حتیٰ غیبت امام زمانہؑ میں جہاد شمار ہوگا کیوں کہ ادلہ جہاد مطلق اور اس مورد کو بھی شامل ہیں اور جو ممانعین ہیں وہ جہاد ابتدائی سے مخصوص ہیں اور دعوت اسلام کی خاطر امام معصوم یا نائب امام کی اجازت سے متعلق ہیں لہٰذا جہاد ابتدائی اجازت کی شرط کے ساتھ ہے لیکن ہمارا موضوع کلام ایسا جہاد ہے جس کی مشروعیت کے لئے حضور امام معصوم یا ان کے نائب کی اجازت اختیار کی صورت میں شرط نہیں ہے اور اگر اختیار کی صورت میں جہاد شمار ہوتا ہے تو اصل (یعنی استصحاب) اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کے بعد بھی وہی صورت باقی رہے اور اس کا احتمال کہ اختیار کی

صورت میں بھی جہاد نہ ہو تو یہ ادلۂ اطلاق جہاد کے مخالف ہے۔ (گزشتہ)

دوسری جگہ فرماتے ہیں: جہاد، جہاد دفاعی اور جہاد ابتدائی سے عام تر ہے اور فقہا کا ان قسموں پر تقسیم کرنا اسی بات کی طرف اشارہ ہے بلکہ جس طرح باب طہارت میں گزر چکا ہے ایک گروہ (علماء) نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اس راہ میں مقتول شہید ہے ویسے ہی جس طرح جہاد ابتدائی میں امام معصومؑ کے رکاب میں مقتول شہید ہے اور اسے غسل وکفن کی ضرورت نہیں ہے۔ (گزشتہ/۱۶)

اسی طرح آپ اس کتاب میں اقسام جہاد کے ذیل میں فرماتے ہیں:

دوسرے یہ کہ کفار مسلمانوں پر حملہ کریں اس طرح کہ مرکز اسلام اور اس کی اصل خطرے میں پڑ جائے یا یہ کہ دشمن، اسلامی سرزمینوں پر قبضہ کر لے اور ان کو اسیر، ان کے اموال کو غارت کر دے تو اس صورت میں جہاد واجب ہے اور یہ حکم آزاد، غلام، مرد، عورت، بیمار، صحت مند سب پر ضرورت کے وقت نافذ ہوگا اس صورت میں ان سب (مرد وعورت غلام آزاد وغیرہ) کو امام معصومؑ کا حضور اور ان کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوگی اور اس حکم کا وجوب صرف ان مظلوم افراد ہی پر نہیں ہوگا بلکہ سارے مسلمانوں پر واجب ہے۔ ہر چند کہ جو لوگ موقع اور صورت حال سے زیادہ نزدیک ہیں ان سے زیادہ تاکید کی گئی ہے ۔ (گزشتہ، ص/۱۸۔۱۹)

اس موضوع کے سلسلہ میں یہ بعض فقہا کے نظریات تھے اب اس کے دفاع کے وجوب ومشروعیت پر کتاب وسنت سے دلیل پیش کرتے ہیں۔

۱)۔ قرآن کریم

خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿ وَمَا لَكُمْ لاتُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنْ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ﴾

''اور تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے جہاد نہیں کرتے ہو جنھیں کمزور بنا کر رکھا گیا ہے اور جو برابر دعا کرتے ہیں کہ خدایا ہمیں اس قریہ سے نجات دے دے جس کے باشندے ظالم ہیں اور ہمارے لئے کوئی سرپرست اور اپنی طرف سے

مددگار قرار دے دے'' (نساء/۷۵)

تمام مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت تمام مہاجرین وانصار کو مکہ کے مظلوم مسلمانوں کے دفاع کے لئے خطاب کر رہی ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے اور کچھ لوگ ہجرت نہ کر سکے تو یہ لوگ کفار قریش کی اذیت وشکنجوں اور توہین کے شکار ہوئے۔ یہ لوگ مسلسل بارگاہ الٰہی میں دعا کرتے اور اس ظلم وستم سے نجات کی تمنا کرتے تھے خدا نے اس آیت کو نازل کیا اور مسلمانوں کو قریش سے جہاد کرنے اور مظلوم مسلمانوں کو نجات دلانے کا حکم دیا۔

زمخشری اپنی تفسیر ''الکشاف'' میں کہتے ہیں:

''مظلوم ومستضعف وہ لوگ تھے جو مکہ میں ایمان لے آئے تھے مگر کفار ان کی ہجرت میں رکاوٹ بنے رہے تھے۔ یہ لوگ مجبوراً مکہ میں تھے اور کفار کی جانب سے ان کو بہت تکلیف دی جا رہی تھی لوگ دعا کرتے تھے اور خدا سے مدد طلب کرتے اور کفار کی اذیت سے نجات کے خواہاں تھے۔ خدا نے ایسے میں بعض لوگوں کے لئے مدینہ کی طرف ہجرت کے اسباب مہیا کر دیئے اور بعض لوگ پھر بھی رہ گئے یہاں تک کہ فتح مکہ واقع ہوئی اور خدا نے اپنی رحمت ان کے شامل کی''

(زمخشری، بی تا، تفسیر آیت ۷۵ سورہ نساء)

جیسا کہ ظاہر ہے کہ یہ آیت مکہ میں کفار کے ہاتھوں ستم دیدہ مسلمانوں کی نجات کی خاطر حکم جہاد ہے، اور یہ جہاد، جہاد دفاعی کی ایک قسم ہے۔ کیوں کہ یہ مکہ میں موجود مسلمانوں کا دفاع ہے جو مشرکوں کی قید میں تھے اور یہی جہاد دفاعی ہے جو آج کی زبان میں ''مقاومت'' کہا جاتا ہے دوسری جانب آیت مسلمانوں کو جہاد کے لئے آمادہ کر رہی ہے اور یہ خود اس کے وجوب پر دلیل ہے۔

فخر رازی آیت کے اس حصہ ''وَمَا لَكُمْ لاَ تُقَاتِلُوْنَ'' کے بارے میں کہتے ہیں:

''یہ جملہ جہاد کے واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ دشمن کے خلاف جنگ نہ کرنے کا کوئی بہانہ قابل قبول نہیں ہے'' (رازی بی تا۔ تفسیر آیت ۷۵ سورہ نساء)

اسی طرح اس جملہ کی تفسیر میں کہتے ہیں: ''اس جملہ کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو جنگ پر مامور ہیں اور صیغہ غائب سے حاضر کی طرف التفات ہے (چوں کہ ماقبل آیت میں غائب کی ضمیر استعمال ہوئی ہے اور اس آیت

میں حاضر کی) اور یہ التفات درحقیقت مبالغہ کے لئے ہے اور یہ تاکید ان لوگوں کے لئے ہے جن کو جنگ کا حکم دیا گیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ سورہ نساء کی آیت نمبر ۷۵ مظلوم مسلمانوں کو کفار کے پنجوں سے چھٹکارا دلانے کے لئے جہاد کرنے کو واجب قرار دیتی ہے اور اسی کو مسلمانوں کی مقاومت کے وجوب پر دلیل بنایا جاسکتا ہے۔

قرآن کی دیگر آیات بھی ہیں جو اس موضوع پر دلالت کرتی ہیں لیکن ہم مذکورہ آیت ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

۲)۔ سنت رسول اکرمؐ واہل بیت علیہم السلام

فریقین نے رسول اکرم سے بہت ساری حدیثوں کو نقل کیا ہے۔ کہ جب دشمن مسلمانوں پر حملہ کردیں اور مسلمان مدد طلب کریں تو تمام مسلمانوں پر مدد کرنا واجب ہے۔

ہم یہاں پر فریقین کی جانب سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منقول احادیث پیش کرتے ہیں:

شیخ کلینی نے ''کافی'' میں لکھا ہے کہ علی بن ابراہیم نے اپنے باپ سے انھوں نے نوفلی سے اور انھوں نے سکونی سے اور انھوں نے ابی عبداللہ علیہ السالم سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''من اصبح لا یهتم بأمور المسلمین فلیس بمسلم''

جو کوئی اس حالت میں صبح کرے کہ مسلمانوں کی خبر گیری نہ رکھے وہ مسلمان نہیں'' (مجلسی، ۱۴۰۳ھ ج/۷۱ص/۳۳۷)[۱]

''نوادر راوندی'' میں حضرت موسیٰ بن جعفر علیہما السلام نے اپنے آبائے کرام اور انھوں نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

''من اصبح لا یهتم بامور المسلمین فلیس فی شیٔ و من شهد رجلا ینادی یا للمسلمین فلم یجبه فلیس من المسلمین''

جو کوئی اس حال میں صبح کرے کہ امور مسلمین کی کوئی خبر نہ رکھے تو وہ اسلام سے دور ہے اور اگر دیکھے کہ کوئی شخص آواز دے رہا ہے کہ اے مسلمانوں میری مدد کرو اور وہ مدد نہ کرے تو وہ مسلمان نہیں ہے'' (گزشتہ ج/۷۲ص/۲۱)

۱۔ اگرچہ نوفلی کی وثاقت کے بارے میں کچھ حاصل نہیں ہوسکا لیکن فقہا و محدثین کی نوفلی کی روایات پر تاکید نوفل کے اعتبار کی دلیل ہے کیوں کہ سکونی نے نوفلی سے بہت سی روایات نقل کی ہیں۔

اسی طرح شیخ کلینیؒ نے ''کافی'' میں محمد بن یحیٰ انھوں نے سلمہ بن خطاب انھوں نے سلیمان بن سماعہ انھوں نے اپنے چچا عاصم کواز انھوں نے ابی عبداللہ علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

''من اصبح لا یهتم بامور المسلمین فلیس منهم و من سمع رجلا ینادی یا للمسلمین فلم یجبه فلیس بمسلم

''جوکوئی اس حال میں صبح کرے کہ اسے امور مسلمین کی فکر نہ ہوتو وہ ہم سے نہیں ہے اور جوکوئی یہ سنے کہ کوئی آواز دے رہا ہے کہ اے مسلمانوں میری مدد کرو اور اس کی مدد نہ کرے تو وہ مسلمان نہیں ہے۔(گزشتہ)

اسی طرح اسی کتاب میں امور مسلمین کے اہتمام اور ان کے ساتھ حسن سلوک کے سلسلہ میں عن محمد بن یحیٰ عن احمد بن محمد بن عیسیٰ عن ابن محبوب عن محمد بن قاسم ہاشمی عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال:

''من لم یهتم بامور المسلمین فلیس بمسلم''

جوکوئی امور مسلمین کی پرواہ نہ کرے وہ مسلمان نہیں ہے۔(کلینیؒ ۱۳۸۸ھ ج/۲ص/۲۳۵)

اسی طرح کی روایت اہل سنت نے ذکر کی ہے طبرانی نے ''المعجم الصغیر'' میں حذیفہ بن یمانی سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت نقل کی ہے:

''من لا یهتم بامر المسلمین فلیس منهم و من لم یصبح و یمسی ناصحا لله و لرسوله و لکتابه و لامامه و لعامه المسلمین فلیس منهم''

جوکوئی امور مسلمین کا خیال نہ کرے وہ مسلمان نہیں جس کے شب وروز گزر جائیں اور لوگوں کو اوامر خدا اور رسول وکتاب اور اس کے امام کی جانب ہدایت نہ کرے وہ مسلمان نہیں ہے۔(طبرانی ۱۴۰۵ھ ج/۲ص/۵۰)

طبرانی نے اس حدیث کو ''الاوسط'' میں بھی حذیفہ سے نقل کیا ہے۔(طبرانی معجم الاوسط، ج/۸ص/۲۳۰)

اسی طرح سیوطی نے ''جامع الاحادیث'' میں حرف میم میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔(سیوطی، ج/۲۱ص/۳۷۹)

ابن رجب حنبلی ''جامع العلوم والحکم'' میں اسی حدیث کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

''اس کتاب کے شروع میں ہم نے اشارہ کیا ہے کہ ابوداؤد نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے۔ یہ وہ حدیث ہے جس پر بنیاد فقہ کھڑی ہے۔ حافظ ابونعیم کہتے ہیں۔ یہ حدیث عظیم ہے۔ محمد بن اسلم طوسی کہتے ہیں۔ یہ ایک چوتھائی دین ہے'' (ابن رجب حنبلی ۱۴۰۰ھ ۹۳)

مستدرک الصحیحین میں ذہبی کے تعلیقہ کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے: ''من لم یتق اللہ فلیس من اللہ فی شیٔ، من لم یھتم بامور المسلمین فلیس منھم ''جو تقوائے الٰہی نہ رکھے وہ خدا سے دور ہے اور جو امور مسلمین کی پرواہ نہ کرے وہ مسلمان نہیں۔ (حاکم نیشاپوری، ۱۴۱۱ھ، ج ۴/ص ۳۵۲ و ۳۵۶)

بہر حال یہ حدیث، احادیث مستفیضہ میں سے ہے جو متعدد طرق سے ایک لفظ اور ایک معنی میں نقل ہوئی ہے اور ہم ان چند طرق کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں:

یہ مستفیض حدیث میں اہل بیت علیہم السلام سے نقل ہوئی ہے لیکن اس میں یہ اضافہ ہے:

''و من سمع رجلا ینادی یا للمسلمین فلم یجبه فلیس بمسلم''

یہ دوسرے طرق میں ذکر نہیں ہے۔ لیکن صدر حدیث کافی ہے اور معاشرے میں حوادث کے پیش آنے اور مدد کے طلب کرنے پر مدد کرنے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے۔

اس موضوع پر دوسری روایات

برقی نے ''المحاسن'' میں نقل کیا ہے:

''عن محمد بن علی عن ابن فضال عن محمد عن ابراھیم عن عمر عن ابی عبد اللہ علیه السلام قال '' ما من مسلم یخذل اخاه و ھو یقدر علی نصرته الا خذله اللہ فی الدنیا و الا خرة''

کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو تنہا نہیں چھوڑتا جب کہ وہ اس کی مدد کر سکتا ہے لیکن (اگر ایسا کرے) تو خدا اس کو دنیا و آخرت میں تنہا چھوڑ دے گا۔ (مجلسی گزشتہ، ص ۲۲)

شیخ صدوق نے ''ثواب الاعمال ''میں نقل کیا ہے:

''عن ابیه علی بن بابویه عن سعد عن برقی عن ابیه عن حماد بن عیسیٰ عن ابراھیم بن عمر یمانی عن ابی عبد اللہ علیه السلام قال '' ما من مومن یعین مومنا مظلوما الا کان افضل من صیام شھر و اعتکافه فی المسجد الحرام، وما من مومن ینصر اخاه و ھو یقدر علی نصرته الا نصره اللہ فی الدنیا و الاخرة وما من مومن یخذل اخاه و ھو یقدر علی نصرته الا خذله اللہ فی الدنیا

و الآخرة ''

''جوکوئی مومن کسی دوسرے مومن کی مدد کرے تو یہ عمل افضل و برتر ہے ایک ماہ کے روزے اور مسجد الحرام میں اعتکاف سے اور جوکوئی مومن اپنے برادر مومن کی مدد کرے گا تو خدا دنیا و آخرت میں اس کی نصرت کرے گا اور جوکوئی اپنے برادر مومن کو تنہا چھوڑ دے جب کہ اس کی مدد کی قوت رکھتا ہو تو خدا اس کو دنیا و آخرت میں تنہا چھوڑ دے گا۔ (گزشتہ، ص/۲۱)

اور یہ روایت صحیح ہے:

''قرب الاسناد'' میں

''عن هارون عن ابن صدقه عن امام صادق عليه السلام قال '' لا يحضرنّ احدكم رجال يضرّبه سلطان جائر ظلما و عدوانا و لا مقتولا و لا مظلوما اذا لم ينصره لان نصرة المومن على المومن فريضة واجبة اذا حضره و العافية اوسع ما لم يلزمک الحجة الظاهرة''

جس شخص پر ظالم حکمراں ظلم کرے اور اسی طرح کسی مقتول و مظلوم کے پاس تم میں سے کوئی نہ ٹھہرے اگر تم اس کی مدد نہیں کر سکتے، اس لئے کہ اگر کوئی مومن کسی مومن کے پاس ہو تو اس پر اس کی مدد واجب ہے اور تم اس صورت میں عافیت و سکون میں ہو جب تک تم کو حجت ظاہر و آشکار کسی چیز کا حکم نہ دے'' (گزشتہ، ص/۱۷)

اسی عنوان کی حدیث ''ثواب الاعمال'' میں ابن ولید سے محمد بن ابی القاسم سے اور ہارون سے'' منقول ہے۔ (گزشتہ)

جیسا کہ دوسری حدیث اسی سند کے ساتھ ''قرب الاسناد'' میں نقل ہے کہ:

''ان النبی صلی الله عليه و آله و سلم امر بسبع : عياده المرضى ، و اتباع الجنائز و ابرار القسم و تسميت العاطس ، و نصر المظلوم ، و اجابة الداعی''

''رسول خداؐ نے سات چیزوں کا حکم دیا ہے۔ مریض کی عیادت، تشیع جنازہ، وعدہ کی وفا، چھینک کے بعد تسمیت (یرحمکم اللّٰہ) کہنا، مظلوم کی مدد، اور پکارنے والے کی آواز پر جانا۔

شیخ صدوقؒ ''امالی'' میں'' عن ابن ادریس عن ابیه عن ابن عیسیٰ عن ابی فضال عن حماد بن عیسیٰ عن ابراهیم بن عمر یمانی عن ابی عبد الله علیه السلام قال : ما من مسلم یخذل اخاه و هو یقدر علی نصرته الا خذله الله فی الدنیا و الاخرة''

جوکوئی اپنے برادر مومن کو طاقت رکھتے ہوئے تنہا چھوڑ دے خدا اس کو دنیا و آخرت میں تنہا چھوڑ دے گا۔ (گزشتہ)

یہ روایت صحیح ہے۔

شیخ صدوق نے ''ثواب الاعمال'' اور ''علل الشرائع'' میں ''نقل کرتے ہیں: عن ابن ولید عن صفار عن سندی بن محمد عن صفوان بن یحی عن صفوان عن مهران عن ابی عبد الله علیه السلام قال : اقعد رجل من الاخیار فی قبره فقیل له انا جالدوک مائة جلدة من عذاب الله ، فقال لا اطیقها ، فلم یزالوا بن حتی انتهوا الیٰ جلدة واحدة ، فقالوا لیس منها بدّ ، فقال ، فیما تجلدونیها ؟ قال نجلدک لا نک صلیت یوما بغیر وضو ، و مررت علی ضعیف ، فلم تنصره قال ، فجلدوه جلدة من عذاب الله عزوجل فامتلا قبره نارا''

''ایک نیک شخص کو اس کی قبر میں لٹایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ تم کو عذاب الٰہی کے سو کوڑے لگائیں گے اس نے کہا مجھے اس کی طاقت نہیں ہے اس کو مسلسل چھوٹ دیتے رہے تھے یہاں تک کہ ایک کوڑے تک پہنچے اور کہا کہ اب کوئی راہ نہیں ہے ایک ہی کوڑا لگائیں گے۔ اس نے کہا آخر کیوں مارنا چاہتے ہو انھوں نے کہا کہ تو نے ایک دن بغیر وضو کے نماز ادا کی اور ایک کمزور شخص کے پاس سے گزرا تھا اور اس کی مدد نہیں کی پھر اس کو عذاب الٰہی کا ایک کوڑا مارا گیا جس کے سبب اس کی قبر آگ سے بھر گئی'' (گزشتہ)

یہ روایت صحیح ہے:

خلاصہ یہ کہ یہ ساری روایات جس میں صحیح روایتیں بھی ہیں اس بات کی غماز ہیں کہ مسلمانوں کی مدد اور جب ان پر ظلم ہو تو ان کا دفاع واجب ہے۔

۳)۔ عقلی دلیل

جس طرح سے یہ بات متحقق اور ثابت ہے کہ امامیہ اور اصولی علماء کے نزدیک دلیل عقلی حجت ہے اور غیر امامیہ اور غیر اصولی (اخباری) علماء کے نزدیک دلیل عقلی حجت نہیں۔

یہ دلیل قیاسی ہے جو مقدمہ (صغریٰ و کبریٰ) سے بنتی ہے اور جو نتیجہ اخذ ہوتا ہے وہ حکم شرعی ہے، جس میں عقل نے حکم کیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ عقل نے خود کسی مسئلہ کو تشریع کیا ہے اور شریعت اس کی تابع ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عقل حکم شریعت کو حاصل کرتی ہے اور اس کی کاشف ہے۔ دو مقدمے حسب ذیل ہیں:

۱:۔ صغرای قیاس عبارت ہے۔ حکم عقل کے تحت انسان کا اپنے مال، جان، ملک کا دفاع حسن ہے۔ ملک پر ناجائز قابض دشمن کے سامنے تسلیم ہونا جس نے لوگوں کے مال کو غصب کر لیا ہے قبیح ہے۔ یہ حکم احکام عقل عملی میں سے ہے۔

۲:۔ کبرای قیاس عبارت ہے، حکم عقل و حکم شریعت میں تلازم: یہ کہ اگر عقل دفاع کو حسن اور دشمن کے سامنے تسلیم ہونے کو قبیح جانے تو شریعت بھی اس کے دفاع کو واجب اور تسلیم ہونے کو حرام جانتی ہے اور یہ حکم احکام عقل نظری میں سے ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ دو عقل ہے بلکہ ان دونوں میں فرق متعلق حکم کے لحاظ سے ہے یعنی اگر عقل کسی خاص عمل کے حسن یا قبح منجملہ قبح ظلم و حسن عدل اور قبح تسلیم (دشمن کے مقابل جب کہ دفاع کی قوت ہو اور کامیابی کا امکان ہو) اور حسن دفاع جیسا حکم کرتی ہے تو اس کو حکم عقل عملی کہتے ہیں کیوں کہ حکم عقل امور عملی میں سے ہے اور اگر اس کا حکم امور نظری میں ہو تو اس کو حکم عقل نظری کہتے ہیں۔ اور عقل و شرع کے حکم میں تلازم اسی قبیل سے ہے۔

بہر حال جو قیاس اس دو مقدمہ (صغریٰ و کبریٰ) سے مرکب ہے اس سے اس طرح نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ شریعت دشمن کے مقابل دفاع کے وجوب اور دشمن کے مقابل تسلیم نہ ہونے کو جب کہ مقابلہ کی طاقت اور معقول کامیابی کا امکان ہو حرام جانتی ہے۔ اب ان دو مقدموں کی وضاحت اور ماخوذ نتیجہ پر گفتگو کریں گے۔

صغرائے قیاس کے بارے میں یعنی انسان کے اپنی جان و مال، عزت و ملک کے بارے میں حسن دفاع کے سلسلہ میں حکم، تو یہ کہنا چاہئے کہ اس سلسلہ میں کوئی عاقل انسان شک نہیں کر سکتا اور جو کوئی حملہ آور دشمن کے خلاف اس سلسلہ میں مسلحانہ اقدام کرتا ہے عقلا اس کی ستائش کرتے ہیں اور اسی طرح جو مقابلہ کی قوت رکھتا ہے اور معقول کامیابی کا امکان رکھتا ہے پھر بھی دشمنوں کے سامنے تسلیم ہو جائے تو اس کی سرزنش اور مذمت کرتے ہیں،

بلکہ اس بات کا دعوی کیا جا سکتا ہے کہ یہ حکم انسانی فطرت میں نہاں ہے، بلکہ انسان کی صحیح وسالم فطرت کبھی اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ مقابلہ کی قوت رکھتے ہوئے اور معقول کامیابی کے امکان کی صورت میں جارح دشمن کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے جائیں یہ صورت حال حیوانوں میں بھی پائی جاتی ہے اور یہ وہی حیوانی جذبہ ہے۔

کبرائے قیاس کا عنوان ومطلب بالکل واضح ہے کیوں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر عقل کسی بات کا حکم کرے تو شریعت بھی اس بات کا حکم کرے گی۔

البتہ حکم عقل سے مراد صرف یقینی حکم عقل ہے یعنی حسن وقبح عقل جس میں یقین حاصل ہو نہ کہ شک و شکوک کے مقامات۔

پس اگر عقل کوئی ایسا حکم کرے تو یہ نہیں ہوسکتا کہ شریعت اس کے مطابق حکم نہ کرے یا اس کے خلاف حکم دے۔ مثلا اگر عقل حسن عدل اور قبح ظلم کا حکم دے تو شریعت ظلم کا حکم یا عدل سے منع نہیں کرسکتی لہٰذا حکم عقل وشریعت میں کامل تلازم پایا جاتا ہے۔

ذکر شدہ صغری کے ضمیمہ کے ساتھ اس کبری کے ہمراہ ایک یقینی اور نا قابل انکار نتیجہ حاصل ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جارح دشمن کے مقابل دفاع واجب ہے اور مقابلہ کی قوت رکھتے ہوئے اور معقول کامیابی کے امکان کی صورت میں دشمنوں کے سامنے گھٹنے ٹیکنا حرام ہے۔

منابع وماخذ :

۱۔ قرآن کریم

۲۔ ابن ادریس حلی، محمد بن منصور، السرائر، موسسہ نشر اسلامی وابستہ بہ جامعہ مدرسین، قم چاپ دوم، ۱۴۱۰ھ۔

۳۔ ابن رجب حنبلی، عبدالرحمٰن ابن شہاب الدین، جامع العلوم والحکم، دارالحدیث، قاہرہ، چاپ پنجم ۱۴۰۰ھ۔

۴۔ حاکم نیشاپوری، محمد بن عبداللہ، المستدرک علی الصحیحین، تحقیق، مصطفٰے عبدالقادر عطا، دارالکتب العلمیہ، بیروت، چاپ اول ج ۴، ۱۴۱۱ھ۔

۵۔ رازی محمد بن عمر، تفسیر رازی، دارالکتب العلمیہ، تہران بی تا۔

۶۔ زمخشری، محمود بن عمر، تفسیر الکشاف، تصحیح مصطفٰے حسین احمد، دارالکتاب العربی بیروت بی تا۔

۷۔ سیوطی، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، جامع الاحادیث، دارالفکر، بیروت، بی تا

۸۔ شہید اول، محمد بن مکی، الدروس، موسسہ نشر اسلامی وابستہ بہ جامعہ مدرسین، قم، چاہ اول ۱۴۱۴ھ

۹۔طبرانی، سلیمان بن احمد، المعجم الاوس، تحقیق: د، محمود طحان، مکتبہ المعارف، ریاض، چاپ اول ج ۸/، ۱۴۰۵ھ
۱۰۔طبرانی، سلیمان بن احمد، المعجما لصغیر، تحقیق: عبدالرحمٰن محمد عثمان، المکتبۃ السّلفیہ، مدینہ منورہ، ۱۹۶۸ء
۱۱۔علامہ حلی، حسن بن یوسف، تذکرہ، موسسہ آل البیت لاحیاء التراث، قم چاپ اول، ۱۴۱۵ھ
۱۲۔علامہ حلی، حسن بن یوسف، تذ، قواعد احکام، موسسہ نشر اسلامی وابستہ جامعہ مدرسین قم چاپ اول ۱۴۱۳ھ
۱۳۔کاشف الغطا، جعفر بن خضر، کشف الغطا، تحقیق، دفتر تبلیغات اسلامی، خراسان، مرکز چاپ وابستہ بہ دفتر تبلیغات اسلامی، قم چاپ اول ج ۴/، ۱۴۲۲ھ
۱۴۔کلینی، محمد بن یعقوب، الکافی تحقیق، علی اکبر غفاری، دارالکتاب الاسلامیہ، تہران، چاپ سوم ج ۲/، ۱۳۸۸ھ ش
۱۵۔مجلسی، محمد باقر بن محمد تقی، بحارالانوار، موسسہ الوفاء، بیروت چاپ دوم ج ۷۱/و۷۲۔ ۱۴۰۳ھ
۱۶۔محقق اردبیلی، احمد بن محمد زبدہ البیان تحقیق، محمد باقر بہبودی، المکتبہ المرتضویہ لاحیاء الاثار الجعفریہ، تہران بی تا۔
۱۷۔نجفی، محمد حسن بن بار، جواہر الکلام، داراحیاء التراث العربی، بیروت، چاپ ہفتم ج ۲۱/، ۱۴۰۱ھ
۱۸۔نووی، صحیح مسلم، شرح نووی، دارالکتب العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ

امام حسینؑ اہل سنت کی نگاہ میں

سید احتشام عباس زیدی

تاریخ انسانیت میں بہت کم ایسی شخصیتیں گزری ہیں جنھوں نے اپنے وجود، اپنی ذاتی وجاہت اور اپنے کردار و عمل سے نہ صرف اپنے زمانہ میں بلکہ ہر زمانہ کے انسانوں کو حیرت زدہ کیا اور اپنے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کیا ہے۔

انسانی قافلہ میں انبیاء و مرسلین علیہم السلام اپنے اپنے عہد کی تقدیر ساز شخصیتیں رہی ہیں اور ان کے بے مثال کارنامے رہتی دنیا تک یاد رکھے جائیں گے ان میں آدمؑ و نوحؑ ابراہیم، موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہر عہد اور ہر دور کے لئے نمونہ ہیں لیکن جس شخصیت نے انبیاء علیہم السلام اور خاص طور سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اپنا گرویدہ بنایا وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذات ہے۔

دوسرے لاکھ کسی کی تعریف کریں اگر خود اس شخص میں کوئی کمال نہ ہو تو یہ بیساکھی اس شخص کے کسی کام نہیں آتی انسان کا ذاتی کمال ہی اسے شہرت، عظمت اور کمال تک پہنچاتا ہے اور دنیا والوں کو اس کے آگے جھکاتا ہے ۔ پھر ایسی شخصیت کا کیا کہنا جس کے کمال سے وابستہ ہو کر دوسروں کو کمال حاصل ہو جاتا ہے۔ امام حسین علیہ السلام ایسی ہی شخصیت ہیں جن سے وابستگی نہ صرف افراد کو بلکہ زمان و مکان کو بھی کمال عطا کرتی ہے۔ غالبا اسی مفہوم کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اس مشہور حدیث میں بیان فرمایا: ''حسین منی وانا منہ'' ذیل میں ہم

امام حسین علیہ السلام کی شخصیت کا اہل سنت کی کتابوں سے ایک مختصر جائزہ لیتے ہیں:

ولادت باسعادت

ابن عبدالبر کا قول ہے: ''حسین ابن علی ابن ابی طالب علیہم السلام، آپ کی والدہ فاطمہ بنت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔ آپ پانچ شعبان کو چار یا تین ہجری میں پیدا ہوئے تھے۔ یہ نظریہ واقدی اور اس کے ہمراہ ایک جماعت کا ہے''۔[1]

''اخبار الدول'' میں آیا ہے: ''جب امام حسین علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس کی اطلاع دی گئی۔ آپؐ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر تشریف لائے، بچہ کو اپنی آغوش میں لیا، اس کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی۔ اسی وقت جبرئیل نازل ہوئے اور خداوند عالم کی جانب سے یہ حکم لائے کہ بچہ کا نام حسینؑ رکھا جائے، جیسے امام حسنؑ کے بارہ میں ہوا تھا''۔[2]

سبط ابن جوزی کا بیان ہے: ''آپ کی کنیت ابوعبداللہ اور القاب سید، وفی، ولی، سبط اور شہید کربلا ہیں''۔[3]

حضرتؑ کی عبادت

ابن عبدربہ نے حضرت امام علی ابن حسینؑ سے روایت کی ہے کہ: حضرت نے اپنے بابا کی عبادتوں کے سلسلہ میں فرمایا: کہ آپؑ شب و روز ملا کر ایک ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے''۔[4]

ابن صباغ مالکی سے روایت ہے کہ: جب امام حسینؑ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو آپ کا رنگ زرد ہو جاتا تھا۔ آپ سے پوچھا گیا کہ یہ کیسی حالت ہے جو نماز میں آپ پر طاری ہوتی ہے تو حضرتؑ نے فرمایا: تمھیں نہیں معلوم کہ میں کس ذات کے مقابل کھڑا ہوتا ہوں۔[5]

زمخشری نے روایت کی ہے کہ لوگوں نے حضرت امام حسین ابن علیؑ کو طواف کی حالت میں دیکھا، اس

۱۔ الاسیعاب، ج ۱/ص ۱۴۳

۲۔ اخبار الدول وآثار الاول، ص ۱۰۷

۳۔ تذکرۃ الخواص، ص ۲۳۲

۴۔ عقد الفرید، ج ۲/ص ۲۲۰

۵۔ الفصول المہمہ، ص ۱۸۳

کے بعد آپ مقام ابراہیم پر آئے اور نماز ادا کی پھر اپنی صورت مقام ابراہیم پر رکھ کر گریہ کرنا شروع کیا اور فرماتے تھے: تیرا بندۂ حقیر تیرے در پہ آیا ہے، تیرا غلام تیرے در پہ ہے، سائل تیرے در پہ ہے، یہ جملے آپ بار بار دہراتے تھے۔ اس کے بعد آپ باہر آئے۔ آپ کا گزر کچھ مسکینوں کی طرف سے ہوا جو سوکھی روٹیاں کھا رہے تھے، انھوں نے آپؑ کو بھی دعوت دی آپ ان کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا: اگر یہ روٹی صدقہ نہ ہوتی تو میں بھی کھاتا پھر آپ نے ان سب کو اپنے گھر بلایا اور سب کو کھانا کھلایا اور لباس عطا فرمایا''۔[1]

عبداللہ بن عبید بن عمیر سے روایت ہے کہ حضرت امام حسینؑ ابن علیؑ نے پچیس مرتبہ پیادہ حج انجام دیئے جب کہ آپؑ کے پاس بہترین گھوڑے موجود تھے۔[2]

طبری نے ضحاک بن عبداللہ مشرقی سے نقل کیا ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اصحاب پر عاشور کی شب آئی تو انھوں نے پوری رات نماز، استغفار اور دعا میں بسر کی۔۔۔''[3]

امام حسینؑ کا حلم:

امام علی بن الحسین سے روایت ہے کہ میں نے اپنے بابا حسینؑ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: اگر کوئی میرے داہنے کان میں مجھے برا بھلا کہے اور بائیں کان میں مجھ سے معذرت طلب کرے تو میں اسے قبول کرلوں گا۔ کیوں کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے مجھ سے میرے جد کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''لا یرد الحوض من لم یقبل العذر من محق او مبطل''[4] یعنی وہ شخص حوض کوثر پر وارد نہیں ہوگا جو عذر قبول نہ کرے چاہے سامنے والا حق پر ہو یا ناحق پر۔

آپ کے ایک غلام نے ایک جرم کیا جس سے اس کی تنبیہ ضروری تھی، حضرت نے اسے سزا دینے کا حکم دیا غلام نے عرض کی اے میرے مولا خداوند عالم فرماتا ہے: '' والکاظمین الغیظ '' آپ نے فرمایا اسے چھوڑ دو، اس نے پھر کہا: '' والعافین عن الناس '' حضرت نے فرمایا: میں نے تجھے معاف کردیا، غلام نے پھر کہا: ''واللہ یحب المحسنین'' حضرتؑ نے فرمایا: جا میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کیا پھر حکم دیا کہ اسے

۱۔ ربیع الابرار، ص/۲۱۰

۲۔ صفۃ الصفوہ، ج/۱ص/۳۲۱۔ اسد الغابہ، ج/۳ص/۲۰

۳۔ تاریخ طبری، ج/۵ص/۴۲۱

۴۔ نظم درر السمطین، زرندی، ص/۲۰۹

انعام واکرام سے نوازا جائے۔[1]

امام حسینؑ حضرت رسول خداؐ کی نگاہ میں

بخاری نے اپنی سند سے نعیم سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن عمر سے کسی نے سوال کیا کہ ایک شخص احرام کی حالت میں ایک مکھی مار دیتا ہے اس کا حکم کیا ہے؟ انھوں نے جواب میں کہا: اہل عراق مکھی کے بارہ میں سوال کرتے ہیں جب کہ انھوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسہ کو قتل کر ڈالا جب کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں: حسنؑ و حسینؑ اس دنیا میں میرے دو پھول ہیں''۔[2]

حاکم نیشاپوری نے اپنی سند سے سلمان سے نقل کیا ہے کہ میں نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا:

''الحسن و الحسین ابنای ، من احبهما احبنی و من احبنی احبه اللّٰه و من احبه اللّٰه ادخله الجنة ، و من ابغضهما ابغضنی و من ابغضبنی ابغضه اللّٰه و من ابغضبه اللّٰه ادخله النار''[3]

''یعنی حسنؑ و حسینؑ میرے دو بیٹے ہیں، جو بھی انھیں دوست رکھے اس نے مجھے دوست رکھا اور جس نے مجھے دوست رکھا، خدا اسے دوست رکھے گا، اور جسے خدا دوست رکھے گا اسے جنت میں داخل کرے گا۔ اور جس نے ان دونوں سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی اور جس نے مجھ سے دشمنی کی اللہ اس کا دشمن ہے اور جس کا اللہ دشمن ہوگا، اسے جہنم میں ڈال دے گا''۔

نیز حاکم نے اپنی سند سے ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''الحسن و الحسین سیدا شباب اهل الجنة و ابوهما خیر منهما''[4]

حسنؑ و حسینؑ جوانان جنت کے سردار ہیں اور ان کے ماں باپ ان سے بہتر ہیں۔

۱۔ وسیلۃ المآل، حضرمی، ص/۱۸۳

۲۔ صحیح بخاری، ج/۵ص/۳۳ کتاب فضائل الصحابہ، باب مناقب الحسن والحسین۔

۳۔ حاکم، مستدرک، ج/۳ص/۱۶۶

۴۔ حاکم، مستدرک، ج/۳ص/۱۶۷

ترمذی نے اپنی سند سے یوسف بن ابراہیم سے نقل کیا ہے کہ میں نے انس بن مالک سے سنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لوگوں نے پوچھا آپ کے اہل بیت میں کون آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا حسنؑ حسینؑ۔ آپؐ ہمیشہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے کہتے تھے میرے دونوں بیٹوں کو میرے پاس لاؤ۔ آپ ان دونوں کی خشبو سونگھتے اور اپنے سینے سے لگاتے تھے۔ ۱

یعلی بن مرہ کہتے ہیں: ''ہم حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ گھر سے ایک مہمانی کے لئے نکلے، راستہ میں انھوں نے دیکھا کہ حسینؑ کھیلنے میں مشغول ہیں، حضرتؐ نے لوگوں کے درمیان حسینؑ کو پکڑنا چاہا لیکن آپ ادھر ادھر دوڑ رہے تھے۔ دونوں خوش ہو رہے تھے یہاں تک کہ حضرتؐ نے حسینؑ کو پکڑ لیا اور اپنی گود میں اٹھا کر سینے سے لگایا پھر فرمایا:

''حسین منی و انا منه احب الله من احبه ، الحسن و الحسین سبطان من الاسباط'' ۲

''حسینؑ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ خدا اسے دوست رکھے جو حسینؑ کو دوست رکھتا ہے۔ حسنؑ و حسینؑ نواسوں میں سے دو نواسے ہیں۔

حسین منی و انا منه کی شرح کہ حسینؑ رسول خداؐ سے ہیں، یہ ہے کہ اگرچہ حسینؑ کے بابا حضرت علیؑ ہیں، لیکن آیت مباہلہ کی نص کے مطابق آپؑ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند شمار ہوتے ہیں۔ اور دوسرا جملہ ''و انا منه'' کی شرح یہ ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''وما محمد الا رسول'' کے مطابق رسول خدا ایک شخص نہیں بلکہ شخصیت ہیں اور حسینؑ میں رسول اکرمؐ کی رسالت الٰہی پوری طرح جلوہ گر ہے جو آپؐ کے جہاد اور شہادت سے ظاہر ہے۔ آپ نے اپنے قیام اور شہادت کے ذریعہ آنحضرتؐ کی رسالت کو زندہ کر دیا، اسی لئے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لئے فرماتے ہیں کہ ''میں حسینؑ سے ہوں''

یزید بن ابی یزید کا بیان ہے کہ: حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب عائشہ کے حجرہ سے باہر تشریف لائے اور حضرت فاطمہؑ کے گھر کی طرف سے گزرے۔ آپؐ نے حسینؑ کے رونے کی آواز سنی تو فرمایا: اے

۱۔ سنن ترمذی، ج/۵ص/۳۲۳، رقم ۳۸۶۱

۲۔ المعجم الکبیر، ج/۲۲ص/۲۷۴، کنز العمال، ج/۱۳ص/۶۶۲، تاریخ دمشق، ج/۱۴ص/۱۵۰

فاطمہؑ تم جانتی ہو کہ حسینؑ کے رونے سے مجھے اذیت ہوتی ہے'' [1]

حاکم نیشاپوری نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ: میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ حسینؑ بن علیؑ کو اپنی گود میں اٹھائے ہیں اور فرماتے ہیں: '' اللھم انی احبہ فاحببہ '' خدایا میں اسے دوست رکھتا ہوں پس تو بھی اسے دوست رکھ'' [2]

حسینؑ اصحاب رسولؐ کی نگاہ میں:

انس ابن مالک کہتے ہیں ''حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد آپ کا سر ابن زیاد کے پاس لایا گیا۔ اس نے آپؑ کے لب و دندان مبارک پر چھڑی سے مارنا شروع کی۔۔۔ میں نے دل میں کہا کہ تو کتنا برا عمل انجام دے رہا ہے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ جس جگہ تو اپنی چھڑی سے بے ادبی کر رہا ہے اس جگہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوسہ دیا کرتے تھے'' [3]

زید بن ارقم کا بیان ہے ''میں عبید اللہ بن زیاد کے پاس بیٹھا تھا کہ امام حسینؑ کا سر اس کے پاس لایا گیا۔ ابن زیاد نے اپنی چھڑی اٹھائی اور حضرتؑ کے لبہائے مبارک پر ماری۔ میں نے اس سے کہا، تو وہاں چھڑی مار رہا ہے کہ بارہا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جگہ کو بوسہ دیا ہے۔ ابن زیاد ملعون نے کہا یہاں سے اٹھو! تم بوڑھے کھوسٹ ہو گئے ہو اور اپنی عقل گنوا بیٹھے ہو'' [4]

اسماعیل بن رجاء نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا ''میں مسجد النبیؐ میں کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھا تھا جن میں ابو سعید خدری اور عبد اللہ بن عمر بھی بیٹھے تھے۔ امام حسینؑ ہم لوگوں کے پاس سے گزرے اور سلام کیا سب نے سلام کا جواب دیا لیکن ابن عمر خاموش تھے۔ جب سب چپ ہو گئے تو عبد اللہ ابن عمر نے بلند آواز سے سلام کا جواب دیا پھر لوگوں کی طرف رخ کر کے کہا: کیا میں تم لوگوں کو ایسے شخص کے بارہ میں بتاؤں جو آسمان والوں کے درمیان اہل زمین میں سب سے زیادہ محبوب ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں، تو انھوں نے کہا وہ شخص یہ مرد ہاشمی ہے۔ اس نے مجھ سے جنگ صفین کے بعد سے گفتگو نہیں کی ہے۔ اگر وہ مجھ سے راضی ہو جائے تو یہ مجھے سرخ بالوں والے

۱۔ مجمع الزوائد، ج/۹ص/۲۰۱

۲۔ مستدرک حاکم ج/۳ص/۱۷۷

۳۔ ذخائر القبیٰ، ص/۱۲۶

۴۔ کنز العمال، ج/۷ص/۱۱۰۔ اسد الغابہ، ج/۲ص/۲۱

اونٹوں سے کہیں بڑھ کر ہے۔''[1]

جابر ابن عبداللہ انصاری کہتے ہیں ''جو شخص جنتی شخص کو دیکھنا چاہتا ہے وہ حسینؑ کو دیکھے، کیوں کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہی فرماتے ہوئے سنا ہے''[2]

ھیثمی نے ''مجمع الزوائد'' میں اس حدیث کو نقل کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ اس حدیث کے رجال صحیح ہیں، سوائے ربیع بن سعد کے کہ وہ بھی ثقہ ہے''[3]

جناب عمر ابن خطاب نے امام حسینؑ سے عرض کیا: ''جو کچھ ہمارے سروں پر سایہ فگن ہے (یعنی اسلام) وہ آپ خاندان اہل بیتؑ کے سبب ہی ہے''[4]

عبداللہ بن عباس نے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی رکاب تھامی، لوگوں نے انھیں سرزنش کی کہ آپ کا سن ان دونوں سے کہیں زیادہ ہے! ابن عباس نے کہا، یہ دونوں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند ہیں۔ کیا یہ سعادت نہیں ہے کہ میں ان دونوں کی رکاب تھاموں؟[5]

تابعین اور امام حسینؑ

معاویہ نے حضرت عبداللہ بن جعفر سے کہا: ''آپ بنی ہاشم کے سید وسردار ہیں۔ انھوں نے جواب میں کہا بنی ہاشم کے سید وسردار حسنؑ وحسینؑ ہیں''[6]

ولید بن عتبہ بن ابی سفیان والی مدنیہ کو جب مروان نے امام حسینؑ کو قتل کرنے کا مشورہ دیا تو اس نے کہا: اے مروان خدا کی قسم میں اسے پسند نہیں کرتا کہ دنیا اور اس کی تمام نعمتیں میرے پاس ہوں جب کہ میں حسینؑ کا قاتل بنوں۔ سبحان اللہ کیا میں بیعت نہ کرنے پر حسینؑ کو قتل کردوں؟ خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ جو بھی حسینؑ کو قتل

۱۔ اسد الغابہ، ج/۳ص/۵

۲۔ نظم درر السمطین، زرندی، ص/۲۰۸۔ البدایۃ والنہایۃ، ج/۸ص/۲۲۵

۳۔ مجمع الزوائد، ج/۹ص/۱۸۷

۴۔ الاصابہ، ج/۱ص/۳۳۳

۵۔ الاصابہ، ج/۱ص/۳۳۳

۶۔ کامل سلیمان، حسنؑ بن علیؑ

کرے گا قیامت کے دن اس کا نامہ اعمال سبک ہوگا'' [1]

ابراہیم نخعی کہتے ہیں: ''اگر میں قاتلان حسینؑ کے درمیان ہوتا اور جنت میں داخل ہوتا تو مجھے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرم آتی [2]

شہادت امام حسینؑ

سیوطی نے نقل کیا ہے: ''حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور آپؑ کا قتل روز عاشورا کو ہوا تھا اس دن آفتاب کو گہن لگا تھا اور آسمان کے افق پر چھ ماہ تک سرخی چھائی رہی اور یہ سرخی برابر دکھائی دیتی تھی جب کہ شہادت سے پہلے ایسا نہیں تھا اور اس روز بیت المقدس میں جو بھی پتھر اٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے سے تازہ خون جوش مارتا تھا'' [3]

۱۔ کامل سلیمان، حسنؑ بن علیؑ

۲۔ الاصابہ، ج ۱/ص ۳۳۵

۳۔ تاریخ الخلفاء، ص ۱۶۰/ احالات یزید بن معاویہ

سیرت رسولؐ میں آسمانی ادیان کے

پیروکاروں سے رواداری

محمود عراقی

ترجمہ: فصاحت حسین

ایک زمانہ ایسا تھا جب مختلف سرزمینوں کے باشندے تمدن سے دور فرماں رواؤں کے زیراثر زندگی گزارتے تھے اور آبادی کا اکثر حصہ یا غلام تھا یا رعایا اور نوکر۔ خواجگی۔ غلامی یا تعلقہ داری اور معمولی کاشت کاری تھی۔ غلامی اور خانہ زاد غلامی میں سرمو فرق نہیں تھا۔ دونوں طرح کے غلام، اپنے گھرانے، مال و دولت اور ساری ملکیت سمیت زمینداروں کے اختیار میں تھے اور یہ مالک ان سے من چاہا سلوک کر سکتے تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ انسانی روح اور نفسیات پر وحشت و ذلت کا منحوس دیو سایہ فگن تھا۔ لیکن بڑی بڑی عمارتوں میں رہنے والے نوابوں، محلوں میں جلوہ افروز پادریوں اور صومعہ کے پروہتوں کو عام انسانوں کے رنج والم کا ذرہ برابر احساس نہیں تھا۔ ہر جگہ پر صاحبان قدرت کی بات حق اور قانون کا معیار بنی ہوئی تھی اور کسی بھی مکتب فکر کی تعلیمات اور اصول میں اس جنگلی قانون کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں تھی۔ عیسائیوں کے دائرۂ حکومت میں غیر عیسائی یعنی یہودی، مشرک اور کفار انتہائی نامناسب زندگی گزارتے تھے۔ انھیں کسی بھی طرح کے حقوق حاصل نہیں تھے۔ یہودیوں کو یہ حق نہیں تھا کہ وہ عیسائیوں کے ساتھ بیٹھیں، کھائیں پئیں اور ان کے جیسا لباس زیب تن کریں۔ مذہبی ٹھیکیداروں، اسقف یا

کسی خودسر اور دیوانے گروہ کے اشارے پر ان کے بچوں کو ان سے چھین لیا جاتا تھا اور انکا گھر بار تاراج کر دیا جاتا تھا۔ برسوں تک ایسے ہی حالات باقی رہے۔ یہاں تک کہ "ساکن حرا" نے صدائے آزادی بلند کی، نوع انسان کی عملی مساوات کا اعلان کیا، ہر طرح کا طبقاتی امتیاز ختم کیا، غلاموں کو آزاد کیا اور اقوام عالم کو جکڑنے والی زنجیروں کو پارہ پارہ کر دیا۔ وہ اسی پیغام کے ساتھ آیا تھا جس کو اسکے پہلے والے لے کر آئے تھے اور اس نے اس پیغام کو انجام تک پہنچایا۔

شخصیت اسلام کا جوہر ہمیں اس دستاویز میں تلاش کرنا چاہیے جو مدینہ تشریف لانے کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں کو دی تھی اور ان قابل توجہ پیغامات میں جو جزیرہ نمائے عرب میں اسلام کے پابرجا ہونے کے بعد ہمسایہ سرزمینوں اور نجران کے عیسائیوں کو روانہ کئے تھے۔ ان میں بہترین انداز میں مسلمان فرمانرواؤں کو غیر مسلمان رعایا کے ساتھ پیش آنے کے راہنما اصول بتائے گئے ہیں۔ اگر سیاسی مصلحت جس کا بہت چرچا ہوتا ہے اور مذہب کے نام پر اسے استعمال بھی کیا جاتا ہے، کو نظر انداز کر دیا جائے تو اسلام سے زیادہ کسی دین نے دوسرے مذہب کے پیروکاروں کے ساتھ رواداری کا مظاہرہ نہیں کیا ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں عیسائیوں اور یہودیوں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے میں ہرگز کسی رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور نہ ہی تبدیلی مذہب کے لئے انھیں مجبور کیا گیا۔ ان سے ٹیکس بھی اس لیے وصول کیا جاتا تھا کیونکہ انہیں حکومتی ذمہ داریوں سے معاف رکھا گیا تھا جس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ حکومت کی سہولیات سے فائدہ اٹھا رہے ہیں انہیں کسی نہ کسی طرح عمومی معاملات میں شرکت کرنی چاہیے۔

اس قدیمی مفروضے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں غیر مسلمان (اہل ذمہ) سخت حالات سے گزر رہے تھے، کے دفاع میں نہ صرف فقہا اور علمائے اسلام کے عمیق نظریات بلکہ معین آیات قرآن کی جانب بھی اشارہ کیا جاسکتا ہے جن سے یہ حقیقت بخوبی عیاں ہوتی ہے کہ باوجودیکہ کفار، یہودی اور عیسائی اشاعت اسلام کی راہ میں دسیسہ کاریاں کر رہے تھے لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے تعلق سے کوئی نامناسب رویہ اختیار نہیں کیا۔ کوئی بھی محقق دشمنوں کی خیانتوں کے مقابلہ میں اپنی مختصر سی حکومت کی حفاظت کے لیے کی گئی کوششوں کی خاطر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قصوروار نہیں ٹھہرا سکتا ہے۔ جب ہم غیر مسلمانوں کے ساتھ ان کے کردار

پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ انہوں نے ہمیشہ رواداری، وسعت قلب اور ہمدردی کا رویہ اپنایا ہے۔ (بلاذری، فتوح البلدان، ص ۶۵، کتاب الخراج، از امام ابو یوسف، جلد ۲، ص ۲۹۹)

اپنی ماتحت اقوام سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بیان غیر مسلمانوں سے آپ کے مسالمت امیز رویہ کا عکاس ہے: نجران اور ہمسایہ سرزمینوں کے عیسائیوں، حاضرین اور غائبین کی جان، مال اور مذہب کی خدا کی جانب سے امان اور اس کے رسولؐ کی ضمانت ہے۔ ان کے دینی فرائض یا دیگر اعمال کی ادائیگی میں کسی قسم کی مداخلت نہیں ہوگی اور ان کے حقوق اور مراعات میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ کوئی اسقف اپنے منصب، کوئی راہب اپنے صومعہ اور کوئی پادری اپنے عہدے سے معزول نہیں ہوگا ابھی تک کم وبیش جو کچھ انہیں ملتا رہا ہے ملتا رہے گا۔ کوئی بت اور صلیب ختم نہیں کی جائے گی۔ وہ نہ تو ظلم کریں اور نہ ہی ظلم برداشت کریں۔ زمانہ جاہلیت کی مانند حق انتقام نہیں ہوگا۔ ان سے یک دہم نہیں لیا جائے گا اور اسی طرح لشکر کے لیے رسد کی فراہمی ان کے ذمہ نہیں ہوگی''

حیرہ کی فتح اور عوام کے بیعت کرنے کے بعد خالد بن ولید نے ایک بیان صادر کیا جس میں عیسائیوں کی جان، مال اور آزادی کی ضمانت دی گئی تھی نیز یہ بھی اعلان کیا کہ "عیسائیوں کو ان کی عید میں ناقوس بجانے اور صلیب نکالنے سے روکا نہ جائے"۔ امام ابو یوسف کے بقول: "خلیفہ (ابوبکر) اور ان کی مشورتی کمیٹی نے اس اعلان کی تائید اور تصدیق کی تھی"۔

غیر مسلمانوں کو نئے کلیسا یا معبد بنانے سے روکا نہیں گیا تھا۔ صدر اسلام کی حکومت اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رواداری کا بہترین نمونہ خود عیسائیوں نے بیان کیا ہے۔ ''مرو'' کے ایک اسقف نے دوسرے اسقف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "عرب کہ جنھیں خداوند عالم نے زمین پر حکومت عطا کی ہے، مذہب عیسائیت پر حملہ نہیں کرتے ہیں بلکہ اس کے برخلاف دینی معاملات میں ہماری مدد کرتے ہیں، خدا اور ہمارے مقدسات کی حرمت کا لحاظ کرتے ہیں اور ہمارے کلیسا اور صومعہ میں تحائف دیتے ہیں"۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بالادستی کے معمولی مظہر سے بھی پرہیز کی خاطر کسی مسلمان کو اجازت نہیں تھی کہ وہ کسی ذمی سے حتی لین دین کی صورت میں بھی زمین لے لے۔ کوئی بھی شخص کسی ذمی کو

اس کی ملکیت سے بے دخل نہیں کرسکتا تھا اور مسلمان اور ذمی خدائی قانون کی نگاہ میں برابر کی حیثیت کے مالک تھے۔

اگر چہ حیات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوران حق توسیع، طاقت کے استقلال، فیمنزم اور اس جیسے دوسرے موضوعات وجود میں نہیں آئے تھے لیکن اظہار رائے کی آزادی، اقلیتوں کے حقوق اور نظریاتی رواداری جیسے بنیادی موضوعات کی جانب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ متوجہ تھے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے، ان کی اطاعت کرنے یا ان سے روگردانی کرنے کے سلسلہ میں دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کو دی گئی آزادی اور اختیار پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رواداری کا نمایاں نمونہ ہیں۔ مکہ میں مختلف مواقع پر خدا نے پیغمبرؐ کو یہ تاکید کردی تھی کہ تم لوگوں کے محافظ، وکیل، جبار اور ان پر مسلط نہیں ہو اور انھیں ایمان لانے پر مجبور نہیں کرسکتے ہو، کیونکہ مکہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس کے علاوہ کوئی دوسرا طریق کار نہیں تھا لیکن مدینہ میں ''ولائی معاشرہ'' اور ''دینی حکومت'' کی بنیاد رکھنے کے بعد آپ نے دوسرے انداز سے عمل کیا ہے جو اجتماعی تنوع میں رواداری کی نسبت آپ کی عمیق شناخت کی عکاسی کرتا ہے اور مختلف ادیان اور اقلیتوں سے مناسب برتاؤ کے اصول پیش کرتا ہے۔ خوش قسمتی سے لوگوں کے اپنی تقدیر کے مالک ہونے اور ان کے حقوق کے تعلق سے قرآن کی مکرر تاکید اور رواداری کا خدائی حکم صرف مکہ تک محدود نہیں تھا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یثرب یا مدینۃ الرسول میں ''شہری سماج'' بنانے کے لیے سب کچھ خدا کے حکم سے انجام دیا تھا۔ اس زمانے کی مختلف اقوام اور سماجی گروہوں کے ساتھ پیش آنے کے سلسلہ میں آپ پر نازل ہونے والی آیات اتنی زیادہ ہیں جو عصر حاضر میں مذہبی، سیاسی اور ثقافتی اقلیتوں کے ساتھ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسلامی حکومت کی رواداری بیان کرنے میں ہماری ضرورت کی تکمیل کردیتی ہیں۔

بدیہی ہے کہ ہر نظام میں اس کے حامی افراد کے حقوق کا لحاظ رکھا جاتا ہے لیکن دراصل سیاسی مخالفین اور مذہبی اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت اہم ہے جو انسانی حقوق کے تئیں کسی قائد، یا مذہبی اور حکومتی نظام کے احترام کا معیار قرار پاتی ہے۔

اگر ہم چودہ صدیوں پہلے مدینہ کے معاشرہ پر نظر ڈالیں اور اس فضا میں عوامی تعلقات کا مشاہدہ کریں تو

ہمیں عوام کو مقامی اور بیرونی گروہ میں تقسیم کرنا ہوگا۔ مقامی گروہ سے ہماری مراد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک ہو جانے والے مدینہ کے مسلمان ہیں جن میں متقی اور مخلص مومن سے لے کر مصلحت اندیش اور جنگ و جہاد کے مخالف زبانی مسلمان یہاں تک کہ عبداللہ بن ابی جیسے منافقین بھی تھے جو اسلام کی آڑ میں سازشیں رچتے تھے۔ بیرونی گروہ میں ایک طرف اہل کتاب یعنی یہودی اور عیسائی تھے تو دوسری طرف کفار و مشرکین۔

صدر اسلام کے اس تاریخی تجربہ میں ہر مومن کو یہ صاف نظر آتا ہے کہ ہر نافرمانی اور سرکشی کا سختی سے مقابلہ کرنا چاہیے اور نافرمانوں اور سرکشوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہیے کیونکہ مشرق و مغرب میں ہمارا تاریخی تجربہ بالخصوص یورپ پر ارباب کلیسا کی ہزار سالہ فرماں روائی اسی حقیقت کو بیان کرتی ہے۔ ارتداد اور کلیسا کے قدامت پسندانہ نظریات سے مخالفت کے جرم میں ہزاروں دانشوروں کو زندہ جلا دیا گیا اور ان کی سزائے موت پر کلیسا کے مقدس مآبوں کے دستخط ہوتے تھے۔ لیکن متعدد آیات کے حسب نزول مختلف طرح کی کارکردگیوں کے سلسلہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ردعمل رواداری، مباہلہ اور جدید قائم شدہ اسلام سے دفاع یا نصیحت کی صورت میں تھا تاکہ غیر مذہب کے ماننے والوں اور اقلیتوں کے حقوق کی تبیین و تشریح ہوتی رہے۔

اس لئے اگر ہم سیرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی کارکردگی کے اصولوں کی غائرانہ تشریح و تحلیل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اسے اس دور کے زمانی و مکانی حالات کو مدنظر رکھنا ہوگا کہ جس میں انسانی شخصیت، آزادی اور حقوق نے اس زمانے جیسا (نسبتاً ترقی یافتہ) معنی و مفہوم حاصل نہیں کیا تھا۔

ہمارے عہد میں سیاسی منافقین کے درمیان رائج اعمال کی بنیاد پر ان سے سختی سے پیش آیا جاتا ہے لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکوں، یہودیوں اور عیسائیوں کی ناپاک کوششوں کے مقابلہ میں جلدی کوئی ردعمل ظاہر نہیں کرتے تھے اور اسے خواہشات نفسانی سے تعبیر کرتے ہوئے اس انحراف کا ایک سبب قرآن میں غور و فکر نہ کرنا قرار دیتے تھے۔ گویا آپ کی نظر میں مشکل کا اصلی حل انہیں قرآن سے مانوس کرنا تھا۔ سیرت نبوی میں شدید ترین حکم بھی صرف کفر و نفاق کی بنیاد پر ہوتا تھا اور قرون وسطی میں تفتیش عقائد کے محکموں میں الحاد اور بے دینی سے کئے جانے والے مقابلہ جیسا نہیں تھا بلکہ صرف دفاعی صورت رکھتا تھا اور انتقام طلب ردعمل سے پاک تھا۔

بہر حال یقینی طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختلف معاہدوں کے

مطابق مسلمان ہمیشہ سے اقلیتوں بلکہ شکست خوردہ اقوام کے بھی حقوق کی پاسبانی کرتے رہے ہیں۔ تاریخ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطوط نقل کیے ہیں۔ یہ خطوط معاہدوں، رؤسائے قبائل کو دعوت اسلام، حکومتی احکام، ہدایات، امان نامے اور بعض دوسرے موضوعات پر مشتمل ہیں۔ ان خطوط کی اہمیت کی وجہ ان میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قانونی اور سیاسی موقف کا نمایاں ہونا ہے۔ اگرچہ بعض خطوط میں اخلاقی نصیحتیں اور تصور کائنات کی تبیین بھی نظر آتی ہے لیکن ان مقامات پر بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سیاسی واجتماعی اخلاق کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح مختلف خطوط میں مختلف انداز اپنانا مثلاً جب آپ عیسائی بادشاہوں "مقوقس "اور "ہرقل" کو خط لکھتے ہیں تو اس میں مشہور آیت:

﴿قل یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمة سوا بیننا و بینکم الا نعبد الا الله ولا نشرک به شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون﴾ (آل عمران ۶۴)

''کہہ دو اے صاحبان کتاب آؤ اکٹھا ہو جائیں اس بات پر جو ہمارے تمھارے درمیان مشترک ہے کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک قرار نہ دیں اور خدا کے بدلے کوئی کسی کو حاکم قرار نہ دے اگر روگردانی کریں تو کہہ دو کہ شاہد رہو کہ ہم مسلمان ہیں''

تحریر فرماتے تھے لیکن "خسرو پرویز "جیسے افراد کے لیے اس سے مختلف لب ولہجہ اختیار کرتے ہیں۔

بلاشبہ مختلف حالات میں سیرت نبوی کی شناخت حاصل کر کے اور اسے نمونہ عمل بنا کر انسانوں کو گمراہی اور کج فکری سے بچانے کے راہنما اصول حاصل کیے جاسکتے ہیں تا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مسالمت آمیز اور روادارانہ رویہ کا ادراک کر کے مختلف اقوام و مذاہب سے تعلقات کے ضابطے پیش کیے جائیں اور انہیں انسانی معاشروں میں رائج کر کے عالمی صلح کی بنیاد ڈالی جاسکے۔

مغرب کا اسلام سے معاندانہ رویہ

درحالیکہ انسانوں اور ممالک سے اسلام، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سارے آسمانی ادیان کا رویہ

صلح ورحمت اور رواداری کی بنیاد پر رہا ہے اور ان سب نے ہر قسم کی شدت پسندی کی مذمت کی ہے لیکن ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ مغرب بالخصوص امریکہ کس طرح اپنے اہداف کی تکمیل کے لیے شدت پسندی، دہشت گردی اور قتل عام کررہا ہے جس کا نمونہ آج کل فلسطین، عراق، لبنان اور افغانستان کے مظلوم عوام کی صورت میں دیکھا جاسکتا ہے۔

بین الاقوامی اسلامی اتحاد کا یہ بیسواں اجلاس اس اسلامی نظریے کا واضح نمونہ ہے کہ وہ مختلف اقوام اور ممالک میں اتحاد اور تعاون کا خواہاں ہے۔ اسی حقیقت کو رہبر انقلاب مدظلہ العالی نے اپنے پیغام نوروز میں بیان فرمایا ہے: امت مسلمہ کے دشمن دو راستوں سے اپنی دشمنی کو عملی جامہ پہنانا چاہتے ہیں: ایک، مذاہب کے درمیان تفرقہ اور اختلاف ڈال کر اور دوسرے اقتصادی مشکلات پیدا کر کے اور امت مسلمہ کی ترقی روکنے کی کوشش کر کے۔ اس چیز کو دشمنوں کے قلیل مدت اور طویل مدت منصوبوں میں بخوبی محسوس کیا جاسکتا ہے۔

اس لئے آسمانی ادیان اور اسلامی مذاہب کے درمیان اتحاد و اتفاق کی صورتحال مزید بہتر بنانے کے لیے میں کچھ تجاویز پیش کررہا ہوں:

۱۔ ایک دائمی اور فعال دفتر کی تأسیس جو پورے سال عالم اسلام کے علما اور دانشوروں سے رابطہ رکھے تاکہ اسلامی اتحاد کے تمام پہلوؤں کے سلسلہ میں تحقیق کی جاسکے اور اس کے ممکنہ خطرات کو پہچانا جاسکے۔

۲۔ یہ دفتر اسلامی اتحاد کی خاطر منعقد کی گئی کانفرسوں اور انکے نتائج کی رپورٹ اپنے مہمانوں کے سامنے پیش کرسکتا ہے تاکہ دشمن ان کانفرسوں کے ہوتے ہوئے اپنے منحوس مقاصد کو عملی جامہ نہ پہنا سکے یا "اسلامی مذاہب میں تفرقہ " کے عنوان سے جاری اپنی سازشوں میں کامیاب نہ ہوسکے۔

۳۔ اسلامی ممالک میں فقہا و علما کی انجمن بھیجنا تاکہ وہ دوسرے ممالک کے علما سے ملاقات کر کے عالم اسلام کے حالات سے بہتر طور پر واقف ہوں اور جدید راہنما اصول حاصل کریں۔

۴۔ مختلف مذاہب کے علما کی زیر نگرانی ایک اسلامی سیٹلائٹ چینل کی بنیاد ڈالنا۔

۵۔ اسلامی سرمائے اور ذخائر جذب کرنے کی کوشش اور انہیں امت مسلمہ اور اسلامی ممالک کے فائدہ میں استعمال کرنا۔

۶۔ اسلامی ارکان و مقدسات کی بے حرمتی پر پابندی لگانا۔

۷۔ امت مسلمہ کے مسالمت آمیز اور صلح پسند اہداف کی خاطر جوہری توانائی حاصل کرنے کے حق پر اصرار کرتے ہوئے مہلک ہتھیار بنانے اور انکے استعمال پر پابندی لگانا۔

مصادر و مآخذ

۱۔سایٹ حسین انصاریان، مباہلہ با اہل کتاب، معارف اہل بیت علیہم السلام

۲۔ڈاکٹر حسن بلخاری، پیامبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحقوق انسان، www.Payambareazam.ir

۳۔ حقوق بشر در حکومت پیامبر (ص)، نشریہ فتح، شمارہ ۷۱و۸۱

۴۔مسعود راعی، حقوق اقلیت ھا در نظام علوی

۵۔سید مہدی شجاعی، مباہلہ، ماہنامہ موعود جوان، شمارہ ۶۱

۶۔سید صمصام الدین قوامی، ساختار حکومت پیامبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فصلنامہ حکومت اسلامی، شمارہ ھای ۲۲و۲۳

۷۔ڈاکٹر ناصر باہنر، ارتباطات در جامعہ اسلامی متکفر فرھنگی، سایٹ دانشگاہ امام صادق (ع)

۸۔عبدالمجید معادیخواہ، تاریخ اسلام، تہران، نشر ذرہ ۱۳۷۷

۹۔امیر علی، روح اسلام، ترجمہ ایرج رزاقی ومحمد مہدی حیدر پور، مشہد: آستان قدس رضوی ۱۳۶۶

۱۰۔سید حسن اسلامی، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (از اسلام چہ می دانیم؟)، قم، نشر خرم ۱۳۷۵

ثقافتی زوال قرآن کے آئینہ میں

(گزشتہ سے پیوستہ)

محمد علی قاسمی (ایم۔اے محقق اور مصنف)

سید شاہد رضا رضوی

خدا کو بھلا دینا

"و لاتکونوا کالذین نسوا الله فانساهم انفسهم اولئک هم الفاسقون."(۱)

اے مومنو! تم ان لوگوں کے جیسے نہ ہو جاؤ، جنہوں نے خداوند متعال کو بالکل بھلا دیا تو خدا نے انہیں خود اپنے آپ سے غافل کر دیا؛ درحقیقت وہ لوگ دنیا کے بدکار لوگوں میں ہیں۔"

اس بنیاد پر، اپنے آپ کو رحمانی اور ملکوتی اعتبار سے بھلا دینے کا نتیجہ، خداوند عالم کو بھلا دینا ہے۔ اس سلسلہ میں علامہ طباطبائی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

یہ آیت پیغمبر اکرمؐ کی مشہور حدیث کا عکس نقیض یا دوسرا رخ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "من لم یعرف نفسه لم یعرف ربه." یعنی اگر انسان خود اپنے آپ کو نہ پہچان پائے تو وہ یقیناً اپنے خالق کو بھی نہیں پہچانے گا۔ لہٰذا اگر کوئی انسان نادانی کے باعث اپنے آپ سے غافل اور خداوند عالم کے فراموش کر دینے سے خود اپنے آپ کو بھی بھول جائے تو اس کا نتیجہ فطری طور پر فضیلتوں اور عظمتوں کی موت اور اسی طرح انسانی بلند و بالا اقدار اور خداوند عالم کی یاد کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔

---

۱. سورۂ کوثر، آیت/۱۹

امیر بیان حضرت علی علیہ السلام کے کلام میں بھی یہ حقیقت واضح انداز میں دیکھی جاسکتی ہے:

"من لم یعرف نفسه بعد عن سبیل النجاة و خبط فی الضلال..."(۱)

"جو شخص اپنے آپ کو نہ پہچانے، وہ نجات کے راستہ سے دور ہو جاتا ہے اور گمراہی میں ڈوب جاتا ہے"

اس بنا پر، معاشرہ کے نظام میں ہر قسم کی ثقافتی، دینی اور معاشرتی مشکلات کے پیدا ہونے والے دلائل اور وجوہات میں سے ایک اور بنیادی چیز، خداوند متعال کو بھول جانا ہے۔ اگر طلاق کی تعداد، چوری اور تمام اخلاقی و جنسی انحرافات وغیرہ کی شرح جو کہ دینی و ثقافتی انحطاط اور زوال کے نمونے ہیں، ایک معاشرہ میں روز بروز بڑھتی چلی جارہی ہیں، تو یہ اس وجہ سے ہے کہ اس سماج کے افراد میں خدا کو بھول جانے کا رواج عام ہو گیا ہے۔ آخرت اور یاد خدا سے بے توجہی کے اہم ترین اسباب شیطان اور شیطان نما افراد کے حملے ہیں۔ چنانچہ خداوند عالم قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

"وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ "(۲)

"جو بھی یاد خدا سے رخ موڑے تو میں اس کے واسطہ شیطان کو اٹھاؤں گا، تا کہ وہ اس کا ہمیشہ کا دوست ہو جائے اور وہ شیاطین، ہمیشہ ان لوگوں کو یاد خدا سے غافل اور خدا کے راستہ سے روک دیں گے اور ان کو گمراہی میں ڈال دیں گے۔"

اگر معاشرہ کی شناخت کی غرض سے معاشرتی مشکلات اور اخلاقی انحراف پر غائرانہ نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ ان مشکلات کی اکثر جڑیں اسی مسئلہ سے متعلق ہیں؛ کیوں کہ اس کے اہم اسباب میں سے ایک، لوگوں کو گناہ، فساد اور اخلاقی پستیوں سے روکنے والی اہم چیز یاد خدا ہے، اگر یاد خدا نہ ہو تو شیطان انسان کا ساتھی ہو جائے گا۔

قرآن کریم کی دوسری آیات کی بنا پر شیطان کا کام ہی گمراہی پھیلانا، (۳) غرور (۴) عداوت و

۱۔ شریف مرتضی، شرح الغرر والدرر، ص/۴۲۶۔

۲۔ سورۂ زخرف، آیت/۳۷۔۳۶۔

۳۔ سورۂ نساء، آیت/۶۰

۴۔ سورۂ آل عمران، آیت/۱۲۰

دشمنی، (۱)۔لڑائی جھگڑا (۲) اختلاف اور (۳) برے اعمال اور بری عادتوں کو اچھا دکھانا (۴) بے حیائی اور برائی کا حکم دنیا (۵) وغیرہ... ہے۔ اگر میاں بیوی کے درمیان عداوت اور لڑائی جھگڑا اور بحث ومباحثہ اور نزاع ہو جائے یا بے حیائی اور حرام کاری کسی سماج میں عام ہو جائے اور کسی سماج میں برے اور ناپسند اعمال، اچھائی اور فضیلت کے عنوان سے معاشرہ میں سر اٹھالیں، اسی طرح فضول خرچی اور بیجا اہمیت کی حامل صفت، قناعت کی جگہ لے لے تو کیا یہ خدا کو بھلا دینے اور شیطان سے نزدیکی کے علاوہ کوئی اور چیز ہے؟

انسانی تہذیب وثقافت کے دشمن، فکروں کو مشغول کرنے، غلط اور غیر واقعی ذہنیت بنا کر فراموشی کے ذریعہ معاشرہ میں یاد خدا کو کم رنگ بنانے کی پوری کوشش کرتے ہیں؛ کیونکہ وہ اس طرح سے اپنے شیطانی نقشوں کو بروئے کار لا سکتے ہیں۔

اندھی تقلید

قرآنی تہذیب میں، ثقافتی انحطاط کی جڑوں میں سے ایک، صحیح راستہ کا قبول نہ کرنا، آبا واجداد اور قوم قبیلہ کی غلط رسم ورواج کا متعصّبانہ طور پر پابند رہنا ہے۔ پیغمبران الٰہی کے سامنے ایک بڑی مشکل، تعصب تھی جوان کی امت والے اپنے باپ دادا اور پرکھوں کی نسبت رکھتے تھے۔ موسیٰ (۶) (۷) اور خاتم النبین حضرت محمد مصطفیٰؐ (۸)۔ کی قوم والے اپنے رسول کے مقابلہ میں ڈٹ گئے اور اس بات پر زور دیا کہ وہ لوگ اپنے باپ دادا کی راہ وروش اور ان کی تہذیب سے دستبردار نہیں ہوں گے۔ ان لوگوں نے بغیر سوچے سمجھے اور آنکھ بند کر کے اپنے باپ دادا کی باطل اور بری تہذیب کی پیروی کا اظہار کیا اور اس پر تیار نہیں تھے کہ اسلامی اور قرآنی تہذیب وتمدن کو اپنی زندگی میں بروئے کار لائیں۔

۱۔ سورۂ مائدہ، آیت/۹۱

۲۔ سورۂ اسراء، آیت/۵۳

۳۔ سورۂ انعام، آیت/۱۲۱

۴۔ سورۂ عنکبوت، آیت/۳۸

۵۔ سورۂ نور، آیت/۱۲۱

(۶) سورۂ یونس، آیت/۷۸ ہود

(۷) سورۂ اعراف، آیت/۷۰

(۸) سورۂ مائدہ، آیت/۴

اس سے بھی بڑھ کر، عام لوگوں کے فکری اور ثقافتی جمود نے، ان لوگوں کو اندھی تقلید اور ظالم حکام کی پیروی پر مجبور کر دیا۔ قرآن کریم قیامت کے دن اس گروہ کی ناپسند صفات کو ان لوگوں کی زبان سے اس طرح بیان کر رہا ہے:

"وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَائَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَ "(۱)

یہ لوگ کہتے ہیں: خدایا! ہم نے اپنے بزرگوں اور رہبروں کی پیروی کی اور ان لوگوں نے ہم کو گمراہی کے راستہ پر لگا دیا۔"

غیروں کی تقلید

ثقافتی انحطاط کی دوسری صورت (جو گزشتہ موارد سے بھی زیادہ اہم ہے) ایک سماج کے لوگوں کا بغیر دلیل کے غیروں کی تقلید کرنا ہے:

" تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنفُسُهُمْ أَنْ سَخِطَ اللهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ "(۲)

"ان میں سے اکثر کو یہ دیکھو گے کہ وہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں؛ ان لوگوں نے کتنے برے اعمال کو اپنے پاس سے بھیجا ہے، جس کا نتیجہ، خداوند عالم کی ناراضگی ہے اور وہ ہمیشہ عذاب خدا میں مبتلا رہیں گے"

واضح رہے کہ کفار کی دوستی سے مراد ان سے صرف محبت کرنا نہیں ہے، بلکہ دوستی طرح طرح کے گناہوں میں ملوث ہونا اور برے اعمال اور افکار کی تشویق کے ساتھ ہے۔ قرآن اس دوستی کے نتیجہ کو بیان کرتے ہوئے، اہل کتاب اور توحید کی طرف مائل سبھی لوگوں کو غیروں کی اندھی تقلید سے روکتا ہے۔ امام باقر علیہ السلام سے ایک حدیث میں نقل ہوا ہے، جو ایسے ہی معانی کی تائید کرتی ہے:

"یولون الملوک الجبارین ویزینون اهواهم لیصبوا من دنیا هم."(۳)

"وہ ایسے لوگوں میں سے تھے جو ظالموں و جابروں کو دوست رکھتے تھے اور ان کے ہوس ناک اعمال کو ان کی نظروں

---

(۱) سورۂ احزاب، آیت/۶۷

(۲) سورۂ مائدہ، آیت/۸۰

(۳) فضل بن حسن طبرسی مجمع البیان فی تفسیر القرآن، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ قمری ج/۳، ص/۳۸۱۔

میں سجا کر پیش کر رہے تھے؛ تا کہ ان سے نزدیک ہو جائیں اور ان کی دنیا سے فائدہ اٹھائیں۔''

امام خمینیؒ کے بقول لباس، کھانا کھانے، آرائش کے وسائل اور شہوت کو بھڑکانے والے رسم و رواج وغیرہ مسلمانوں کو ثقافتی انحطاط اور فساد کی طرف لیجاتے ہیں اور ان لوگوں کو تمام میدانوں میں ذلت اور وابستگی کی طرف کھینچتے ہیں۔(۱) اسی وجہ سے قرآن اس طرح کی شباہتوں اور تقلید سے منع کرتا ہے۔

عیاشی اور خوش گزرانی

انسانی معاشرہ میں ثقافتی انحطاط کے نمونوں اور مظاہر میں سے ایک عیاشی، عیش و نوش اور خوش گذرانی ہے۔(درحقیقت) شہوانی لذتوں پر مبنی نفسانی خواہشات، حریم الٰہی کے پامال کرنے کا اصلی سبب اور یہاں تک کہ انکار رسول کا باعث ہے:

'' وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ، وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالاً وَأَوْلاَدًا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ''(۲)

''ہم نے کسی بھی رسول کو کسی بھی سرزمین پر نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس جگہ کے مالدار عیاش لوگوں نے ہمارے رسولوں سے کہا: ''ہم تمہاری رسالت کے منکر ہیں اور تم پر ہمارا بالکل ایمان و عقیدہ نہیں ہے۔'' اور پھر کہا: ہمارے پاس تم سے زیادہ مال اور اولاد ہیں اور آخرت میں ہم کو ہرگز کوئی غم و اندوہ اور عذاب نہیں ہوگا۔''

''مترف'' اس شخص کو کہتے ہیں، جو اپنی زندگی میں خوشیوں سے مالا مال رہے اور جو چاہے انجام دے اور دنیاوی اور مادّی لذتوں اور شہوتوں کو بروئے کار لانے میں اپنے آپ کو ہر قسم کی قید و بند سے آزاد سمجھتا ہو۔(۳)

دوسرے لفظوں میں، مترفین اونچے طبقہ کے ان لوگوں کو کہتے ہیں، جن کے پاس مال و دولت اور نوکر چاکر بہت ہوں اور آرام و آسائش کی نعمتوں سے مالا مال اور مالکانہ انداز کے حامل ہیں، یہاں تک کہ ان کے نفس سست ہو کر فسق و فجور میں غوطہ ور ہو جاتے ہیں۔ اس طرح سے وہ مقدسات اور فضیلتوں کی توہین کے درپے ہو جاتے

---

(۱) رجوع کریں: وصیت نامہ سیاسی الٰہی حضرت امام خمینی رہ۔

(۲) سورۂ سبا، آیت/۳۵۔۳۴۔

(۳) سورۂ قصص، آیت/۵۸۔

ہیں اوران کی آبرو سے کھیلتے ہیں۔اگر کوئی شخص ایسے افراد کو نہ روکے تو زمین خدا فساد سے بھر جائے گی اور وہ (مرفہ) لوگ برائیوں کو عام کردیں گے۔آخر کار پورے معاشرہ کو ثقافتی نابودی کے گھاٹ اتار دیں گے۔

نفسانی عیش وآرام میں ڈوب جانا اور مال وقدرت کے ذریعہ حاصل ہونے والے فساد میں غوطہ ور ہونا، سرکشی اور خداوند عالم کی نعمتوں سے غلط فائدہ اٹھانے کا باعث ہے اور ضعیف انسانوں کو بھی فطرت پر مبنی قوانین الٰہی کے خلاف سرکشی پر آمادہ کرتا ہے۔

جب ایسے لوگ انحطاط اور زوال کے ایسے دریا میں ڈوب جائیں جہاں سے نکلنا ممکن نہ ہو تو الٰہی سنت جاری ہو جاتی ہے اوران پر عذاب الٰہی ٹوٹ پڑتا ہے:

"کم اهلکنا من قریة بطرت معیشتها...(۱)

"کتنا زیادہ ایسا پیش آیا کہ ہم نے ایک بستی کے رہنے والوں کو جنھوں نے ہوسرانی اور عیاشی کو اختیار کرلیا تھا، ہلاک کردیا۔"

ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں، عیاشی اور عیش ونوش کے حالات فراہم کرنے کو، اس جگہ کے لوگوں کے برباد ہونے کا پیش خیمہ قرار دیا ہے اوراس کو عظمتوں اور فضیلتوں کی نابودی کا سبب جانا ہے:

تجمل پرستی اور غلط تربیت، لوگوں کو تباہ کرنے کا باعث ہے؛ کیوں کہ اس کے باعث انسان کے اندر، تمام برائیاں اور پستیاں اور بری عادتیں پروان چڑھتی ہیں اور اچھی عادتوں کو نابود کردیتی ہیں اور انسان کو متضاد صفات کا مالک بنادیتی ہیں۔اسی وجہ سے، تجمل پرستی اوراس کے برے نتائج، بدبختی اور نابودی کی علامت ہیں۔(۲)

ثقافتی انحطاط مالداروں کی صفات کا برا نتیجہ:

تجمل پرست، عیاش اور مرفہ لوگ، ایسے صفات اور خصوصیات کے مالک ہوتے ہیں، جو معاشرہ اور فرد دونوں میں ثقافتی انحطاط کے حالات فراہم کرتے ہیں ایک معاشرہ میں ایسی صفات کا آشکار ہونا، یا معاشرہ کے عام لوگوں کا ایسی صفات کا حامل ہونا؛ ثقافتی اور اخلاقی انحطاط میں بہت ہی اہم سبب شمار ہوتا ہے، بلکہ اس سے بھی وسیع

---

(۱) سورۂ قصص، آیت/۵۸۔

(۱) مقدمہ ابن خلدون، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۸ قمری، ص/۳۲۲۔

تر، قرآنی افکار کی روشنی میں ثقافتی انحطاط ان خصوصیات کے وجود میں آنے کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے۔

اگر ایک معاشرہ کے ثقافتی انحطاط کے نمونوں اور مظاہر کو فسق، ظلم، مقدسات سے بے توجہی، سب پر بالا دستی، احساس برتری اور بے معنی صفات پر فخر و مباہات وغیرہ کے کی شکل میں جانیں تو قرآن کریم ان تمام نمونوں کو مرفہ لوگوں پر منطبق جانتا ہے، اسی وجہ سے، ان کی عاقبت کو ہلاکت اور عذاب میں مبتلا ہونا بیان کرتا ہے۔ یہاں ہم ان نمونوں کے چند موارد کو ذکر کر رہے ہیں:

(الف) فسق

"وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِکَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا" (۱)

"جب ہم ایک بستی کے لوگوں کو ہلاک کرنا چاہیں تو ان کے مالدار اور آرام طلب لوگوں کو اطاعت کا حکم دیتے ہیں، لیکن وہ لوگ خود فسق و فجور اور تباہی کے راستہ کو اختیار کر لیتے ہیں۔ اس بنا پر، ان پر عقاب معین ہو جاتا ہے، پس ہم ان سبھی لوگوں کو ہلاک کر دیتے ہیں۔"

اس آیت کے مطابق مترفین (مرفہ لوگوں) کی واضح خصوصیات میں سے یہ ہے کہ فسق یعنی اپنی حد اور صحیح حقوق سے گزر جانا ہے اور یہ صحیح ہے۔ وہ معاشرہ میں احساساتی اور انسانی روابط اور اسی طرح ثقافت میں دوگانگی لا کر معاشرہ کو مخدوش کرتے ہیں و مستقیم اور غیر مستقیم طور پر سماج کے انحطاط اور زوال کا سبب فراہم کرتے ہیں اور لوگوں کو اخلاقی امراض کی طرف دعوت دیتے ہیں، تا کہ اس کے ذریعہ اپنا الوسیدھا کر لیں۔

(ب) ظلم:

مرفہ لوگوں کی دوسری صفات میں سے، ان کی ستمگری ہے؛ کیونکہ وہ فساد و فحشاء کے مراکز بنا کر، انسانی فضیلتوں کو زائل کر دیتے ہیں اور ایسے اعمال سے اپنے اور اسی طرح دوسرے انسانوں کو، بلکہ اپنے خالق پر بھی ظلم روا رکھتے ہیں:

"لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَى مَا أُتْرِفْتُمْ فِيهِ وَمَسَاكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْأَلُونَ، قَالُوا يَاوَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ" (۲)

---

(۱)۔ سورۂ اسراء آیت/۱۶

(۲) سورۂ انبیاء، آیت/۱۳۔۱۲

''مت بھاگو اور اپنے گھروں میں آجاؤ اور فساد کاریوں کی اصلاح کرلو کہ ممکن ہے، ایک دن اس سلسلہ میں تم سے باز پرس کی جائے۔ اس وقت انھوں نے بڑی حسرت اور ندامت سے کہا: ہم پروائے ہو کہ ہم بڑے ستمگر تھے۔!''

ج) جرم وعیاشی:

قرآن کریم عیاش اور مرفہ لوگوں کو مجرم جانتا ہے اور فرماتا ہے:

و اتبع الذین ظلموا ما اترفوا فیه و کانوا مجرمین.''(۱)

''اور ظالم لوگ عیش ونوش کی خاطر دنیوی نعمتوں کے پیچھے لگ گئے اور وہ بدکار لوگ تھے۔''

ان لوگوں نے جلدی ختم ہوجانے والی لذتوں اور جسمانی راحت کے لئے، رات کی بیٹھکوں (عیاشی کے لئے وقت کے برباد کرنے اور انبیا وصالحین کے خلاف سازشیں کرنے کی طرف کنایہ ہے) کو منعقد کیا اور اس کے ذریعہ بہت سے لوگوں کو اخلاقی اعتبار سے برباد کردیا:

''حَتَّى إِذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِمْ بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ يَجْأَرُونَ، لاتَجْأَرُوا الْيَوْمَ إِنَّكُمْ مِنَّا لاتُنصَرُونَ، قَدْ كَانَتْ آيَاتِي تُتْلَى عَلَيْكُمْ فَكُنتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ تَنكِصُونَ، مُسْتَكْبِرِينَ بِهِ سَامِرًا تَهْجُرُونَ''(۲)

''جب ہم نعمتوں میں ڈوبے ہوئے لوگوں کو ان کے اعمال کے سبب عذاب میں مبتلا کریں تو اس وقت ان کے خدا کی فریاد بلند ہوگی کہ آج کے دن فریادی نہ بنو؛ اس لئے کہ آج ہماری جانب سے تم تک کوئی مدد نہ پہنچے گی۔ بتحقیق تم پر ہماری آیات کی تلاوت کی جاتی تھی اور تم اس کو سن کر واپس چلے جاتے تھے اور تکبر کے عالم میں اپنے لغویات، بکواس اور شبینہ قصوں میں مشغول ہو جاتے تھے اور آیات الٰہی کے سننے سے دوری اختیار کرتے تھے۔''

وہ لوگ جو اپنی ہوائے نفس اور جنسی اور غیر جنسی شہوت کے چکر میں آجاتے ہیں وہ آرام سے نہیں بیٹھ

۱۔ ہود/۱۰۶

۲۔ سورۂ مؤمنون، آیت/۶۷۔۶۴)

سکتے اور کامیابی کے راستہ طئے کرنے والوں کا نظارہ نہیں کر سکتے، اسی وجہ سے مختلف طریقوں اور عیش ونوش کی راتیں منعقد کر کے سماج کو اخلاقی تباہی کی طرف لے جاتے ہیں، شہوت پرست اور راحت طلب افراد خود کو عذاب الٰہی سے امان میں دیکھتے ہیں اور قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق صالحین کے مقابلہ میں کہتے ہیں:

"نحن اکثر اموالاً و اولاداً وما نحن بمعذبین."(۱)

"ہم تم سے زیادہ مال اور اولاد رکھتے ہیں؛ لہٰذا آخرت میں بھی، ہرگز ہم کو کوئی تکلیف اور عذاب نہیں ہوگا۔"

انسانی معاشرہ کی تمام تر تبدیلیاں جو، قرآنی تہذیب کے مطابق الٰہی امتحان ہیں، یہی ایسے انسانوں کے درمیان اتراتے اور مادّی چیزوں میں پر فخر کرتے ہیں۔

جسم کو آرام طلب بنانا اور نفسانی شہوات میں غوطہ ور ہونا انسان کی توجہ کو اصل اور اہم مسائل سے روک دیتا ہے اور اگر ایسی صفت معاشرہ کے افراد میں رائج ہو جائے؛ اس لئے کہ نہ صرف یہ لوگ ایسی پستی میں خود مبتلا ہوتے ہیں، بلکہ تہمت (۲) دھمکی (۳) پروپگنڈہ (۴) تمسخر (۵) وغیرہ۔ وغیرہ.... کے ذریعہ معاشرہ کو بھی برائی کی طرف کھینچتے ہیں اور ان کو تہذیب سے دور کر دیتے ہیں یہاں تک کہ فرانس کا ایک مؤرخ ترک اور مغلوں کے ذریعہ مسلمانوں کی شکست کو ان کی عیاشی اور آرام طلبی کا نتیجہ جانتا ہے۔(۶)

ثقافتی انحطاط کے چند نمونے:

بے شک سماج میں ہر غلط کام، سماج کے لوگوں پر اثر انداز ہوتا ہے اور ایک طرح سے دینی اور ثقافتی انحطاط کا سبب بنتا ہے نیز سماج کے نظم ونسق میں فساد اور تباہی پیدا کرتا ہے۔ غلط کام، گناہ اور قانون کی خلاف ورزی

---

(۱) سورۂ سبا، آیت/۳۵

(۲) اعراف، آیت/۶۰ و ۶۶، سورۂ مؤمنون، آیت/۲۷ و ۳۴

(۳) سورۂ شعراء، آیت/۴۹ و ۱۱۶، اعراف، آیت/۸۸ و ۲۴ ہود، ۹، یس ۱۸ سورۂ طٰہٰ آیت/۷۱۔

(۴) مومنون۔ ۳۳

(۵) سورۂ ھود، آیت/۳۸؛ حجر، آیت/۱۱؛ یس آیت/۳۰؛ زخرف، آیت/۷؛ انعام، آیت/۱۰

(۶) گوستاولویون، تاریخ تمدن اسلام وعرب، ترجمہ سید ہاشم رسولی محلاتی، کتاب فروشی اسلامیہ، تہران، ۱۳۶۴، ج/۲، ص/۷۶۳۔

ایسے زہریلے کھانے کی طرح ہے، جسے ہم چاہیں یا نہ چاہیں، جسمانی نظام پر، غلط اثر ڈالتا ہے اور لوگوں کو قہری ردّ عمل میں مبتلا کر دیتا ہے۔

جھوٹ اعتماد کو ختم کر دیتا ہے؛ امانت میں خیانت، اجتماعی تعلقات کو درہم برہم کر دیتی ہے؛ ظلم ایک دوسرے ظلم کا باعث ہوتا ہے؛ آزادی سے غلط فائدہ، ڈکٹیٹر شپ اور تاناشاہی تک پہنچا دیتا ہے اور تاناشاہی تباہی تک؛ محرومین کے حقوق پامال کرنا کینہ وعداوت کو جنم دیتا ہے اور کینوں کی زیادتی اور دشمنیاں معاشرہ کی بنیادوں کو متزلزل کر دیتی ہے؛ جنسی شہوتوں کا ظاہر ہونا، معاشرہ کو آوارگی کی طرف لے جاتا ہے۔

خلاصہ ہر غلط اور غیر اخلاقی عمل جس قدر بھی ہو یہ اپنی حد میں، ثقافتی انحطاط کے مظاہر میں شمار ہوتا ہے قرآن کریم میں تمام موارد، معجزاتی طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ہم بعض ثقافتی انحطاط کے آشکار نمونوں کی طرف اشارہ کر رہے ہیں:

فساد کا پھیلاؤ:

معاشرہ میں فساد اور فحشا کا رواج، ثقافتی انحطاط کے واضح نمونوں میں سے ایک شمار ہوتا ہے۔ اس وجہ سے، قرآن کریم نے اس کی طرف خاص توجہ مبذول کرائی ہے اور بہت سی آیات میں بشریت کو اس سے روکا ہے۔

کسی چیز کے اعتدال سے خارج ہو جانے کا نام فساد ہے چاہے کم ہو یا زیادہ اور اس کی ضد صلاح ہے۔(۱)

قرآن میں بھی فساد اور صلاح، ایک دوسرے کے مقابلہ میں آئے ہیں:

"الذین یفسدون فی الارض ولایصلحون."(۲)

"واللہ یعلم المفسد من المصلح."(۳)

بہت سی آیات میں "فی الارض" کی ترکیب کے ساتھ آیا ہے تاکہ یہ بتا دیا جائے کہ قرآن کریم نے

---

(۱) الراغب الاصفہانی، معجم مفردات الفاظ قرآن المکتبۃ المرتضویۃ تہران، ۱۳۹۲ق، ص/۳۷۹۔

(۲) سورۂ شعراء، آیت/۱۵۲۔

(۳) سورۂ بقرہ، آیت/۲۲۰۔

معاشرہ کے معاشرتی پہلو مورد نظر ہیں۔

سماج میں فساد کے مختلف پہلوؤں کے مدنظر جو کہ اسلامی سماج کو برباد کر دیتا ہے اور اس کے اندر رخنہ ڈال دیتا ہے، اس کے برے نتائج کو بیان کیا ہے اور اسے خدا اور اس کے رسول سے جنگ کے برابر بڑا گناہ قرار دیا ہے، (۱) انسانوں اور زراعت کو برباد کرنا، (۲) قطع رحم جس کے جوڑنے کا خداوند عالم نے حکم دیا ہے۔ (۳) تکبر اور سرکشی کی عادت، (۴) کو فساد قرار دیتا ہے، اس حد تک کہ فرعون کو دریا میں غرق ہوتے وقت جب وہ اپنی توبہ کا اعلان کرتا ہے تو فرماتا ہے:

"الآن وقد عصیت قبل و کنت من المفسدین."(۵)

''اب ایمان لاتا ہے؛ حالانکہ اس سے پہلے گناہ کیا اور مفسدوں میں سے تھا۔

اس سلسلہ کی تمام آیات پر ایک نگاہ ڈالنے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ لفظ فاسد کے بہت وسیع معنا ہیں، جو فرعون اور جباروں کے بڑے بڑے جرائم تک سے لیکر بظاہر چھوٹے چھوٹے گناہوں تک جیسے کم ناپ تول اور ہیرا پھیری کو بھی شامل ہے۔(۶)

قرآن کریم، انسانوں کو فساد کے مصادیق کا تعارف کراتے ہوئے ثقافتی اور اخلاقی انحطاط کے مزید پھیلنے کے خطرہ سے مقابلہ کرنے کا راستہ بتاتا ہے۔ اس کے علاوہ، یہ کہ فساد اور برائیاں علاقائی نہیں ہوتیں کہ اس کو ایک علاقہ میں محصور کیا جاسکتا ہے، بلکہ پورے معاشرہ میں اور پوری زمین پر پھیل جاتی ہیں اور ایک گروہ اور ایک فرد سے دوسروں میں سرایت کرتی ہیں اور معاشرہ کو زوال اور انحطاط کی طرف لے جاتی ہیں۔

دوسرا نکتہ جو ان آیات میں بخوبی نمایاں ہے، یہ ہے کہ پیغمبروں کی بعثت کے بڑے اور اہم مقاصد میں سے ایک زمین خدا پر ہر قسم کے فساد کو ختم کر دینا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم سے کہتے ہیں:

---

(۱) مائدہ، آیت/۳۳۔

(۲) سورۂ بقرہ، آیت/۲۰۵۔

(۳) سورۂ بقرہ، آیت/۲۷۔

(۴) قصص، آیت/۸۳۔

(۵) سورۂ یونس، آیت/۹۱۔

(۶) سورۂ ھود، آیت/۸۸۔

ان أريد الا الاصلاح ما استطعت."(۱)

:"میرا مقصد صرف یہ ہے کہ میں اپنی طاقت بھر فساد سے مقابلہ کروں اور اصلاح کروں۔"

ہم جنس بازی:

اخلاقی انحراف میں سے ایک، جو ثقافتی انحطاط کا آشکار نمونہ شمار کیا جاتا ہے، مکمل طور سے جنسی انحطاط ہے۔ اس گمراہی کا واضح ترین نمونہ، دو مردوں میں لواط اور ہم جنس بازی ہے اور دو عورتوں میں ہم جنس بازی کو مساحقہ کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم، ایسے انحطاط کو برے نتائج کے ساتھ بیان کرتا ہے، قوم لوط اس برے جرم کا واضح نمونہ ہے کہ آیات الٰہی ان کے اصلی گناہ کو جنسی انحراف اور ہم جنس بازی جانتا ہے۔ اس قوم والے ثقافت کے اعتبار سے بہت پست تھے، بغیر کسی پرواہ کے برائیوں کو آشکارا طور پر انجام دیتے تھے:

" أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنكَرَ... "(۲)

"تم مردوں کے ساتھ خلوت کرتے ہو اور صحیح راستہ (یعنی ہمبستری کے فطری طریقہ) کو قطع کرتے ہو اور بغیر کسی شرم وحیا کے، سماج میں برے کاموں میں مصروف ہو جاتے ہو۔

وہ اس طرح سے برے قول وفعل کی انجام دہی میں لگ جاتے تھے کہ قرآن کریم ان کے گناہوں کو اس طرح یاد کرتا ہے:

"أتأتون الفاحشة ما سبقكم بها من أحد من العالمين."(۳)

"آیا وہ برا کام اور پستی، جسے تم سے پہلے کسی نے بھی انجام نہیں دیا، تم اس کو انجام دیتے ہو۔"

روایات اور تاریخی اسناد میں، دوسرے برے اور پست اعمال بھی، جنسی گمراہی کے ساتھ ساتھ قوم لوط میں رائج تھے۔ ان کی نشستیں اور محفلیں، طرح طرح کی برائیوں اور برے اعمال پر مشتمل ہوا کرتی تھیں۔ بھونڈی گالیاں اور کریہہ اور برے الفاظ کا استعمال ان کا دائمی کام تھا۔ اپنی ہتھیلیوں سے دوسروں کے پیٹھے پر مارتے تھے،

---

(۱) سورۂ ھود، آیت/۸۸۔

(۲)۔ سورۂ عنکبوت، آیت/۲۹

(۳) سورۂ اعراف، آیت/۸۰۔

جوا کھیلتے تھے اور بچکانہ حرکتیں کرتے تھے، طرح طرح کے آلات لہو ولعب اور موسیقی کے مختلف آلات استعمال کرتے تھے اور لوگوں کے سامنے، اپنے جسم اور شرم گاہ کو برہنہ کرتے تھے۔(۱)

یہ بالکل آشکار ہے کہ ایسے آلودہ ماحول میں، گمراہی اور برائی زندگی کے تمام گوشوں کو شامل کر لیتی ہے۔ برے اعمال کی قباحت ختم ہو جاتی ہے اور اس محفل کے افراد ایسے راستہ پر گامزن ہو جاتے ہیں جن کی نظروں میں کوئی بھی کام برا اور غلط نہیں ہوتا ہے۔

ہم جنس بازی کے بعض آثار:

مرد اور عورت کا مزاج اس طرح سے پیدا کیا گیا ہے کہ اپنی آسائش اور صحیح طریقہ سے اپنی شہوت کی سیری کو جنس مخالف کی محبت میں (قانونی شادی کے ذریعہ) دیکھتے ہیں اور اس کے خلاف ہر قسم کے جنسی میلان، کو سالم طبیعت سے انحراف اور ایک طرح سے روحانی بیماری شمار کیا جاتا ہے کہ اگر وہ باقی رہ جائے تو روز بروز مزید بڑھتی چلی جائے گی اور اس کے نتیجہ میں صنف مخالف سے بے توجہی بڑھ جاتی ہے اور غلط طریقہ سے جنس موافق سے میلان بڑھ جاتا ہے۔

خداوند عالم کی سنت کی بنیاد پر، مرد اور عورت اپنی جنسی، روحی اور جسمانی خصوصیات کے ساتھ، باہم ایک دوسرے کے کمال تک پہنچنے کے اسباب فراہم کرتے ہیں اور اس فطرت اور سنت کے خلاف عمل، خدا کی نافرمانی کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے۔ نہ صرف انسان بلکہ تمام ترقی کرنے والے موجودات کی حیات اسی قاعدہ زوجیت یعنی مذکر اور مؤنث، کی ہمراہی پر استوار ہے اور دو مذکر یا دو مؤنث کا جمع ہونا خلاف قاعدہ خلقت ہے:

"سُبْحَانَ الَّذِی خَلَقَ الْأَزْوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنفُسِهِمْ وَمِمَّا لَایَعْلَمُونَ"(۲)

"وہ خدا پاک و منزہ ہے، جس نے دنیا کے تمام ممکنات کو جوڑے کی شکل میں پیدا کیا ہے چاہے نباتات میں سے ہوں یا انسانوں میں سے ہوں اور دوسری مخلوقات کو بھی جن سے انسان آگاہ نہیں ہے۔"

---

(۱) شیخ عباس قمی، سفینۃ البحار، انتشارات سنائی، تہران، ص/۵۱۷

(۲) سورۂ یٰس، آیت/۳۶۔

اس طرح کے ناجائز روابط، انسان کے جسمانی نظام میں، حتی روح اور اعصاب میں بھی، اس کو برباد کردینے والے برے اثرات چھوڑ جاتے ہیں: مرد کو ایک کامل مرد اور عورت کو ایک کامل عورت ہونے سے ساقط کردیتے ہیں؛ اس طرح سے کہ ہم جنس باز مرد عورت، جنسی ضعف اور ذہنی انتشار کا شکار ہو جاتے ہیں اور وہ اس بات پر بھی قادر نہیں ہوتے کہ وہ اپنی اولاد کے لئے اچھے ماں باپ قرار پائیں۔ وہ لوگ روحی اعتبار سے لاینحل فکری اور روحی تضاد میں گرفتار ہو جاتے ہیں؛ حالانکہ قرآن کریم دو میاں بیوی کی ہمراہی کو ان کے آرام و آسائش کا سبب جانتا ہے اور فرماتا ہے:

"وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ..." (۱)

"خدا کی آیات (لطف) میں سے ایک یہ ہے کہ تمہارے واسطہ تمہاری ہی جنس سے جوڑا بنادیا، تاکہ تم اس کے ساتھ آرام و آسائش حاصل کرکے، باہم ایک دوسرے سے مانوس ہو جاؤ اور تمہارے اندر محبت اور مہربانی پیدا کردی ہے۔"

اس آیت کی بنیاد پر، مرد و زن ایک دوسرے کے پاس آرام اور سکون حاصل کرتے ہیں اور محبت، دوستی اور مہربانی کے ساتھ اپنی زندگی کا لطف اٹھاتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر بہت سی احادیث میں، بہت سے اسباب جیسے فساد کا گھیر لینا اور انسانی نسل کا مٹ جانا اور خانوادگی تعلقات کا درہم برہم ہو جانا وغیرہ کو ہم جنس بازی کی شدید حرمت کا باعث قرار دیا ہے۔ (۲)

شریعت نے اس برے عمل کو روکنے کی غرض سے اس راہ پر چلنے والوں کے لئے سخت سزائیں قرار دی ہیں۔

زنا:

دوسرے ثقافتی انحطاط کے مظاہر، جو خاندان کے نظام کی پستی اور انحطاط کا موجب ہیں اور آخر کار،

---

(۱) سورۂ روم، آیت/۲۱۔

(۲) محمد بن الحسن الحر العاملی، وسائل الشیعہ، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ج/۱۴، ص/۲۵۲۔

پورے سماج کے زوال اور انحطاط کا باعث ہوتے ہیں ان میں سے ایک، مسئلہ زنا ہے، یہ ایسا ناجائز عمل ہے جس کو قرآن کریم شدت کے ساتھ منع کرتا ہے اور ممانعت میں شدت پیدا کرتے ہوئے اپنے مخاطبین کو اس سے نزدیک ہونے سے بھی روکتا ہے:

"و لاتقربوا الزنیٰ انه کان فاحشة و ساء سبیلاً."(۱)

"ہرگز زنا کے نزدیک تک نہ جانا اس لئے کہ یہ بہت برا عمل اور بہت ہی ناپسندیدہ راستہ ہے۔"

تاریخ یہ بتاتی ہے کہ کوئی بھی قوم اس برے عمل میں آلودہ نہیں ہوئی مگر یہ کہ وہ دینی اور ثقافتی پستی، زوال اور انحطاط میں مبتلا ہوگئی۔

زنا بھی لواط ہی کی طرح بڑے مفاسد کا حامل ہے، جو معاشرہ کی ثقافتی عمارت کی ماہیت اور حقیقت کو سست کر دیتا ہے؛ اس لئے کہ اس صورت حال میں، وہ اپنی اولاد کو نہیں پہچان سکتا اور ان کی تربیت اور پرورش کے لئے کوئی معقول اقدام نہیں کرسکتا۔ وہ ہرج و مرج، جو ہر مرد کے شہوانی ہجوم سے عورت پر ظاہر ہوتا ہے، سماج کو اختلافات کے نہ ختم ہونے والے ابہام کے ہالہ میں ڈبو دیتا ہے۔ زانیہ عورت کو مردوں کی فطرت سلیم قبول نہیں کرتی ہے۔ اس بنا پر، الفت، مہربانی اور آرام و سکون، جو شادی بیاہ کے نیک اثرات میں سے ہیں، وہ بدکار مرد و زن کو حاصل نہیں ہو پاتے ہیں۔

اس سے بھی بڑھ کر، ایسے معاشرہ میں عورت کی شخصیت اور اس کی حیثیت، غیر معمولی طور پر پستی اور تنزلی کا شکار ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ صرف ہوسران مردوں کی شہوت پوری کرنے کا وسیلہ بن کر رہ جاتی ہے۔ رسول اکرمؐ کے فرمان کے مطابق، انسان کے گھر کے نابود ہونے کا ایک سبب، جو تعمیر اور تلافی کے قابل نہیں ہے، زنا اور یہ ناجائز عمل ہے۔(۲)

بے شک، آیات الٰہیہ میں غور کرنے سے مقدسات مذہب سے بے اعتنائی جیسے بہت سے مصادیق جیسے دین کا کم رنگ ہونا، غلط کام کا اچھے کام میں تبدیل ہو جانا اور اس کے برخلاف دوسرے کام... وغیرہ کو واضح کیا جاسکتا

---

(۱)۔ سورۂ اسراء، آیت/۳۲۔

(۲) محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، المکتبۃ الاسلامیۃ، تہران چاپ سوم، ۱۳۷۴، ج/۷۹، ص/۱۹۔

ہے اور اس طرح کے بہت سارے حالات جو کہ بہت ہی اہم ہیں کی تحقیق کے لئے بیٹھا جاسکتا ہے، تا کہ آج کل کے لوگوں کی زندگی کی لئے راہ گشا ہو اور دینی اور ثقافتی انحطاط میں ڈوب جانے میں کچھ کمی ہو جائے۔

ثقافتی انحطاط سے روکنے کے اسباب

قرآن کریم اس سے بڑھ کر اصلی اور اسلامی ثقافت کی پستی کے مصادیق کی توضیح کرتے ہوئے، معاشرہ میں ثقافتی انحطاط سے روکنے کے طریقے بتاتا ہے اور اس تہذیب کے مدمقابل، جو اومانزم اور بے دینی نیز آزادی کے نظریات کی دین ہے اور انسان کو آوارگی اور بے راہروی کی دعوت دیتی ہے، انسان کو بہترین دنیاوی اور اخروی زندگی کی طرف بلاتا ہے یہاں ہم اس کے اہم اسباب کی یاددہانی کراتے ہیں:

معاشرتی نگرانی اور کنٹرول:

دین کے سبق آموز حقائق میں، نگرانی اور اجتماعی طور پر کنٹرول کو اساسی طور سے پیش کیا گیا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں خداوند عالم کی جانب سے انسانوں پر بہت سی آیات نازل ہوئی ہیں۔(۱)

یہ کلی قانون شریعت کے واقعی مفسرین (حضرات معصومین علیہم السلام) کے ذریعہ تشریح اور تبین ہوا ہے۔

امام صادق علیہ السلام نے رسول اکرمؐ سے نقل فرمایا ہے:

جب فساد، حرمت شکنی اور گناہ سر عام انجام دیا جانے لگے، چاہے برے لوگ جتنے ہی کم کیوں نہ ہوں اور اکثر عوام قانون اور صحیح راستہ پر گامزن ہوں اور اگر عوام کی اکثریت اس کو کنٹرول نہ کرے تو ان پر بھی عذاب نازل ہوگا۔

اس بنا پر، معاشرہ کی ثقافت میں سے ایک، سماج میں کنٹرول اور نگرانی ہے۔ آج کل معاشرہ میں کنٹرول اور نگرانی نے معاشرہ شناسی کے سلسلہ میں بہت اہمیت حاصل کر لی ہے؛ جیسا کہ ''ڈوریکیم'' کہتا ہے:

جب بھی فردی رجحانات کے سبب، سماج میں نگرانی کرنے والے کا اثر ختم ہو جائے اور معاشرہ کے لوگ، اپنے حال پر چھوڑ دئے جائیں تو ایسا سماج غلط راستہ پر لگ جائے گا۔(۲)

---

(۱) آل عمران، آیت/۱۰۴، ۱۱۰ و ۱۱۴؛ سورۂ اعراف، آیت/۱۵۷؛ سورۂ توبہ، آیت/۶۷، ۷۱، ۱۱۲؛ سورۂ حج، آیت/۴۱؛ سورۂ لقمان، آیت/۱۷)۔

(۲) لوئیس کوزر، زندگی و اندیشہ بزرگان جامعہ شناسی''، ترجمہ محسن ثلاثی، انتشارات علمی، چاپ ششم، ۱۳۷۶، ص/۱۹۲۔

المختصر یہ کہ سماج میں امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کا نفاذ، اس بات کا باعث ہوتا ہے کہ انسان کو فحشا، فساد اور تمام نامناسب چیزوں سے روک دیا جائے اور اگر گمراہ اور برے لوگ، سماج کی تہذیب اور ثقافت پر مسلط ہو جائیں تو یہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ اچھے لوگوں نے اپنے معاشرتی فریضہ میں سستی برتی اور وہ لوگ اس سے بے توجہ ہو گئے ہیں یعنی سماجی نگرانی اور کنٹرول میں سستی سے کام لیا گیا ہے۔(۱)

ب۔انحطاط کے مقدمات کو روکنا:

اوپر گزر چکا ہے کہ مظاہر فساد میں سے ایک، جنسی اور شہوانی مسائل میں انحراف اور کجروی ہے۔قرآن کریم اس سے روکنے کے لئے، اسلامی سماج میں عورتوں اور لڑکیوں کے اس طرح سے گھروں سے باہر نکلنے پر، جو لوگوں کو اپنی طرف جذب کرتا ہو، روک لگائی ہے اور ہر اس کام کے ساتھ، جو سماج کی فضا کو مسموم یا آلودہ کرے، بہت زیادہ شدومد سے مقابلہ کرتا ہے۔اگر قرآن کریم غیبت کے سلسلہ میں سختی سے منع کرتا ہے(۲) تو پنہاں عیوب کو آشکار کرنے سے روکنے کے لئے میں بھی ایسا کرتا ہے؛ چونکہ ایسی برائیوں کے آشکار ہونے سے معاشرہ کی حرمت مجروح ہو جاتی ہے اسی لئے وہ عیب پوشی کا حکم دیتا ہے، اس کی بھی وجہ یہی ہے کہ گناہ عام نہ ہونے پائے۔قرآن کریم ایسے لوگوں کے لئے جو یہ چاہتے ہیں کہ برائیاں اور بدترین گناہ کو ایمان دار لوگوں میں پھلائیں ان کے لئے دنیا و آخرت دونوں میں دردناک عذاب متعین کرتا ہے:۔

" إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ" (۳)

"بتحقیق جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ برائیاں ایمان دار لوگوں کے درمیان پھیل جائیں وہ لوگ دنیا و آخرت دونوں میں دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔"

---

(۱) یہی مضمون حضرت علی علیہ السلام سے نقل ہوا ہے۔محمد محمدی ری شہری، حوالہ سابق، ج/۶، ص/۲۶۴۔نقل از حسن غفاری فر، نظارت و کنترل اجتماعی، کتاب زنان، ش/۱۷، ص/۱۲۰۔

(۲) سورۂ حجرات، آیت/۱۲

(۳) سورۂ نور، آیت/۱۹۔

اسلام اس نکتہ پر توجہ کرتے ہوئے کہ جنسی جذبات انسانوں کے قوی ترین اور بنیادی ترین جذبات ہیں اور جب یہ مشتعل ہو جائیں تو خطرناک حوادث وجود میں آتے ہیں، لہٰذا وہ چیزیں جو شہوت کی طغیانی کا مقدمہ ہیں اسلام ان سے روکتا ہے۔ اسی وجہ سے ہم آیۂ حجاب میں پڑھتے ہیں:

"وَلاَيُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلاَّ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ وَلاَيُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلاَّ لِبُعُولَتِهِنَّ..... وَلاَيَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ"(۱)

"ظاہری مقدار کے علاوہ اپنی زینت کو آشکار نہ کریں اور اپنی روسریوں (اوڑھنیوں) کو اپنے سر پر ڈالیں (تاکہ گردن اور سینہ کو چھپا سکیں) اور اپنی زینت کو آشکار نہ کریں مگر صرف اپنے شوہر کے لئے یا... اور راستہ چلتے وقت، اپنے پیروں کو زمین پر نہ ماریں کہ ان کی مخفی زینت ظاہر ہو جائے (اور ان کے پیروں کے خلخال کی آواز کانوں تک پہنچے)۔"

اس آیت میں، زینتوں کے آشکار ہونے کو تین مرتبہ منع کیا گیا ہے؛ کیونکہ یہ عمل سبب ہوتا ہے کہ سماج کے لوگ فساد اور فحشا میں مبتلا ہو جائیں اور نتیجہ میں یاد خدا سے غافل ہو جائیں۔ اس سے بھی وسیع تر، عورتوں کو اس طرح بات کرنے سے بھی منع کرنا ہے کہ نامحرم لوگ ان عورتوں کے بارے میں لالچ میں مبتلا ہو جائیں۔:

"فلاتخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبه مرض."(۲)

"اپنی گفتگو میں نرمی نہ برتو کہ وہ شخص جس کے دل میں مرض ہے، تمہارے بارے میں لالچ نہ کرے۔"

ہاں! قرآن کریم انسان کو فساد اور ثقافتی ماہیت کو تباہ کرنے والے تمام مقدمات سے روکتا ہے اور اس کو خدا کی یاد کی طرف اور کمال الٰہی کے راستہ پر گامزن کرنے والے تمام ارشادات کی رعایت کی طرف دعوت دیتا ہے۔

ج۔ ثقافتی انحطاط کے انجام کا بیان:

دور حاضر اور گزشتہ زمانہ کی تاریخ، زندہ اور واضح طریقہ پر الٰہی سزاؤں کے میدان جرم کو اپنے دامن میں

---

(۱) سورۂ نور، آیت/۳۱۔

(۲) سورۂ احزاب، آیت/۳۲۔

لئے ہوئے ہے، قرآن کریم تمام لوگوں کو انحراف اور بے راہروی سے روکنے کے لئے اور درس عبرت کی غرض سے ایسے لوگوں کی مثال دیتا ہے اور ان کے بارے میں فرماتا ہے کہ خداوند عالم نے ان لوگوں کی زندگی کو بالکل نابود کردیا اور ان کے اوپر گھروں کی چھتیں گرادیں اور جہاں سے وہ فکر بھی نہیں کرسکتے تھے، عذاب الٰہی وہاں سے ان تک پہنچ گیا۔(۱) قوم نوح، (۲) عاد (۳) شعیب (۴) لوط (۵) اور سرکشوں (۶) کے انجام بہت ساری آیات میں ہیں، قرآن ایسے نتائج سے روکتا ہے۔ آیات الٰہی میں، عام لوگوں کے لئے، جو لوگ بری ثقافت اور دینی انحطاط میں ڈوب جاتے ہیں، ان کی تصویر کشی کی گئی ہے اور ان ایات سے یہ نتیجہ لیا گیا ہے کہ جو کچھ ان واقعات میں بیان ہوا ہے آیات الٰہی سے انکار اور ان کی تکذیب معاد اور دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار، فساد اور اس کے دردناک نتائج کسی خاص گروہ سے مخصوص نہیں ہیں، بلکہ جو بھی اس راہ پر قدم اٹھائے وہ ایسے نتیجہ میں گرفتار ہوگا اور آخرت میں بھی ہمیشہ عذاب الٰہی میں رہے گا۔

د۔ تدبر اور غور وفکر کی دعوت:

قرآن کریم لوگوں کی ہدایت اور ان کو راہ راست پر لانے کی طرف توجہ مبذول کراتا ہے، مختلف میدانوں میں، سبھی لوگوں سے یہ چاہتا ہے کہ غور وفکر اور تدبر کریں۔(۷)

اور فرماتا ہے:

''مردوں کے زندہ کئے جانے پر تدبر کیوں نہیں کرتے۔''(۸)

---

(۱) سورۂ نمل، آیت/۲۶۔

(۲) ناصر مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، دار الکتب الاسلامیۃ، تہران، چاپ بیسواں، ۱۳۸۰، ج/۹، ص/۶۸ و ج/۲۵، ص/۸۷۱۔

(۳) حوالہ سابق، ج/۹۔ ص/۱۴۲ و ج/۲۰، ص/۲۳۹۔) ثمود (۳) (حوالہ سابق، ج/۱۴، ص/۲۳۵، و ج/۹، ص/۱۶۲۔

(۴) حوالہ سابق، ج/۵، ص/۳۳۲۔

(۵) حوالہ سابق ج/۱۱، ص/۱۰۹ و ج/۲۲، ص/۳۵۶۔

(۶) حوالہ سابق، ج/۱۳، ص/۴۱۵، و ج/۱۶، ص/۱۷۷ و ۴۵۳۔

(۷) محمد فواد عبد الباقی، المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، انشارات اسلامی، تہران، طباعت دوم، ۱۳۷۴، ص/۵۹۵۔۵۹۴۔

(۸) سورۂ بقرہ، آیت/۷۳۔

''کیا یہ فکر نہیں کرتے کہ صحیح راستہ انسان کو آرام بخش نتیجہ تک لے جاتا ہے۔ تم اس بارے میں کیوں نہیں سوچتے کہ تم جن بتوں کی پرستش کرتے ہو وہ تمہارا کوئی کام نہیں کر سکتے۔''(۱)

''صرف وہ لوگ قرآن میں غور وفکر کرتے ہیں جو عملی علم کے حامل ہیں۔''(۲)

قرآن کریم لوگوں کی توبیخ کرتا ہے کہ جو عمل انجام دیتے ہو اس کے بارے میں غور وفکر کیوں نہیں کرتے۔ اگر کسی پر ظلم کرتے ہو تو فطرت سلیم تمہیں بتا دیگی کہ یہ عمل برا اور انسانی اقدار کے خلاف ہے۔ اگر جہالت میں ہو تو تھوڑے سے غور وفکر سے تمہیں پتہ چل جائے گا کہ جہل اور علم دونوں برابر نہیں ہیں اور عالم و جاہل یکساں نہیں ہیں۔(۳) اور باپ دادا کی اندھی تقلید انسانوں کی بے فکری کا نتیجہ ہے۔(۴)

اس بنا پر، تیز بینی اور تفکر کی مختلف دعوتیں، صحیح راستہ کو پانے کے لئے ہیں۔ قرآن کریم یہ چاہتا ہے کہ انسان کو انسانیت کے بلند و بالا کمال پر پہنچا دے اور اسلامی سماج کو دینی اور ثقافتی انہدام سے بچا لے۔ اسی وجہ سے ثقافتی انحطاط کے تمام گوشوں میں صراحت اور کنایہ دونوں طرح سے باتیں کہی گئی ہیں اور قرآن مفکرین کو صراط مستقیم کی طرف بلاتا ہے اور لوگوں کو اس پر چلنے یعنی برائیوں سے دور کرنے والے راستہ کی طرف دعوت دیتا ہے۔

نتیجہ گیری اور تجویز:

انسانی معاشرہ میں تنزلی اور پستی کے دور میں ثقافتی حقیقت کے بارے میں، آیات الٰہیہ کی، تحقیق اور چھان بین کی ضرورت کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے؛ اس لئے اس اہم موضوع کے بارے میں قرآنی زاویہ نگاہ سے تحقیق اور چھان بین تمامی مذاہب کے لئے، قابل توجہ اور کارساز ہو سکتی ہے۔

خدا کے رسولوں کے بھیجنے کا مقصد، صحیح تہذیب اور انسان کو کامیابی کا راستہ دکھانا ہے۔ قرآن کریم نے اس بارے میں خاص توجہ دلائی ہے۔

---

(۱) سورۂ انبیاء، آیت/۶۷۔

(۲) مضمون آیت/۴۳ سورۂ عنکبوت۔

(۳) سورۂ زمر، آیت/۹ یا سورۂ رعد، آیت/۱۶ وغیرہ۔

(۴) سورۂ بقرہ، آیت/۱۷۰۔

آیات الٰہیہ، جاہلیت کے سماج کی مکمل تصویر کشی کے ذریعہ، ثقافتی انحطاط کے گویا اور رسا نمونے ترسیم کرتی ہیں اور ایسے معاشرہ کے خصوصیات کو بیان کر کے، بعد والوں کو درس عبرت دیتی ہیں۔

وسیع پیمانہ پر کسی بھی معاشرہ کو پستی میں ڈبونے اور فضیلتوں اور اقدار کے ختم ہونے میں گناہوں کی تاثیر آشکار ہے، مگر خداوند متعال نے قرآن کریم میں ثقافتی انحطاط کے کچھ نمونوں پر زور دیا ہے وہ فساد کی وسعت کو عام طور سے اور ہم جنس بازی کے رواج، زنا اور گناہ کبیرہ، مقدسات اسلامی سے بے توجہی اور اچھائیوں کے برائیوں میں تبدیل کرنے وغیرہ کو خاص طور سے سماج میں ثقافتی انحطاط کی واضح نشانیاں جانتا ہے۔ قرآن کریم نے سماج سے ثقافتی پستی کو مٹانے کے لئے کچھ طریقہ کار بتائے ہیں اور اپنے پیروکاروں سے یہ چاہتا ہے کہ مکمل معاشرتی کنٹرول اور نگرانی (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) کے ذریعہ اور انحراف اور گمراہی کے مقدمات سے روک کر انھیں گذشتہ معاشروں کی سرنوشت میں تدبر، تفکر اور غور وخوض کے ذریعہ، ثقافتی انحراف سے بچایا جائے تا کہ وہ رحمت الٰہی اور لطف ومحبت پروردگار عالم کا مرکز قرار پائیں اور دنیا وآخرت کے عذاب کے بھنور سے بچ جائیں۔

قرآن کی ایک آیت میں ہم پڑھتے ہیں:

﴿ قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللهَ وَلَانُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَايَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللهِ ... ﴾ (۱)

''آپ کہہ دیجئے: اے اہل کتاب! ایک ایسے کلمہ کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر اور مشترک ہے کہ خداوند عالم کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اس کا مثل قرار نہ دیں اور ہم میں سے کوئی دوسروں کو خدا کے علاوہ مالک نہ بنائے۔

---

(۱) سورۂ آل عمران، آیت/۶۴۔

یہ آیت، دین اسلام اور دوسرے آئین کے درمیان مشترک نقاط کی طرف دعوت دیتی ہے اور ہمیں یہ تعلیم دیتی ہے کہ اگر کچھ لوگ اس بات پر تیار نہ ہوں کہ تمہارے تمام مقاصد میں تمہارے ساتھ تعاون کریں یا تمہارے تمام اعتقادات کو قبول کریں تو اس بات کی کوشش کرو کہ اہم اور مشترک مقاصد اور اہداف میں وہ تمہارے ساتھ تعاون کریں۔(۱)

اس بنا پر، گزارش کی جاتی ہے کہ اسلامی سماج میں مختلف مذاہب کا اعتقادی اختلاف اور مختلف سلیقوں کی موجودگی کے باوجود، اس بات پر توجہ رکھتے ہوئے کہ تمام مذاہب اور الٰہی ادیان کے خلاف ثقافتی یلغار جاری ہے، لہٰذا سبھی لوگوں کو قرآن کریم کے مشترکہ نقطہ پر غور وخوض اور تحقیق کے ذریعہ، اس گوشہ کو رواج دینے کے لئے حالات فراہم کرنے چاہئیں جو تمام مذاہب کے لئے قابل قبول ہوں۔ ایسے اہم کام کی تحقیق اس بات کی ضرورت پر زور دیتی ہے کہ پہلے دینی اور ثقافتی انحطاط اور زوال کے بارے میں پہلے قرآنی تھیوری اور ضابطہ کو اپنایا جائے، اس کے بعد قابل اطمینان نتیجہ کو حاصل کرلیا جائے۔

---

(۱) ناصر مکارم شیرازی اور کچھ دوسرے لوگ، حوالہ سابق، ج ۲، ص ۵۹۴

اقبال کی نظر میں مسلمانوں کے مسائل اوران کا حل

سید معراج مہدی رضوی

خلاصہ

اس مقالہ میں علامہ اقبال کے آثار وافکار کی روشنی میں مسلمانوں کے موجودہ مسائل اوران کے حل کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے مقالہ میں سب سے پہلے برصغیر کے مسلمانوں کی موجودہ صورت حال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کے حل کو پیش کیا گیا ہے، خودی کی بیداری،، مغربی تہذیب کی یلغار مسلمانوں کی تعلیم سے محرومی، مغربی تعلیم کے اثرات، دین سے بے رغبتی، قرآن وشریعت الٰہی سے دوری، اہلبیت اطہار علیہم السلام سے دوری، خدا پر توکل اور ایمانِ کامل کے فقدان، عشق ویقین کے سرمایہ کے فقدان ، جزبہ وایثار کا فقدان، افکار میں محدودیت اور ظاہر نگری، اتحاد کا فقدان، دین وسیاست میں جدائی، رہبری کا فقدان، عرب حکرانوں کی نا اہلی، عیش وتجملات کا دور دورہ، محنت وسحر خیزی سے دوری ، عزم زندہ کی کمی، خانقاہی نظام کا غلبہ، مدارس میں زوال کے بادل، علم کی فراوانی اور اہل نظر کا فقدان، فکر میں استحکام کی کمی، افکار میں محدودیت، علما سے عوام کی دوری، خطابت کا بے اثر ہونا، شاعری کا بے ہدف ہونا، بے عملی کا رواج، اقبال کا درس عزم، اقبال کا پیغام آخر جیسے مسائل اور انکا حل مقالہ کے مشمولات میں شامل ہے جن میں سے چند نکات کا ذکر اس شمارے میں کیا

جارہا ہے باقی بچے نکات اگلے شمارے میں پیش کیے جائیں گے۔

مقدمہ:

اقبال کا تعارف:

حکیم امت، نباض قوم، شاعر مشرق، مفکر اسلام جناب ڈاکٹر محمد اقبال کی ولادت ۹ نومبر ۱۸۷۷ء میں سیالکوٹ کے اس محلّہ میں ہوئی جو اقبال بازار کے نام سے مشہور تھا آپ کے والد کا نام نور محمد اور والدہ امام بی بی تھیں آپ کے بزرگ سپرو برہمن تھے اور ان کا وطن کشمیر تھا ان کے جد اعلیٰ نے اٹھارویں صدی کے آخر میں یا انیسوی صدی کے شروع میں اسلام قبول کیا اور پھر کشمیر کی سکونت ترک کر کے سیالکوٹ میں آ بسے اقبال کو جہاں اس بات پر ندامت تھی کہ ان کے اجداد بت پرست تھے وہیں اپنے برہمن نژاد ہونے پر فخر بھی کیا کرتے تھے اس فخر کا سبب یہ تھا کہ برہمن فلسفہ وحکمت میں مہارت رکھا کرتے تھے۔ اقبال کے والد شیخ نور محمد نو میاں جی کہلاتے تھے ایک دیندار آدمی تھے۔ تصوف ان کی طبیعت میں پایا جاتا تھا وہ محی الدین ابن عربی سے بہت زیادہ متاثر تھے اقبال کی تربیت میں ان کے والد کا ایک خاص کردار رہا ہے اس کسب فیض کا ذکر اقبال صاحب بڑے فخر سے کیا کرتے تھے جیسا کہ ایک خط میں اشارہ ملتا ہے:

> ''ہزار کتب خانے ایک طرف اور باپ کی نگاہِ شفقت ایک طرف اسی واسطے تو جب موقع ملتا ہے ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں اور پہاڑ پر جانے کے بجائے ان کی گرمی صحبت سے مستفید ہوتا ہوں۔''

اقبال کی تربیت میں دوسرا اہم کردار ان کی والدہ امام بی بی جی کا ہے جن کو بی بی کہا جاتا تھا خود تو تعلیم یافتہ نہ تھیں پر اولاد کی پرورش کا سلیقہ آتا تھا جس کا ثبوت اقبال کی بے مثل شخصیت اور آپ ان میں ملک وملت کی خدمت کا پایا جانے والا جذبہ ہے اقبال کو اپنی والدہ سے بہت زیادہ محبت تھی جس کے ثبوت اقبال کے کلام سے بخوبی دیکھے جاسکتے ہیں آپ نے والدہ کو خراج پیش کرتے ہوئے مستقل ایک نظم بھی والدہ کے نام لکھی ہے جو شہرہ آفاق پر نمایاں حیثیت کی حامل رہی۔

آپ کی تعلیم کا سفر قرآن مجید کی تعلیم سے شروع ہوا اور بعدہ سیالکوٹ میں ہی مشن ہائی اسکول میں داخلہ لے لیا۔ ہائی اسکول کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاسکرتے ہوئے ۱۸۹۳ء میں قرے کالج سیالکوٹ میں داخلہ لے

لیا اور ان ہی دنوں وہاں عربی کے پروفیسر سید میر حسن رضوی صاحب ہوا کرتے تھے جو عربی، فارسی اور اردو کے متبحر عالم تھے ان کی تربیت میں آپ نے اردو، عربی اور فارسی زبان پر اچھی دسترس حاصل کر لی اور شعر و سخن کا ذوق بھی آپ کی ہی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ اقبال کی طبیعت بچپن سے ہی شعر گوئی کی جانب مائل تھی لیکن سید میر حسن کی صحبت نے اس نہفتہ کمال کو نکھار بخشا اس طرح آپ کو شعر گوئی کا اعلیٰ شعور حاصل ہو گیا نتیجہ میں اقبال کے اقبالی افکار درد ملت کا درماں بن کر ابھرے خود جناب اقبال اپنی اقبالیت کی تعمیر میں سید میر حسن رضوی کی شفقت و عنایت کو ایک بہت بڑا حصہ جانتے ہیں اور اپنے کلام میں بارہا ان کو خراجِ عقیدت بھی پیش کی ہے۔

قرے کالج سیالکوٹ سے فارغ ہونے کے بعد آپ لاہور تشریف لائے اور گورمنٹ کالج میں داخلہ لے لیا ۱۸۹۹ء ایم۔ اے فلسفہ سے نمایاں امتیاز کے ساتھ پاس کر کے اورنٹیل کالج میں پروفیسر ہو گئے بعد میں گورمنٹ کالج میں فلسفہ اور انگریزی کے اسسٹنٹ پروفیسر کے عہدے پر فائز ہوئے لیکن علم کی تشنگی نے آپ کو بے چین کر رکھا تھا آخر کار دشتِ وحشت نے عقدۂ تقدیر کھول دیا اور آپ ۱۹۰۵ء میں عازم انگلستان ہو گئے وہاں آپ نے ''کیمبرج یونیورسٹی سے فلسفۂ اخلاق کی ڈگری حاصل کی'' ''میونخ یونیورسٹی'' جرمنی سے ''پی۔ ایچ۔ ڈی'' کی ڈگری ملی اس میں آپ کے مقالے کا عنوان ''ایران میں مابعد الطبیعہ کا ارتقاء'' تھا۔

''ایران میں فلسفہ مابعد الطبیعات'' پر مقالہ لکھنے کے سلسلے سے آپ کو قرآن کریم اور کتب احادیث اور تصوف کے موضوع پر مختلف تصانیف کا دقیق النظری سے مطالعہ کرنا پڑا جو آپ کے ذہن کو مشرقی خطوط پر استوار کرنے کا سبب بنا۔ ۲۲ جولائی ۱۹۰۸ء میں انگلستان سے دہلی ہوتے ہوئے لاہور پہونچے اور دوبارہ گورمنٹ کالج میں فلسفہ کے پروفیسر کی شکل میں عہدہ سنبھالا۔

اقبال نے ۱۹۲۶ء سے سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا ۱۹۳۰ میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ جلسے کی صدارت کے فرائض انجام دیئے اس کے بعد پنجاب کی صوبائی مسلم لیک کے صدر منتخب ہوئے... آپ کے آثار میں اردو اور فارسی کے کثیر منظومات کے ساتھ ساتھ دیگر معیاری کتابیں اور خطبات کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے جو اپنے آپ میں مشعل راہ کا درجہ رکھتیں ہیں الغرض تفکر و تدبر کا یہ سورج ہندوستان کی آزادی سے چند سال قبل ایس اپریل بروز جمعرات ۱۹۸۳ء مطابق ۱۹ صفر ہمیشہ کے لئے غروب کر گیا لیکن اس کی کرنیں آج بھی صحنہ اذہان پر نور افشانی

کرتی نظر آرہی ہے۔

نگاہِ اقبال میں مسلمانوں کی مشکلات اوران کا حل

مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کر　　فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر

ضرب کلیم ۵۲۱

ہندوستان میں مسلمانوں کی عظمت کا سورج خط زوال کے نزدیک ہورہا تھا، اسکی روشنی اور تابنا کی روز بروز مدہم سی ہوتی جارہی تھی تاریخ اپنے اوراق پلٹ رہی تھی حکومت کرنے والی قوم ریاست وسلطنت سے دور ہوتی جارہی تھی بات یہیں تک محدود نہ رہی بلکہ تمدن ساز فرزندانِ توحید اپنی تعلیم وتہذیب بھول رہے تھے مکتب آزادی و حریت کے رہنما غلامی کے دروازے پر کھڑے نظر آرہے تھے۔ چنانچہ علامہ اقبال اس وقت کی موجودہ صورت حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

شیرازہ ہوا ملت مرحوم کا ابتر　　اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے
ہر چند ہے بے قافلہ و راحلہ و زاد　　اس کوہ وبیاباں سے ہدی خوان کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کرائے روح محمدؐ　　آیات الٰہی کا نگہبان کدھر جائے

ضرب کلیم ۵۶۱

دوسری جانب مغربی طاقتیں دنیائے انسانیت پر حکومت کے نسخے تیار کررہی تھیں، سرمایہ گزاری کی جا رہی تھی نتیجہ میں ساری دنیا میں انقلابی کیفیت پیدا ہورہی تھی ہر سماج پر مغربی تہذیب وتمدن کا غلبہ ہورہا تھا، لوگ مغربی رنگ وروپ میں رنگتے جارہے تھے انکی تعلیم وتہذیب، انکی زبان ان کے رہن سہن، انکے طور طریقے، ان کے لباس، ان کی غذا اپنا رہے تھے یہاں تک کہ شعور وفکر کی بھیک بھی انہیں سے لی جانے لگی، رفتہ رفتہ برسہا برس پرانی تہذیبیں اپنی پہچان کھونے لگیں۔

روشِ مغربی ہے مدِ نظر　　وضعِ مشرق کو جانتا ہے گناہ

بانگ درا ۳۱۵

لیکن اس نئی تہذیب میں کتنا دم خم ہے اس پر کسی نے توجہ نہ کی۔ اس کے سایہ میں انسان کے نہفتہ کمال کس درجہ رشد ونمو کرسکتے ہیں، انسانیت کس درجہ اس کے سایہ میں بن سنور سکتی ہے، حقوق ومساوات کی کہاں تک

رعایت ہوسکتی ہے، عدل وانصاف کا قیام کس درجہ امکان پذیر ہوسکتا ہے، غریب ومسکین کی کس درجہ کمک رسائی ہو سکتی ہے، روح انسانی کس درجہ پروان چڑھ سکتی ہے؟ وغیرہ وغیرہ ہزاروں سوالات فکر کے شہر خموشاں میں مدفون تھے، فکریں مفلوج ہوچکی تھیں، شعور اپنی پرواز کھو چکے تھے، احساسات مردہ ہورہے تھے، بنامِ آزادی غلامی کی زنجیر پیروں میں ڈالی جارہی تھی، پھر بھی ہم کمالِ بے حسی کے ساتھ اپنے مستقبل کی تباہی کا نظارہ ہی کرتے نظر آئے۔

مجھے تہذیب حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی　　کہ ظاہر میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری

بال جبرئیل ۳۷۱

قوم کی کشتی اغیار کے گرداب میں گھر چکی تھی، چراغ بن کر روشنی دینے والی قوم اندھیرے میں بھٹک رہی تھی، کوئی چراغ راہ نہ تھا، کوئی خضرِ راہ نہ تھا، ملت کی اس زبوں حالی میں سارا قصور غیروں کا نہ تھا بلکہ کافی کچھ خطائیں ہماری بھی تھیں ہم اپنی تباہی میں برابر کے شریک رہے اگر خرمنِ وجود کو کسی نے آگ لگائی ہے تو ہم نے اس کے لئے ایندھن فراہم کیا ہے لہذا اگر فکر کی عدالت میں یہ مقدمہ پیش کیا جائے تو شاید ہم بھی بری الذمہ نہ رہ سکیں اس تباہی میں ہماری شرکت کبھی دانستہ طور پر اور کبھی غیر دانستہ انداز میں رہی ہے دانستہ طور پر مغربی تہذیب کے ساتھ شانہ بہ شانہ چلنے والے عاقبت اندیش نہ تھے بلکہ ظاہر نگر تھے جو اس کی ظاہری چمک دمک میں کھو چکے تھے ان کے نزدیک مغربی تعلیم وتہذیب ہی انسان کی ترقی کا پیش خیمہ تھی لھذا اس کے آنچل میں اپنی پناہگاہ ڈھونڈ رہے تھے خود کو متمدن تر بنانے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت کررہے تھے۔

اس کی خودی ہے ابھی شام وسحر میں اسیر　　گردشِ دوراں کا ہے جسکی زباں پر کلمہ

بال جبرئیل ۳۹۸

یہاں تک کی مسلم گھرانوں میں بھی مغربی تہذیب اپنا پاؤں جما چکی تھی خصوصاً یورپ میں تعلیم یافتہ مسلم جوان اپنے تعلیمی سفر کے اختتام پر وطن تو آتے پر اپنے ہمراہ مغربی تہذیب وثقافت کا تحفہ لاتے، اپنے گھرانے کو مغربی تہذیب کا سفارتخانہ بنا کر پیش کرتے، رفتہ رفتہ یہ فکر عوام الناس کی دہلیز تک پہنچی، وطن میں پلنے بڑھنے، وطن میں تعلیم حاصل کرنے والے بھی اس طلسمی جال میں گھرنے لگے کیونکہ سب کی نگاہ اس کے ظاہری وجود پر تھی اس کی ظاہری چمک دمک پر تھیں پر اس کی حقیقت کوئی اقبال سے پوچھے۔

یہی زمانہ حاضر کی کائنات ہے کیا　　دماغ روشن و دل تیرہ ونگہ بے باک

بال جبرئیل ۳۹۴

عاقبت اندیشی مستقبل نگری ان کی فکروں سے کوسوں دور تھی لیکن جس کی فکر ونظر اسلامی تعلیمات سے سرشار و پائدار تھی، جس نے تیز بینی اور دقت نظری قرآن وسنت کی روشنی میں حاصل کی تھی وہ مغربی تہذیب وثقافت کی حقیقت سے بخوبی آشنا تھا۔

عذابِ دانشِ حاضر سے باخبر ہوں میں　　کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیل

بالِ جبرئیل ۳۹۱

جو مغرب کے دامن میں رہ کر بھی اپنی تہذیب کو سینے سے لگائے رہا۔

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی　　نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آداب سحر خیزی

بال جبرئیل ۳۷۳

اقبال کی دقت نظری، قیام سحری کا یہ عالم تھا کہ مغربی تہذیب کی آغوش میں رہ کر بھی ذرہ برابر بھی اس تہذیب سے متاثر نہ ہوئے، کس طرح مغربی تہذیب وعلوم اسے خیرہ بناتے جبکہ نگاہ ونظر، دل وضمیر، وجود وخودی، الٰہی علوم کے سرچشمہ سے سیراب تھی اسکی بے نیازی زمانے سے چیخ چیخ کر کہ رہی تھی۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ　　سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ ونجف

بال جبرئیل ۳۳۷

یہ آواز اس ماحول میں امت کی بیداری کا نوید بن کر ابھری جب فکروں پر جمود کا پہرا تھا، شعور پر ظاہر نگری کی گرد جمی تھی، لوگ مغربی تہذیب کے خیر مقدم میں اپنی عقیدت کا اظہار کر رہے تھے اسلامی تعلیمات سے سیراب، مغربی تہذیب کو نزدیک سے دیکھنے والے نے عالم اسلام خصوصاً ہندوستان میں امت مسلمہ کی بیداری کا ایک نسخہ تدوین کرتے ہوے اشعار کے راستے انسانی اور اسلامی معاشرہ میں پیغام رسانی کی، خوابیدہ شعور کی بیداری کا بیڑا اٹھایا، عاقبت اندیشی کے مسئلہ پر سوچ ووچار کی دعوت دی۔

ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے　　خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے
عبث ہے شکوۂ تقدیر یزداں　　تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے

ارمغان حجاز ۷۳۴

قوم میں بیداری واتحاد کی یہ تحریک ظاہر میں ایک آواز تھی پر حقیقت میں امت اسلام کی عین ضرورت تھی ، ہندوستان سے اٹھنے والی یہ آواز رفتہ رفتہ عالم اسلام کے کونے کونے میں سنائی دینے لگی، لوگوں کے شعور آہستہ آہستہ بیدار ہونے لگے عالم اسلام میں جنبش فکری کی ایک لہر دوڑی دوسری سرزمین کے اہل شعور بھی اس آواز کے ہم نوا ہوئے۔

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں　　یہاں اب میرے راز داں اور بھی ہیں

بال جبرئیل ۳۹۰

لوگ اپنے عروج اور زوال کے اسباب ماضی وحال کے آئینہ میں تلاشنے لگے اگر چہ اس آواز کا آہنگ کوئی نیا نہ تھا یہ آواز کوئی نئی نہ تھی بلکہ قرآن وسنت کی تعلیمات سے اقتباس، درس زندگی تھا جو اقبال کی زبان سے بصورت اشعار جاری ہو رہا تھا لیکن افسوس ان فکر آموز اشعار، عاقبت اندیش خیال، حوصلہ بخش نظموں، تحریک آمیز ابیات، نکتہ سنج تقریروں، انقلابی مزاج شاعری، پر تلاش حکمت کو وہ درجہ نہ مل سکا جو اس کا حقیقی وواقعی درجہ تھا اقبال نے جن فکری، شعوری یا والہی بنیادوں پر لوگوں کو بیدار کیا ان میں حسب ذیل بعض نکتوں کی جانب اشارہ کیا جا رہا ہے۔

خودی کی بیداری:

انسانی زندگی اور اس کی کامیابی وکامرانی میں خودی کا ایک اہم کردار رہا ہے انسان کی پہچان، انسان کا مقام ومنزلت، انسان کا درجہ کمال، انسان کا عروج وزوال سب کچھ اسی خودی کی شناخت اور اس سے وابستگی پر منحصر ہے چنانچہ ظہور اسلام سے لیکر دور حاضر تک جب بھی مسلم سماج میں خودی جلوہ افروز ہوئی انسان کی انسانیت آسمان عظمت کا ستارہ بن کر چمکی اور اپنے افکار وکردار کا کلمہ پڑھواتی رہی، یہی راز ہے کہ اقبال کی شاعری میں خودی کو ایک خاص درجہ حاصل رہا، اقبال خودی کو انسان کی لازوال کامرانی کا مقدمہ سمجھتے ہیں لیکن افسوس زمانے کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ مسلم سماج میں بھی زبردست بدلاؤ آیا نتیجہ میں خودی پرور مسلمان خودی فروش، خودی فراموش نظر آنے لگا اقبال کی نگاہ میں دور حاضر میں مسلمانوں کے زوال کا ایک اہم سبب ''خودی'' کی فراموشی رہی ہے لھذا عظمت رفتہ کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے انسان اپنی خودی کی شناخت کرے اور اس سے وابستگی کا حق ادا کرے۔

فطرت کو خرد کے روبرو کر　　تسخیرِ مقامِ رنگ و بو کر
تو اپنی خودی کو کھو چکا ہے　　کھوئی ہوئی شئے کی جستجو کر

بال جبرئیل ۳۸۷

یا کبھی یوں کہتے نظر آئے۔

یہ بندگی خدائی، وہ بندگی گدائی　　یا بندہ خدا بن یا بندۂ زمانہ
غافل نہ ہو خودی سے کر اپنی پاسبانی　　شاید کسی حرم کا تو بھی ہے آستانہ

بال جبرئیل ۳۸۴

درحقیقت خودی وہ جوہر ہے جو انسان کو گردش دوران سے بے نیاز رکھتی ہے۔

اس کی خودی ہے ابھی شام وسحر میں اسیر　　گردشِ دوراں کا ہے جس کی زباں پر کلام

بال لجبرئیل ۳۹۸

خودی علم وعشق کے دامن میں پروان چڑھتی ہے۔

خودی ہو علم سے محکم تو غیرتِ جبرئیل　　اگر ہو عشق سے محکم تو صورِ اسرافیل

بال جبرئیل ۳۹۱

خودی انسان کی وہ دولت ہے جو غریبی میں امیری کا مزہ دیتی ہے۔

مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے　　خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

بال جبرئیل ۴۰۸

خودی کا دائرۂ اختیار۔

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی　　خودی کی خلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان وکرسی و عرش　　خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

بال جبرئیل ۴۰۸

خودی زندہ دلی، کشادہ افکار کا خداداد شاہکار ہے۔

جرأت ہے تو افکار کی دنیا سے گزر جا　　ہیں بحر خودی میں ابھی پوشیدہ جزیرے
کھلتے نہیں اس قلزم خاموش کے اسرار　　جب تک تو اسے ضرب کلیمی سے نہ چھیڑے

بال جبرئیل ۴۹۷

خودی اقبال کی نگاہ میں حیات جاویدانی کا دوسرا نام ہے۔

زندگی گر ہے صدف قطرۂ نیساں ہے خودی　　وہ صدف کیا کہ جو قطرے کو گہر کر نہ سکے

ہو اگر خود نگر و خود گر و خود گیر خودی　　یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے

ضرب کلیم ۵۴۳

خودی کی ابتدا ہر انتہا سے آگے ہے۔

خردمندوں سے کیا پوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے　　کہ میں اس فکر میں رہتا ہوں میری انتہا کیا ہے

بال جبرئیل ۳۸۴

خودی کی انتہائے بلندی۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے　　خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

بال جبرئیل ۳۸۴

۲۔ مغربی تہذیب کی یلغار:

مشرقی تہذیبیں خصوصا مسلم سماج کی زبوں حالی میں مغربی تہذیب کی یلغار کا اہم کردار رہا ہے بنام آزادی وترقی روز بروز اس تہذیب کی مشرقی دنیا میں گرفت مضبوط ہوتی چلی گئی لوگ خواستہ یا نخواستہ اس کے طلسمی جال میں پھنستے چلے گئے جسے اقبال اس انداز میں بیان کرتے ہیں۔

مجھے تہذیب حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی　　کہ ظاہر میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری

تو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر　　مری دانش ہے افرنگی مرا ایماں ہے زناری

بال جبرئیل ۳۷۲

اسلامی تہذیب کیوں نہ مجروح ومخدوش نظر آتی جب ہر ایک مغربی تہذیب کا خیر خواہ ہو چکا تھا اور اس کے مداحوں میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔

روشِ مغربی ہے مد نظر　　وضعِ مشرق کو جانتا ہے گناہ

بانگ درا ۳۱۵

پر کسے معلوم تھا یہ نئی تہذیب آنے والے زمانے میں قوم کی گمنامی وتباہی کا پیش خیمہ بن جائیگی لیکن اس حقیقت شعار، زمانہ شناس، مجاہد علم وعمل کی دور اندیش نگاہ نئی تہذیب کے دامن میں اسلامی تہذیب کی پامالی دیکھ رہی تھی لہٰذا عالم اسلام کو چیخ چیخ کر فکر وتدبر کی دعوت دے رہی تھی۔

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر　　نیا زمانہ نئی صبح و شام پیدا کر

خدا اگر دلِ فطرت شناس دے تجھ کو　　سکوتِ لالہ و گل میں کلام پیدا کر
اٹھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احساں　　سفالِ ہند سے مینا و جام پیدا کر
بال جبرئیل ۴۷۷

اقبال تہذیب مغرب کی حقیقت یوں بیان کرتے نظر آتے ہیں۔

فساد قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب　　کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید　　ضمیر پاک و خیال بلند و ذوق لطیف
ضرب کلیم ۵۸۵

اگرچہ مغربی تہذیب میں ظاہری چمک دمک پائی جاتی ہے لیکن درحقیقت وہ انسان کے لئے فریب اور دھوکا ہے یہ وہ بیماری ہے جو بنام آزادی وترقی انسانی معاشرہ کو اندر سے کھوکھلا بنا رہی ہے روز بروز لوگ انسانی اقدار کھوتے جارہے ہیں بے وفائی، بے حیائی، بے غیرتی، بے اعتباری، ناحق شعاری، بدکلامی، بے احترامی خیانت و دھوکا دھڑی جیسے ہزاروں اخلاقی امراض روز بروز مشرقی سماج میں جنم لینے لگے اور انسانی سماج کو کھوکھلا بنانے لگے اور شعور انسانی پر غفلت کی گرد جمتی رہی لوگ مغربی تہذیب کی پیروی اپنی خوش نصیبی جانتے مگر اقبال کی زندہ ضمیری خاموش نہ بیٹھی اور چیخ چیخ کر مشرقی سماج خصوصاً مسلم اذھان کو جگاتی رہی۔

حرارت ہے بلا کی بادۂ تہذیبِ حاضر میں　　بھڑک اٹھا بھبوکا بن کے مسلم کا تن خاکی
نئے انداز پائے نوجوانوں کی طبیعت نے　　یہ رعنائی، یہ بیداری، یہ آزادی، یہ بے باکی
تغیر آگیا ایسا تدبّر میں تخیل میں　　ہنسی سمجھی گئی گلشن میں غنچوں کی جگر چاکی
حیات تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا　　رقابت، خود فروشی، ناشکیبائی، ہوسناکی
بانگ درا ۲۵۳

۳۔ مسلمانوں کی تعلیم سے محرومی:

مسلمانوں کی پس ماندگی کا ایک اہم سبب تعلیم سے دوری ومحرومی ہے خصوصاً عصر حاضر کی تعلیم سے محرومی اس کی پس ماندگی کا مقدمہ بن کر سامنے آئی لہذا مسلم سماج کی ترقی کے لئے عصر حاضر کی تعلیم سے مسلمان کا آراستہ ہونا نہایت ضروری ہے آج قوموں کی حیات تعلیم پر منحصر ہے اس سے دوری قوم کی موت کے مترادف ہے۔

اس دور میں تعلیم ہے امراض ملت کی دوا　　ہے خونِ فاسد کے لئے تعلیم مثل نیشتر

بانگ درا ۲۷۲

وقت کی آواز اقبال کی زبان پر ان الفاظ میں نظر آئی۔

جب پیرِ فلک نے ورق ایام کا الٹا　　آئی یہ صدا پاؤ گے تعلیم سے اعزاز

بانگ درا ۱۷۴

٤۔مغربی تعلیم کے اثرات:

مسلمانوں کی اخلاقی وسماجی پستی کا ایک سبب تعلیم حاضر کا اپنا نیا انداز رہا ہے اگر چہ انسانی ترقی کے لئے علم وتعلیم کی اشد ضرورت ہے اسلامی معارف میں اس کے حصول پر کافی زور دیا گیا ہے جہاں موجودہ ترقی یافتہ زمانے میں تعلیم کو انسان کے حق سے تعبیر کیا گیا ہے وہیں آج سے چودہ سو سال قبل اسلام نے اسے انسان کے لئے فریضہ کا درجہ دیا ہے جس سے اس بات کا انکشاف ہو جاتا ہے کہ تعلیم وتربیت پر اسلام کا زور اس وقت سے رہا ہے جب لوگوں میں اس حقیقت کو درک کرنے کا شعور نہ تھا۔ تعلیم جہاں سے ملے حاصل کرلو گویا یہ انسان کا کھویا ہوا سرمایہ ہے۔

لیکن افسوس مغرب سے ظہور کرنے والا تعلیمی نظام اپنے ہمراہ مشرقی سماج خصوصا مسلم سماج کے لئے کچھ مسری امراض جیسے خود غرضی، بے حجابی، لڑکے اور لڑکیوں کی آمیزش، استاد وشاگرد کے درمیان الفت اور جذباتی لگاؤ کے فقدان کا سلسلہ بھی لایا نتیجہ میں سماج میں تعلیم کے ساتھ ساتھ بداخلاقیوں کو بھی فروغ ملا سطحی معلومات تو ہوئی پر دل مردہ ہو گئے۔

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر　　لبِ خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائیگی فراغت تعلیم　　کیا خبر تھی کہ چلا آئیگا الحاد بھی ساتھ

بانگ درا ۲۳۸

موجودہ نصاب تعلیم سے قوم کے جوان تعلیم یافتہ اور دانشمند تو ہوئے پر دامن دین ہاتھ سے جاتا رہا، عقائد متزلزل ہوتے گئے کفر والحاد کی راہ ہموار ہو گئی۔

محسوس پر بنا ہے علومِ جدید کی　　اس دور میں ہے شیشہ عقائد کا پاش پاش

مذہب ہے جس کا نام وہ ہے اک جنون خام ہے جس سے آدمی کے تخیل کو ارتعاش

بانگ درا ء۱۷۶

یقیناً تعلیم ہر دور میں ہر سماج کی عین ضرورت رہی ہے قوم کے عروج وزوال کا دارومدار اسی تعلیم پر رہا ہے قوم کی بقا اسی تعلیم کی مرہون منت رہی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ اس کے انداز وطریقے بھی اپنائے جائیں کیونکہ جہاں اس تعلیم سے انسانی معاشرہ ترقی پذیر ہوتا ہے وہیں غیر اخلاقی طرز و انداز سے انسانی اقدار سے دور بھی ہوتا جاتا ہے لہذا تمام مغربی اصول کو چشم بستہ قبول نہ کریں ورنہ ہماری آج کی کوتاہی آنے والی نسل کے لئے عذاب بن کر ابھرے گی۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر خاص ہے ترکیب سے قومِ رسولؐ ہاشمی

ان کی جمعیت کا ہے ملک ونسب پر انحصار قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

بانگ درا ء۲۷۷

لہذا قوم کے ہر جوان پر ضروری ہے تعلیم کو اپنا سرمایہ حیات جانتے ہوئے اس کی راہ میں قدم بڑھائے لیکن اس کے ہمراہ برائیوں سے اپنے کو پاک رکھے کیونکہ اس کی حیات کا مقصد، ہدف نہائی مادی ترقی ہی نہیں بلکہ روح وانسانیت ودین کا ارتقا بھی ہے۔

۵۔ مسلمانوں کی دین سے بے رغبتی:

مسلم سماج کی بربادی کا ایک اہم سبب مسلمانوں کی دین سے بے رغبتی رہی ہے ظاہر میں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ پر اضافہ ہوا پر اسلامی رنگ وبو رفتہ رفتہ ہم سے دور ہوتی چلی گئی، اقبال مسلم سماج کی زبوں حالی کا مرقع یوں کھینچتے نظر آتے ہیں۔

کچھ کیفیتِ مسلمِ ہندی تو بیاں کر وا ماندہ منزل ہے کہ مصروفِ تگ وتاز

مذہب کی حرارت بھی ہے کچھ اس کی رگوں میں تھی جس کی فلک سوز کبھی گرمیِ آواز

آیا ہے مگر اس کے عقیدوں میں تزلزل دنیا تو ملی طائرِ دیں کر گیا پرواز

پانی نہ ملا زمزمِ ملت سے جو اس کو پیدا ہیں نئی پود میں الحاد کے انداز

یہ ذکر حضورِ شہ یثرب میں نہ کرنا　　سمجھیں نہ کہیں ہند کے مسلم مجھے غماز

بانگ درا ۱۷۴

علی الظاہر مسلمانوں کی تعداد میں خاصہ اضافہ ہوا، دینی مراسم آج بھی قائم ہیں پر افسوس کہ مسلم واقعی سے تختۂ زمین خالی ہوتا چلا گیا کیونکہ مسلمانوں میں اب وہ ایمان، وہ یقین، وہ عزم وہ حوصلہ، وہ درک و درد، وہ سادگی وہ آگہی، نہ رہی وہ توحید پرست تو کہلایا پر توحید کی رمق اس میں نہ رہی۔

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے　　وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے

نماز و روزہ و قربانی و حج　　یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

بال جبرئیل ۴۱۴

اگر لا الٰہ زبان کی زینت ہے تو دل کا اطمینان بھی ہے اصرف زبانی کلمہ گوئی سے کیا حاصل اگر دل ناشناس رہے۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل　　دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ضرب کلیم ۵۴۷

اپنی بربادی میں مسلمان خود قصوروار ہے اس نے خود اپنے اصول و تہذیب سے ناتا توڑا ہے خود اپنی بربادی کا مقدمہ فراہم کیا ہے ورنہ آج بھی مسلم آسمان عظمت کا ستارہ بن کر چمکتا رہتا، ستم یہ نہیں ہے کہ خطا پذیر ہوا ستم تو یہ ہے ابھی بھی غفلت کے نشے میں مدہوش ہے اقبال مسلمانوں کی موجودہ صورت حال کو یوں ترسیم کرتے ہیں۔

مسجد تو بنا لی پل بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے　　من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

کیا خوب امیرِ فیصل کو سنوسی نے پیغام دیا　　تو نام و نسب کا حجازی ہے پر دل کا حجازی بن نہ سکا

تر آنکھیں تو ہو جاتی ہیں پر کیا لذت اس رونے میں　　جب خونِ جگر کی آمیزش سے اشک پیازی بن نہ سکا

اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے　　گفتار کا یہ غازی تو بنا کردار کا غازی بن نہ سکا

بانگ درا

مسلمانوں کو اصول حق سے ہٹنے کے نتیجے میں مختلف رنگ و روپ میں ڈھلنا پڑا پھر بھی ان کی ذات فطرت کو اطمینان نہ ملا۔

کبھی حیرت کبھی مستی کبھی آہِ سحر گاہی　　بدلتا ہے ہزاروں رنگ میرا دردِ مہجوری

بال جبرئیل ۳۸۸

مسلمانوں کی زبوں حالی کی انتہا یہیں پر ختم نہ ہوئی بلکہ مہر و وقار کا مرکز بن کر جینے والی قوم کو غدار و خائن جیسے القاب سے نوازا جانے لگا نتیجے میں غیر تو غیر اپنے بھی حملہ ور ہو گئے

غدارِ وطن اس کو بتاتے ہیں برہمن　　انگریز مسلماں کو سمجھتا ہے گداگر

پنجاب کے اربابِ نبوت کی شریعت　　کہتی ہے کہ یہ مومن پارینہ ہے کافر

ضرب کلیم ۵۳۹

یہ سب ایک خاص منصوبے کے تحت ہو رہا تھا لیکن بے چارہ مسلمان ناواقف وقت اپنی بربادی کا تماشا دیکھتا رہا۔

کیا گیا ہے غلامی میں مبتلا تجھ کو　　کہ تجھ سے ہو نہ سکی فقر کی نگہ بانی

مثالِ ماہ چمکتا تھا جس کا ماہِ سجود　　خرید لی ہے فرنگی نے وہ مسلمانی

ہوا حریف مہ و آفتاب تو جس سے　　رہی نہ تیرے ستاروں میں وہ درخشانی

ضرب کلیم ۵۴۴

لہذا مسلم سماج کا عروج و دبدبہ دین اسلام سے حقیقی وابستگی میں ہی میسر ہے جس طرح سورج اپنی کرنوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتا اسی طرح مسلمان کی دین سے بے زاری تشویش ناک ہے۔

یہ نکتہ میں نے سیکھا ابوالحسن سے　　کہ جان مرتی نہیں مرگِ بدن سے

چمک سورج میں کیا باقی رہے گی　　اگر بے زار ہو اپنی کرن سے

بال جبرئیل ۴۱۲

٦۔قرآن اور شریعت الٰھی سے دوری:

جب تک مسلمان قرآن اور احکام الٰہی سے مکمل وابستہ رہا دنیا کی ہر کامیابی و کامرانی اس کے وجود کا طواف کرتی نظر آئی تخت و تاج اس کی ٹھوکر میں تھے، لیکن جیسے ہی مسلمانوں نے قرآن و احکام سے ناتا توڑا مغربی تہذیب کا نشانہ بن گئی اور وہ تن بہ تقدیر ہو کر بیٹھ گیا ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ قرآن و احکام الٰہی سے اپنی مخلصانہ وابستگی کا اظہار کرے تا کہ اس کی عظمت رفتہ اسے دوبارہ حاصل ہو سکے اقبال اس ضرورت پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

پابندی تقدیر کہ پابندیِ احکام — یہ سلسلہ مشکل نہیں اے مردِ خردمند
اک آن میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر — ہے اس کا مقلّد ابھی ناخوش، ابھی خورسند
تقدیر کے پابند نباتات و جمادات — مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند

ضرب کلیم ۵۷۸

اگر ہم نے قرآن کو وہ درجہ دیا ہوتا جو اسکا حقیقی درجہ تھا، قرآن کو اپنی زندگی میں مشعل راہ قرار دیتے تو آج ہم تباہی کی اس لکیر پر نہ ہوتے اگر ہم قرآن کے حقائق کو سمجھتے اور اس کو اپنے ہاتھوں کا کھلونا بنانے کی کوشش نہ کرتے تو آج ہمارے درمیان اختلاف اور تفرقہ نہ ہوتا لیکن افسوس ہم نے حرمت قرآن کو بھی پائمال کر ڈالا۔

ہے کس کی یہ جرأت کہ مسلمان کو ٹوکے — حریتِ افکار کی نعمت ہے خدا داد
چاہے تو کرے کعبہ کو آتش کدۂ پارس — چاہے تو کرے اس میں فرہنگی صنم آباد
قرآن کو بازیچۂ تاویل بنا دے — چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد
ہے مملکتِ ہند میں اک طرفہ تماشا — اسلام ہے محبوس، مسلمان ہے آزاد

ضرب کلیم ۵۷۵

۷۔ اھل بیتؑ سے دوری:

اہل بیتؑ کی سیرت و زندگی انسانی ترقی کے لئے بہترین نمونہ عمل ہے اسی لئے اسلامی معارف میں اہل بیتؑ سے وابستگی کی بے حد تاکید کی گئی ہے لیکن وقت کے بدلاؤ کے ساتھ سب کچھ بدلتا چلا گیا مختلف اغراض و

مقاصد کے تحت لوگ اہل بیتؑ سے دور ہوتے چلے گئے جس کے نتیجے میں مسلمان اپنی عظمت و وقار کھو بیٹھا، اقبال کے نزدیک عظمت رفتہ کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے اہل بیتؑ سے تمسک بے حد ضروری ہے اسی لئے اپنے فرزند جاوید اقبال کے نام تحریر وصیت نامہ میں اہل بیتؑ سے وابستگی پر تاکید فرماتے ہیں۔

''اقبال نے انتقال سے قبل ۱۹۳۸ میں ایک وصیت نامہ مرتب کیا تھا، ماہر اقبالیات پروفیسر جیم بخش شاہین مرحوم'' اوراق گمشدہ صفحہ ۴۶۸ کے مطابق اقبال نے اس کے آخری جملے میں اپنے بیٹے جاوید اقبال پر زور دیا تھا کہ؛

''انہیں آل رسولؐ اور ائمہ اہل بیتؑ سے تمسک رکھنا چاہئے''

اقبال کی نگاہ میں اہل بیتؑ حلال مشکلات ہیں یہ چیز اقبال کے آثار اور انکی زندگی میں بخوبی دیکھی جاسکتی ہے جب بھی ان پر کوئی مصیبت آن پڑتی اہل بیتؑ سے تمسک کے ذریعہ اس کا حل تلاشتے چنانچے ۱۹۰۳ میں جب ان کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد (متوفی ۱۹۴۰) جو اقبال کے کفیل تھے کسی فوجداری مقدمہ میں ملوث ہو گئے تو اقبال نے اہل بیتؑ سے تمسک کرتے ہوئے ایک نظم بہ عنوان ''برگ گل'' لکھی جو بعد میں مخزن بابت ستمبر ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی۔

واسطہ دوں گا اگر لختِ دلِ زہرا کا — غم میں کیوں کر چھوڑ دینگے شافعِ محشر مجھے
رونے والا ہوں شہیدِ کربلا کے غم میں میں — کیا درِ مقصد نہ دینگے ساقیِ کوثر مجھے

۸۔ خدا پر توکل اور ایمان کامل کا فقدان :

مسلمانوں نے اپنی تباہی و بربادی کا سامان خود فراہم کیا خدائے یکتا پر بھروسہ و توکل کرنے کے بجائے غیر خدا سے اپنی امیدیں وابستہ کیں اس حقیقت کی عکاسی اقبال اس طرح کرتے نظر آتے ہیں:

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی — مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

بال جبرئیل ۳۷۹

جب کہ ایک حقیقی مسلمان کی صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ بجز خدائے واقعی کسی اور سے اپنے وجود اور امید کو وابستہ نہیں کرتا یہی اس کی شان ہے یہی اس کی پہچان ہے۔

نظر اللہ پر رکھتا ہے مسلمانِ غیور　　موت کیا شے ہے فقط عالمِ معنی کا سفر
آہ اے مردِ مسلماں ! تجھے کیا یاد نہیں　　حرفِ لا تدع مع اللہ الٰہً آخر

ضرب کلیم ۵۶۹

آج خود مسلمان میں توحید کا وہ جلوہ نظر نہیں آتا جسے فخر شبیری اور شان مسلمانی کا درجہ حاصل تھا افسوس فرزندان توحید پر ہی توحید کے اسرار پوشیدہ ہو گئے کیونکہ اب ان میں ایمان کی وہ حرارت یقین کی وہ حلاوت باقی نہیں جس سے تخیلات کو پرواز دل کو سکون کردار کو درخشانی ملتی تھی۔

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی　　آج کیا ہے فقط اک مسئلہ علمِ کلام
روشن اس ضو سے اگر ظلمتِ کردار نہ ہو　　خود مسلماں سے ہے پوشیدہ مسلماں کا مقام

ضرب کلیم ۵۳۷

۹۔ عشق و یقین کے سرمایہ کا فقدان :

عشق و یقین انسان خصوصاً مسلمان کا دو اہم سرمایہ ہے اسی عشق و یقین سے انسان میں جینے کی تمنا سر اٹھاتی ہے کامرانی کی راہ ہموار ہوتی ہے وجود آمادہ عمل بنتا ہے عزم و حوصلہ بلند ہوتا ہے لیکن جب یہی عشق و یقین انسان کی زندگی سے دور ہو جاتے ہیں تو انسان زندہ رہ کر بھی مردہ نظر آتا ہے ظاہر میں صاحب نفس و حیات رہتا ہے پر حقیقت میں مانند جسم مردہ بے عزم و ارادہ ہوتا ہے۔

یقین افراد کا سرمایہ تعمیرِ ملت ہے　　یہی قوت ہے جو صورت گرِ تقدیرِ ملت ہے

بانگ درا ۳۰۳

جب عشق و یقین دل انسانی کی زینت بنتے ہیں تو وہ انسان خلیل وقت کی طرح آتش نمرود زمانہ میں بھی مطمئن نظر آتا ہے اور صورت ادراک میں عقل و خرد سے آگے ملتا ہے۔

نالہ ہے بلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی　　اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی
پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل　　عشق ہو مصلحتِ اندیش تو ہے خام ابھی

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق　　عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

بانگ درا ۳۱۱

جب عشق اپنے حد کمال کو پہنچتا ہے تو غلامی بھی شاہی کا مزہ دیتی ہے۔

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی　　کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

عشق ہی اسلام اور عشق ہی توحید ہے پس جس کا ظرف دل عشق کی دولت سے محروم رہا وہ کچھ بھی ہو پر مسلمان نہیں ہوسکتا۔

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی　　نہ ہو تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق

بال جبرئیل ۳۷۰

کتاب کمال میں مؤمن واقعی اسی کو کہتے ہیں جس میں عشق و یقین کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر پایا جائے ایسا مؤمن تختہ زمین پر خدا کی نشانی کا درجہ رکھتا ہے

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے　　مؤمن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

ضرب کلیم ۵۵۷

اتحاد

رسول اکرمؐ کے تربیتی نظام کی بنیاد پر

محمد احسانی (محقق جامعۃ المصطفیٰ)

ترجمہ: مرزا عسکری حسین

مقدمہ

دنیا بھر کے مسلمانوں کا اتحاد عالم اسلام کا ایک اہم ترین مسئلہ ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ مختلف افکار و مکاتب کے مسلمان ایک مرکزی مسئلہ پر متحد و متفق ہوں اور اتحاد اور یکسوئی کے ساتھ آگے بڑھیں۔ عصر حاضر کی مشکلات کا ایک سبب یہ ہے کہ مختلف مکاتب فکر اتحاد کے معیارات پر توجہ کئے بغیر اپنی منزل کی طرف آگے بڑھنے کی کوشش میں مشغول ہیں۔ فرقہ وہابیت جو نہ شیعوں کو قبول کرتا ہے اور نہ ہی اس کی نظر میں اہل سنت حضرات کی کوئی اہمیت ہے، آج عالم اسلام میں تمام اختلافات کی جڑ بنا ہوا ہے۔ اور وہ اس بات سے غافل ہے صہیونیت اور امریکہ جیسے اسلام دشمن عناصر ان اختلافات سے فائدہ اٹھا کر، مسلمانوں کو ختم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لہذا تمام مسلمانوں کے لئے یہ ضروری ہے اور خصوصاً علماء اور دینی راہ نماؤں کے لئے کہ وہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد قائم کرنے کی چارہ اندیشی کریں تا کہ تمام مسلمان ایک نقطہ پر متحد ہو کر اسلام کی تعلیمات پر عمل کریں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی وہ واحد ذات ہے جس پر تمام مسلمان متفق ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ تمام مسلمان صرف آپ کے گرویدہ ہی نہیں ہیں بلکہ آپؐ کو اس گلشن اسلام کا باغبان اور

بانی سمجھتے ہوئے آپ کی تعلیمات پر عمل اپنا فرض بھی سمجھتے ہیں۔انسانوں کی تربیت اوران کی ہدایت کے لئے بہترین نمونہ عمل پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت نے مسلمانوں کے درمیان اتحاداور یک جہتی باقی رکھنے میں اہم کردار نبھایا ہے۔کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا مقصد ہی انسانوں کی تعلیم اور تربیت تھااور آپؐ کی تمام کوششوں کا مقصد بھی یہی تھا، چنانچہ اگر آپؐ کی تعلیمات پر نظر ڈالیں، تو دیکھیں گے کہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد کا واحد سبب آپؐ کی سیرت طیبہ ہی ہے۔سردست مقالہ میں ہم اسی موضوع کے پیش نظر، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے تربیتی پہلوؤں کو پیش کریں گے جس میں آپ کے تربیتی اصول اور مبانی، تربیت کا مقصد، تربیت میں آپ کا طریقہ کار، تربیت کے اسباب وعوامل، نیز تربیت کے مراحل جیسے عناوین کی وضاحت کرنا مقصود ہے۔البتہ چونکہ ان تمام عناوین کی وضاحت اس مقالہ کی حدوں سے باہر ہے، لہذا اس مقام پر صرف تربیت میں آپ کے تین بنیادی عناصر کی وضاحت کریں گے؛ آپؐ کے تربیتی نظام کی بنیادیں، تربیت میں آپؐ کا مقصد اور آپؐ کے تربیتی اصول۔

پہلے عنوان سے گفتگو کا مقصد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلیمی اور تربیتی چہرے کو اجاگر کرنا اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد کا محور ومرکز حاصل کرنا ہے۔اور اس سلسلہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تربیتی نظام کیسا تھا اور اس کے عناصر کیا تھے؟ اور آپؐ کی تعلیمات میں مسلمانوں کے اتحاد کے عناصر کیا ہیں؟ جیسے سوالات کا جواب دیا جائے گا۔

اس مقام پر اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اگر چہ سردست موضوع سے متعلق بے شمار منابع و مآخذ اور دستاویز پائے جاتے ہیں اور اس سلسلہ میں مختلف جدید اور قدیم علمی مراکز سے متعدد کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں۔اس کے باوجود اس مقالہ میں بیشتر حوالہ قرآن مجید کی آیتوں اور تفسیروں کا ہی دیا گیا ہے، کیونکہ حقائق کو ثابت کرنے کے لئے قرآن کریم ایک بہترین اور مستحکم ماخذ ہے اور تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق بھی ہے۔علاوہ ازایں قرآن مجید میں ایسی بے شمار آیتیں ہیں جن سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم اور تربیت کے اصول وضوابط، اس کا مقصد اور تربیت میں آپؐ کے طریقہ کار کو دیکھا جاسکتا ہے۔تفسیروں میں بھی زیادہ تر حوالے تفسیر المیزان کے ہیں اور آیات کے ترجمہ کے لئے آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی

صاحب کے ترجمہ کو پیش کیا ہے۔[1]

۱۔ مسئلہ کا بیان

سب سے اہم مسئلہ جو آج ذہنی خلفشار کا سبب بنا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف جہاں ایک طرف مسلمانوں کی پس ماندگی کا باعث ہوا ہے وہیں دوسری جانب اس نے مسلمانوں پر غیر قوموں کے مسلط اور حاوی ہونے کا راستہ بھی ہموار کیا ہے۔ فلسطین، عراق اور افغانستان جیسے اسلامی ملکوں پر قبضہ بھی ان ہی اختلافات کی دین ہے۔ کیونکہ اگر تمام مسلمان آپس میں متحد و متفق ہو کر راہ اسلام میں قدم اٹھائیں اور قرآنی تعلیمات کو نمونۂ عمل بنالیں تو کوئی بھی طاقت انہیں اپنے قابو میں نہیں لے پائے گی۔

سر دست تحقیق میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے ذیل میں ایک ایسا تربیتی نظام مدون کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو تمام مسلمانوں کے درمیان اتحاد کا محور بنے اور آنحضرتؐ کی الٰہی تعلیمات کی طرف دعوت کا سبب بنے۔ کیونکہ آنحضرتؐ کی علمی اور تربیتی شخصیت ایک ایسا آفاقی نمونۂ عمل ہے، جسے کسی زمان یا مکان میں محدود نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح کل آپ کا وجود پر فیض نمونۂ عمل تھا آج بھی اسی آب و تاب کے ساتھ بشریت کے لئے نمونۂ عمل ہے اور آپؐ کے اہل بیتؑ اور اصحاب کی پیروی اور ان کی سیرت کو اپنانا، آج بھی مسلمانوں کے اتحاد، عزت، عظمت اور سرفرازی کا باعث بن سکتا ہے۔

۲۔ تربیت کا معنیٰ

لغت کے اعتبار سے لفظ تربیت، لفظ تعلیم کی طرح مصدر اور تفعیل کا ہم وزن ہے اور اس کا ریشہ "رَبَـبَ" یا پھر "رَبَـوَ" رشد، نمو، کسی چیز کے زیادہ ہونے، اس میں اضافہ ہونے اور یا پھر کسی چیز کی اصلاح ہونے کے معنی میں ہے۔

ابن منظور لسان العرب میں کہتے ہیں: لفظ تربیت ربو سے ہے اور کسی چیز کی زیادتی، اس میں رشد و نمو اور اس کے محفوظ رکھنے کے معنی میں ہے[2]۔ اصطلاح میں تربیت کی کئی تعریفیں بیان کی گئیں ہیں اور اسلامی علماء نے بھی لغت میں متعدد معنی ہونے کے سبب اس کے لئے مختلف تعریفیں بیان کی ہیں۔ شہید مطہری کی نظر میں تربیت یعنی کسی چیز میں پوشیدہ صلاحیتوں کو پروان چڑھانا۔ یعنی پوشیدہ صلاحیتوں اور خوبیوں کو فعلیت دینا اور عالم ظہور میں لانا[3]۔ دوسری تعریفیں بھی اس سے ملتی جلتی ہیں جیسے: تربیت یعنی انسان کے اندر پوشیدہ تمام مادی اور معنوی صلاحیتوں کی پرورش کرنا اور انہیں اس کمال کی جانب لے جانا جسے خداوند متعال نے انسان کے لئے فرض کیا ہے[4]۔

البتہ قرآنی آیات اور بعض اور دیگر صاحبان نظر کے مطابق تربیت؛ کسی شخص کی ترقی وتکامل کے وہ تمام اسباب فراہم کرنے کا نام ہے جس کے بعد وہ اپنے ارادہ واختیار سے، اپنی زندگی کے مادی اور معنوی سفر میں ترقی کے مراحل طے کرے اور خدا کا قرب حاصل کرلے۔ اس تعریف کے پیش نظر باواسطہ یا براہ راست، دونوں ہی طریقوں سے کسی شخص کی تربیت کی جاسکتی ہے البتہ وسائل اور امکانات کے پیش نظر تربیت کے طریقہ میں فرق ممکن ہے۔

حضرت علیؑ، اصحاب رسول اکرم ص کی تعریف میں فرماتے ہیں: "**هم و الله ربو الاسلام كما يربى الفلو**"[۵] خدا کی قسم انہوں نے اسلام کو ویسے ہی پروان چڑھایا ہے جس طرح دودھ چھٹے گھوڑے کے بچہ کو پالتے ہیں۔ چنانچہ اس قول میں تربیت کا لفظ بغیر کسی مادی، معنوی، انسان یا غیر انسان کی قید کے، پرورش کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ البتہ اس فرق کے ساتھ کہ اسلام کے لئے معنوی اور گھوڑے کے بچے کے لئے مادی اور جسمانی تربیت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب وانصار وہ لوگ تھے کہ جنہوں نے اپنی بے نظیر کوششوں اور دشمن کے مقابل میں سینہ سپری کے ذریعہ اسلام کو پروان چڑھایا ہے۔

ہر تربیتی مکتب کے چند اصلی اور کلیدی مفاہیم ہوتے ہیں جن سے آشنائی ضروری ہوا کرتی ہے اور وہ مفاہیم کچھ اس طرح ہیں: مبنی، ہدف (نصب العین)، اصل اور نہج (طریقہ کار)۔ نیز ان مفاہیم کا آپس میں ربط، انہیں کس طرح حاصل کر کے بروے کار لایا جائے؟ چنانچہ ہر تربیتی مکتب میں ان سوالات کا جواب فراہم کرنا ضروری ہوتا ہے۔ لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ان مسائل سے بحث وگفتگو ہو اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پر انہیں منطبق کیا جائے۔

پیغمبر اکرم ص کے تربیتی مبانی

لغت میں "مبنی" کسی چیز کی تعمیر کی جگہ اور کسی عمارت کی اساس اور بنیاد کے معنیٰ میں ہے[۶]۔ البتہ مبنی ایک عام مفہوم ہے اور کبھی مادی اور جسمانی ہوتا ہے اور کبھی ذہنی اور فکری ہوتا ہے۔ مادی اور جسمانی بنیاد جیسے عمارت کے لئے دیوار اور ذہنی اور فکری بنیاد جیسے توحید اور خدا کی وحدانیت کا اقرار، انسان کے عقیدہ کی بنیاد ہے۔ البتہ ان موارد میں مبنی اپنے لغوی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ اور انسان کا فکری مبنی اس کی زندگی کے وہ کلی اصول جو اس کی زندگی میں تمام افکار ونظریات کی اصل ہیں اور دنیاوی اور مادی مسائل سے کہیں زیادہ اہم بھی ہوتے ہیں اور زندگی کے مختلف مسائل میں اساس اور بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ان ہی کلی اصول کو تعلیم وتربیت میں بھی "مبنی" کہا جاتا ہے۔ اور یہ ہر انسان کے ذہن میں موجود، تعلیم و

تربیت کے کلی اصول میں اس کا مبنی ہوتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ تعلیم وتربیت کا مبنی وہ عام اور کلی مفہوم ہے جو زندگی کے مختلف حقائق سے حاصل کیا جاتا ہے۔ البتہ انسان کے فکری مبانی میں اختلاف کے سبب، تعلیم وتربیت کے مبانی میں بھی مختلف ہوتے ہیں۔ لہذا تعلیم وتربیت میں انسان شناسی، فلسفہ شناسی، نفسیات، عمرانیات وغیرہ جیسے مختلف مبانی سے متعلق گفتگو کی جاسکتی ہے، اور ہر ایک کا اپنا مستقل تحقیقی میدان ہے۔ البتہ اختصار کے پیش نظر اس مقام پر صرف تعلیم وتربیت کے ان مبانی کو بیان کریں گے جو دین سے وابستہ ہیں، خاص طور سے ان قرآنی مبانی کو بیان کریں جن کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے حاصل کی جاسکتی ہے، کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام تعلیمات کا محور وحی الٰہی اور قرآنی آیات ہیں جن سے ہم بخوبی فیض اٹھا سکتے ہیں۔

تعلیم وتربیت کے میدان میں آنے والا ہر شخص خواستہ یا ناخواستہ طور پر چند ایسے مسائل سے روبرو ہوتا ہے جن سے گریز ناممکن ہے، اور عمل میں بھی ان مسائل کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے، اور یہی مسائل تربیت کے مبانی کو تشکیل دیتے ہیں۔

۱۔ انسانی فطرت

اسلام میں تعلیم وتربیت کی سب سے پہلی اصل جس کی بے شمار تاکید ہوئی ہے، انسان کی فطرت ہے۔ لفظ فطرت "فطر" سے ہے جس کا معنی کسی چیز کو چاک کرنا اور اس میں شگاف ڈالنا ہے۔ فطرت اللہ یعنی انسان کے اندر قدرتی طور پر اللہ کی شناخت، معرفت اور اس پر ایمان رکھنے کی صلاحیت کا ہونا، جسے اللہ نے اس کی سرشت میں آب وگل کے ساتھ خمیر کیا ہے اور وہ تعلیم کی محتاج نہیں ہے۔[۸]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ فطری طور پر ہر انسان خداشناس ہوتا ہے چنانچہ اگر اس کی فطرت زمانہ کی برائیوں سے آلودہ نہ ہو تو زندگی کی صحیح راہ پر گامزن ہونے اور منزل مقصود تک پہنچنے میں، اسے کسی دوسری چیز کے سہارے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ چنانچہ حضرتؐ فرماتے ہیں:

"کل مولود یولد علی الفطرة و ابواه یهودانه و ینصرانه و یمجسانه"[۹]

ہر پیدا ہونے والا شخص اللہ کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے، یہ والدین ہیں جو اسے یہودی، مسیحی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔

غلط تعلیم اور تربیت انسان کی فطرت کو آلودہ کرنے کے ساتھ، اس کی ترقی کے آگے رکاوٹ اور اس کی

گمراہی کا سبب ہوتی ہے۔لہذا یہاں پر فطرت سے مراد وہ انسانی سرشت ہے جو ہر طرح کی گمراہی اور آلودگی سے پاک ہے اور تمام اچھائیوں کی مخزن ہے۔ کیونکہ ہر موجود کا کمال بھی ان خوبیوں میں ہے جو اس کے صلاحیتوں کے مطابق ہوں لہذا انسان کی سعادت اور اس کا کمال بھی اس دین کو ماننے میں ہے جو اس کی فطرت کے مطابق ہو نیز عقل بھی اس دین کی تائید کرے اور تمام انبیاءؑ نے بھی لوگوں کو اسی فطری دین کی دعوت دی ہے۔[۱۰]

اسلامی تعلیمات انسان کی فطرت سے سازگار اور اس کی تمام فطری اور طبیعی تقاضوں کے مطابق ہے۔ اسلام کا کوئی بھی حکم فطرت کے خلاف نہیں ہے۔طہارت ونجاست سے لے کر حدود و دیات تک تمام اسلامی احکام، انسان کے فطری تقاضوں کے مطابق ہیں اور ذرہ برابر بھی ان میں ٹکراؤ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنے اور حق کو قبول کرنے سے پہلے لوگوں کو اپنی فطرت پر غور کرنے کا حکم دیا ہے تا کہ فطرت پر غور وفکر کے بعد بغیر کسی شک اور شبہہ کے حق کو قبول کریں اور اسلامی تعلیمات پر عمل کریں[۱۱]۔ انبیاءؑ کی بعثت کے فلسفہ کو بیان کرتے ہوئے حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

"فبعث فیهم رسله و واتر الیهم انبیائه لیستأدوهم میثاق فطرته "[۱۲]

خدا نے ان کے درمیان اپنے رسولوں کو بھیجا اور پے در پے رسول آتے رہے تا کہ فطرت کے عہد و پیماں کو انہیں یاد دلائیں۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿فاقم وجهک للدین حنیفاً فطرة الله الّتی فطر النّاس علیها لا تبدیل لخلق الله ، ذالک الدین القیّم" ﴾[۱۳]

"پس اے نبی یکسو ہو کر اپنا رخ دین خدا کی طرف مرکوز رکھیں، اللہ کی اس فطرت کہ جس پر اس نے سب کو پیدا کیا ہے، یعنی اللہ کی تخلیق میں تبدیلی نہیں ہے، یہی محکم دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں"

آیت کی رو سے انسان کے فطری تقاضے اور اسلامی تعلیمات میں کوئی تضاد نہیں ہے اور اسلامی تعلیمات اس کائنات کے نظام سے پوری طرح ہماہنگ ہیں۔یعنی خداوند عالم نے ہر چیز کا ایک خاص کمال معین کیا ہے اور اس تک پہنچنے کا راستہ بھی اسے دکھا دیا ہے؛ ربّنا الذی اعطیٰ کل شیءٍ خلقه ثم هدی ؛[۱۴] ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خلقت بخشی، پھر ہدایت دی۔قرآن مجید کی اصطلاح میں اس طرح کی ہدایت کو" تکوینی ہدایت" کہتے ہیں جو تمام مخلوقات کے لئے ہے اور اس کا مرکز ومحور انسان ہے۔

۲۔ توحید

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم وتربیت کا دوسرا اہم عنصر توحید ہے جو خلقت کی ابتداء سے آج تک تمام انبیائے کرام کی خدمات وتعلیمات کا بھی محور رہی ہے اور ہر دور میں انھوں نے لوگوں کو خدا کی بندگی اور اس کی عبادت کی دعوت دی ہے اور مکمل طور پر اپنی تعلیمات کو توحید ہی کے سانچے میں ڈھالا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿و ما ارسلنا من قبلک من رسول الّا نوحی الیه انّه لا الٰه الّا انا فاعبدون﴾ ۱۵

''ہم نے آپ سے قبل جو بھی رسول بھیجا، اس کی طرف یہی وحی کی ہے، بتحقیق میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم صرف میری عبادت کرو''

آیہ کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آدمؑ سے خاتمؐ تک تمام انبیاءؑ کا تنہا فریضہ توحید اور بندگی خدا کی دعوت دینا تھا اور توحید کے سایہ میں معاشرہ کو پروان چڑھانا تھا۔ دوسری جگہ ارشاد پروردگار ہوتا ہے:

﴿و الٰهکم الٰه واحد لا الٰه الّا هو الرّحمان الرّحیم﴾ ۱۶

اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جو رحمٰن ورحیم ہے۔

توحید اور خدا کی وحدانیت کا نظریہ مکمل طور پر انسان کی فطرت سے سازگار ہے اور خدا نے بھی انسان کو اس دین کی دعوت دی ہے جو پوری طرح سے اس کی فطرت کے مطابق اور اس سے ہماہنگ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں دین حق صرف اسلام تھا اور تمام انبیاء ومرسلینؑ نے لوگوں کو اسی دین کی دعوت دی ہے۔ انّ الدّین عند الله الاسلام ؛ ۱۷ اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ خداوند عالم نے اپنے بندوں کو تنہا جس دین کی پیروی کا حکم دیا ہے، اپنے انبیاءؑ پر جس دین کے بارہ میں کتابیں نازل کی ہیں اور ثبوت کے طور اپنی نشانیاں اور معجزے عطا کئے ہیں وہ اسلام ہی ہے۔ یعنی حق کے آگے سر تسلیم خم کرنا، صحیح عقیدہ کا پابند ہونا اور میدان عمل میں اچھے کردار کا حامل ہونا۔ ۱۸

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ لوگوں کو توحید کی طرف پکارا، شرک وبت پرستی اور تثلیث کے نظریہ سے دور رہ کر خدائے واحد پر ایمان اور اس کی بارگاہ میں تسلیم ہونے کا حکم دیا۔ آپؐ کا سب سے پہلا پیغام تھا "قولوا لا الٰه الّا الله تفلحوا" لوگو: کلمہ توحید کا اقرار کرو اور کامیابی پاؤ۔ یعنی شرک اور بت پرستی کو اپنے

ذہنوں سے باہر نکال کر عقیدۂ توحید سے اپنی فکر کو نورانی بناؤ۔ توحید، اسلام کا اہم ترین شعار اور وحدانیت خدا پر دلیل ہے۔ زبان سے اقرار، اسلام کا پہلا مرحلہ ہے اور قلب و عمل میں اس کے راسخ ہونے کے بعد ہی انسان کا قلبی اور عملی ایمان مکمل ہو جاتا ہے۔ توحید پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا اہم عنصر تھی اور آپ کی تمام رفتار و کردار توحید کا آئینہ۔

۳۔ انسان اور کائنات کا بامقصد ہونا

پوری کائنات ایک خاص نظام کے تحت بنائی گئی ہے اور اس کا بنانے والا، انسان یا کوئی دوسری مخلوق نہیں ہے، بلکہ اس کائنات کا بنانے والا وہ خدا ہے جو ازلی بھی ہے اور کمال مطلق بھی۔ واضح سی بات ہے کہ ظرافت اور باریک بینی نیز حکمت و قدرت سے بنایا ہوا یہ عظیم نظام بے مقصد اور عبث نہیں ہوسکتا، بلکہ کوئی بھی ایسا عمل جس میں کوئی مقصد اور کوئی ہدف نہ ہو، وہ خدا کے لئے محال ہے۔ لہذا یہ پوری کائنات بھی کسی خاص مقصد اور ہدف کے لئے بنائی گئی ہے اور اسی مقصد کی جانب بڑھ رہی ہے۔

اس سلسلہ میں بے شمار قرآنی آیتیں دلیل بھی ہیں جو کائنات کے بامقصد ہونے کو بیان کر رہی ہیں۔ چنانچہ ارشاد پروردگار ہوتا ہے: "**یتفکرون فی خلق السمٰوات و الارض ربّنا ما خلقت هذا باطلاً سبحانک فقنا عذات النّار**"[۱۹]۔۔۔ وہ آسمانوں اور زمینوں کی خلقت کے اسرار پر غور کرتے ہیں اور کہتے ہیں، اے ہمارے پروردگار! یہ سب کچھ تو نے حکمت سے ہی بنایا،، پس ہمیں عذاب جہنم سے بچا۔ کائنات کے گوشہ گوشہ میں دلربا اور دلکش مناظر، انسان کو یہ بتا رہے ہیں کہ اس کائنات کو بے مقصد نہیں بنایا گیا ہے؛ اور ہر مخلوق میں کوئی نہ کوئی راز پوشیدہ ہے، تو کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ اس کائنات کی خلقت بے ہدف و بے مقصد ہو۔ اہل نظر اس حقیقت کو سمجھتے ہیں اور بے ساختہ ان کی زبان سے یہ آواز نکلتی ہے؛ خدایا! اس عظیم شاہ کار خلقت کو تو نے بیہودہ اور بے مقصد نہیں بنایا ہے اور تیری ذات بیہودہ کاموں سے منزہ ہے[۲۰]۔ جیسا کہ خداوند عالم قرآن میں کہتا ہے: **و ماخلقنا السماء و الارض و ما بینهما باطلاً**[۲۱] اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، بے مقصد پیدا نہیں کیا ہے۔

اگر ہم زمین و آسمان اور اپنے اندر موجود اللہ کی نشانیوں پر غور کریں تو نظر آئے گا کہ یہ کائنات ایک مقصد کے تحت چل رہی ہے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حقیقت کو تعلیم و تربیت میں اپنا مبنیٰ بنایا اور لوگوں کی تربیت کی اور انہیں اسلام کے عظیم معارف سے روشناس کرایا۔ اس دنیا کا بامقصد ہونا آپ کی تمام تعلیم و تربیت کا اہم عنصر تھا نیز یہ کہ ہر انسان کی ضرورتوں اور اس کے فطری تقاضوں کے پورے ہونے ہی میں اس کا کمال ہے۔

اوراس کمال تک پہنچنے کا واحد راستہ خدا کی بندگی اوراس کی لازوال اور باقدرت ذات کا قرب حاصل کرنا ہے۔آپؐ کی بے شمار حدیثیں اوراقوال سے اس حقیقت کو معلوم کیا جاسکتا ہے۔

۴۔ انسان کا ابدی ہونا

اسلام کی رو سے انسان کے اندر دو عنصر ہیں جسمانی اور روحانی اوراس کے وجود کا روحانی حصہ ہی اس کی اصل ہوتا ہے۔اورقرآنی آیات میں یہ بات وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ملائکہ سے خطاب کرتے ہوئے خدا ارشار فرماتا ہے؛ **فاذا سویته و نفخت فیه من روحی فقعوا له ساجدین** ۲۲؎،پس جب میں اسے درست بنالوں اوراس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے لئے سجدے میں گر پڑنا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم وتربیت کا تعلق انسان کی زندگی کے ہر حصہ سے ہے چاہے وہ جسمانی ہو یا روحانی، وجود کا کوئی بھی حصہ مستثنیٰ نہیں ہے۔جس طرح اسلام میں انسان کے جسم کے رشد ونمو کا خاص خیال رکھا گیا ہے اور جسمانی تربیت کے لئے خاص ہدایات دی گئی ہیں، اسی طرح اس کی روح کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے، کیونکہ جسم، روح کے لئے سواری کی حیثیت رکھتا ہے، روح اسی جسم کے سہارے رشد وکمال کی منزلوں کو طے کرتی ہے۔جسم کے بغیر روح وجود میں نہیں آسکتی ہے، چنانچہ ماہرین نفسیات کا کہنا ہے؛عقل کی سلامتی کے لئے بدن کی سلامتی ضروری ہے ۲۳؎۔یعنی اگر انسان کا جسم صحیح وسالم ہو تو اس کی روح وعقل بھی صحیح وسالم رہے گی، چنانچہ بیمار جسم کی عقل وروح سے بہت زیادہ ترقی کی امید نہیں کی جاسکتی۔

یہی وجہ ہے کہ خدا نے اپنے رسول کو بھیجا تا کہ وہ انسانوں کو صحیح راستہ دکھائیں؛ **کما ارسلنا فیکم رسولاً منکم یتلوا علیکم آیاتنا و یزکیکم** ؛۲۴؎ جیسے ہم نے تمہارے درمیان خود تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہیں ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے اور تمھیں پاکیزہ کرتا ہے۔

اب تک کی تمام باتوں سے یہ نتیجہ حاصل کیا جاسکتا ہے کہ تعلیم وتربیت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چار اہم اصول تھے؛انسان کی فطرت،توحید، کائنات کا بامقصد ہونا اور انسان کا ابدی ہونا۔یہ چاروں وہ اصول ہیں جن پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے،اوران اصولوں کو سب ہی نے تسلیم کیا ہے۔البتہ آیات وروایات سے اور بھی اصول نکالے جاسکتے ہیں،لیکن اختصار کے پیش نظر ہم ان چار کو بیان کررہے ہیں۔اوراسلامی تعلیم وتربیت کے دیگر تمام مسائل کی بازگشت بھی ان ہی چار اصول کی طرف ہوتی ہے۔البتہ تعلیم وتربیت کے اصول اور مبانی کو بیان کرنے کے بعد مناسب ہے کہ اس کے اہداف ومقاصد کو بھی بیان کریں، چنانچہ اس مقام پر تعلیم وتربیت کے چند

اہم مقاصد کی طرف اشارہ کریں گے۔

پیغمبر اکرمؐ کی تربیت کے مقاصد

بے شک اپنے ہر عمل میں انسان کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے، اور اسے حاصل کرنے میں وہ اپنی تمام کوششوں کو بروئے کار لاتا ہے۔ تعلیم و تربیت کا تعلق انسان کے اختیار سے ہے اور اس کا مستقل نصاب ہے، اس کے اپنے ارکان و اسباب ہیں اور اس میں مسلسل سعی و تلاش کی بھی ضرورت ہے، اور اس کے اپنے اہداف بھی ہیں ہے، اور ان اہداف و مقاصد کو فکری، انسانی اور مالی سرمایہ صرف کئے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔ چنانچہ مقالہ کے اس حصہ میں اس بات کو پیش کرنا ہے کہ تعلیم و تربیت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا ہدف تھا اور اپنے ہدف کو حاصل کرنے میں آپؐ کی کیا تدبیریں تھیں۔ اور دوسرے یہ کہ اگرچہ تعلیم اور تربیت کو ایک دوسرے سے جدا کرنا ایک دشوار عمل ہے اور اگر کہیں ایک سے گفتگو ہو تو دوسرے کا ذکر بھی آتا ہے، اس کے باوجود یہاں پر صرف تربیت کے اہداف و مقاصد کو ذکر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ا۔ تعلیم اور تربیت

انبیاءؑ کی تعلیم و تربیت کا اہم مقصد یہ تھا کہ انسان کو خدا سے نزدیک کریں اور بغیر تعلیم و تربیت کے اس مقصد کو حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ یعنی لوگوں کو صحیح عقاید جیسے توحید، نبوت، قیامت کی تعلیم دینا، انہیں علم و معارف کے حاصل کرنے کی رغبت دلانا اور ان کے نفس کو برائیوں سے پاک کرنا، ان کی بعثت کا فلسفہ بھی یہی تھا۔ قرآن مجید میں خداوند متعال کا ارشاد ہوتا ہے:

﴿ هو الذی بعث فی الامیین رسولاً منهم یتلو ا علیهم آیاته و یز کیهم و یعلمهم الکتاب و الحکمة ﴾ ۲۵

''اس خدا نے مکہ والوں میں ایک رسول بھیجا جو انہیں میں سے تھا کہ ان کے سامنے آیات کی تلاوت کرے، ان کے نفوس کو پاکیزہ بنائے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے؛''

شریعت کے تمام قوانین تعلیم و تربیت ہی کے لئے نازل ہوئے ہیں اور ان کا واحد مقصد، خدا کے پیغمبروںؑ کی تعلیم و تربیت کے سایہ میں انسان کو پروان چڑھانا اور اسے انسانیت اور معنونیت کے اعلیٰ درجوں پر پہنچائیں۔ قرآنی آیات کی رو سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوری انسانیت کے معلم ہیں اور تمام انسانوں کو علم و معرفت کی تعلیم دینے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔

خداوند عالم نے اپنے رسولؐ کو انسانوں کی تربیت کے لئے بھیجا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات پر مامور کیا کہ وہ لوگوں کی روحانی اور معنوی تربیت کریں۔ آپؐ کی بعثت کا حقیقی ہدف بھی یہی تھا کہ آپ لوگوں کے نفسوں کا تزکیہ کریں، انہیں پروان چڑھائیں نیز قرآنی تعلیمات کے سایہ میں ان کی تربیت کریں۔ قرآن مجید میں متعدد مقام پر اس بات کا ذکر آیا ہے۔ چنانچہ "یزکیھم" اسی معنوی فریضہ کو بیان کر رہا ہے اور بارہا قرآن مجید میں اس پر تاکید بھی ہوئی ہے۔ مثال کے طور آیت میں زکات حاصل کرنے کے حکم کے ساتھ ''تزکیھم'' کا استعمال ہوا ہے: خذ من اموالھم صدقة تطھّرھم و تزکّیھم؛ ۲۶ پیغمبر آپ ان کے اموال میں سے زکات لے لیجئے کہ اسکے ذریعہ وہ پاک و پاکیزہ ہو جائیں۔ خمس و زکات جیسے مالی حقوق کا حاصل کرنا بھی انسان کی تربیت کا ایک ذریعہ ہے اور اس سے انسان کے جسم و روح کا تزکیہ ہوتا ہے۔ اور یہ وہ امور ہیں جن کا انجام دینا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فرض ہے تاکہ اس طرح معاشرہ کو معنوی ترقی حاصل ہو سکے۔

معاشرہ کی تعلیم و تربیت میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے انتہا کوشش کی اور ذرہ برابر بھی اپنی سعی و تلاش میں کمی نہ کی۔ آپؐ اپنی بعثت کے آغاز ہی سے معاشرہ کی تعلیم و تربیت میں مصروف ہو گئے اور قوم کے جوانوں کی تربیت میں خصوصی توجہ کی۔ اپنی بعثت کے پہلے تین سالوں میں زیادہ تر آپؐ نے انفرادی طور پر لوگوں کی تربیت کی اور براہ راست لوگوں سے ہم کلام ہوا کرتے تھے اور جہاں کہیں بھی کوئی باظرف انسان نظر آجاتا تھا اسے اسلام اور توحید کی دعوت دیا کرتے تھے۔

صدر اسلام کے حالات کو نظر میں رکھتے ہوئے جرأت کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جزیرۃ العرب میں علم و دانش کو رواج دینے اور اسے عام کرنے میں اسلام کا اہم کردار ہے۔ کیونکہ یہ اسلام تھا جس نے لوگوں کے سامنے علم و دانش کی اہمیت کو پہچنوایا اور حصول علم کو فریضہ قرار دیا۔ ۲۷ اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی تعلیم و تربیت کو اتنی زیادہ اہمیت دی کہ پڑھنے اور لکھنے کی تعلیم کو جنگ کے اسیروں کا فدیہ بنا دیا۔ چنانچہ جنگ بدر کے چند وہ اسیر جو لکھنا اور پڑھنا جانتے تھے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ فدیہ کے طور پر چند مسلمانوں کو لکھنا اور پڑھنا سکھا کر آزاد ہو سکتے ہیں اور یہ اس بات کی بہترین دلیل ہے کہ پیغمبر اکرم ص کی نگاہ میں تعلیم و تربیت کی کیا اہمیت تھی۔

۲۔ تزکیہ نفس

تربیت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوسرا مقصد تزکیہ نفس تھا اور قرآن مجید میں اس کی خاص تاکید بھی ہوئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم آیاته و یزکیھم

و یعلمهم الکتاب و الحکمة ؛۲۸ اس خدا نے مکہ والوں میں ایک رسول بھیجا جو انہیں میں سے تھا کہ ان کے سامنے آیات کی تلاوت کرے، ان کے نفوس کو پاکیزہ بنائے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے؛ اس آیت اور اس طرح کی دوسری آیتوں میں خدا کی آیتوں کی تلاوت کے بعد تزکیۂ نفس کو پیغمبرؐ کی بعثت کا اہم فلسفہ بتایا گیا ہے اور تزکیہ نفس کی اہمیت کا بہترین ثبوت ہے۔ لہذا لوگوں کی تربیت، ان کے نفسوں کا تزکیہ اور اخلاقی برائیوں کو ان سے دور کرنا، نبیوں کی بعثت کا مقصد تھا اور اس فریضہ کو انجام دینے میں انہوں نے ذرہ برابر بھی کوتاہی نہ کی۔ گرچہ رسول اکرمؐ سے قبل تمام نبیوںؑ نے لوگوں کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی لیکن تعلیم اخلاق کی اس عمارت کو تکمیل کے مرحلہ تک نہیں پہنچا سکے۔ چنانچہ اس عمارت کی آخری اینٹ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکھی اور انبیاءؑ کے کام کو مکمل کر کے لوگوں کے نفسوں کا تزکیہ کیا اور معاشرہ میں معنوی اور روحانی کمالات کو پروان چڑھایا۔ خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے؛ بعثت لاتمم مکارم الاخلاق ؛ میں مبعوث ہوا تا کہ مکارم اخلاق کو تکمیل کے مرحلہ تک پہنچاؤں۔ کیونکہ اعلیٰ اخلاق کے زیور سے آراستہ انسان، اپنی انا اور خود غرضی کو بھول کر اپنے اندر کی حیوانی اور نفسانی خواہشات پر قابو پاتا ہے۔ چنانچہ تربیت کے اس اہم مقصد کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مشفقانہ رویہ سے سر کیا، اور اللہ نے بھی آپ کو تا ابد یہ سند دے دی؛ انّک لعلیٰ خلق عظیم؛ بے شک آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔

لہذا لوگوں کا تزکیہ نفس اور ان کے نفسوں کو اخلاقی برائیوں سے پاک کرنا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اہم فریضہ تھا جس کی ادائیگی میں آپؐ نے انتہا کوشش ہی نہیں کی بلکہ بے شمار مشقتوں کا سامنا کر کے بے مثل و بے نظیر ممتاز شاگردوں کو معاشرہ کے حوالے کیا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکتب کے عظیم شاگرد حضرت علی علیہ السلام، اس راہ میں آپؐ کی کاوشوں کو سراہتے ہوئے فرماتے ہیں:

وضعنی فی حجره و انا ولید ، یضمّنی الیٰ صدره و یکنفنی فی فراشه
و یشمّنی عرفه و کان یمضغ الشیء ثم یلقّمنیه؛۲۹

''پیغمبرؐ مجھے اپنی آغوش میں اٹھاتے تھے، جب کہ بچہ تھا مجھے اپنے سینے سے چمٹاتے تھے، اور اپنے بستر پر مجھے سلاتے تھے، مجھے اپنے گلے سے لگا کر اپنے تن کی خوشبو سنگھاتے تھے، اور کھانے کو چبا کر میرے منہ میں ڈالتے تھے''

''و یرفع لی فی کل یوم من اخلاقه علماً و یأمرنی بالاقتداء به ''۳۰

ہر دن مجھے اخلاق کا ایک نیا باب سکھاتے تھے اور اپنی پیروی کا حکم دیتے تھے۔

چنانچہ نیک اور لایق بننے کے لئے ضروری ہے کہ انسان سب سے پہلے اپنے باطن کا تزکیہ کرے، اچھی

تربیت کے ساتھ باطن کی پرورش کرے، تقوا اور پرہیز گاری کے زیور سے آراستہ ہو اور برائیوں سے دور رہے، اور اس کے بغیر سعادت کا ملنا غیر ممکن ہے، کیونکہ جس قدر انسان کا نفس تربیت سے دور ہوگا اور برائیوں سے آلودہ ہوگا اس کی محرومیت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔[۳۱]

معاشرہ میں عدل وانصاف کا نفاذ

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت کا حقیقی مقصد معاشرہ میں، اجتماعی عدالت کو قائم کرنا تھا، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہو رہا ہے:

﴿ و لقد ارسلنا رسلنا بالبینات و انزلنا معهم الکتاب و المیزان لیقوم النّاس بالقسط ﴾[۳۲]

میں نے اپنے رسولوں کو روشن دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور حق و باطل کی شناخت کی ترازو بھی نازل کی تا کہ لوگ عدالت پر گامزن ہو جائیں۔

کتاب اور حق و باطل کی شناخت کے لئے میزان اور آشکار معجزے، یہ وہ چیزیں ہیں جنھیں اللہ نے اپنے نبیوں کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ معاشرہ میں عدل وانصاف کو قائم کر سکیں۔ اللہ نے قرآن مجید کو اس لئے نازل کیا اور اپنے رسول کو بے شمار معجزے دئے تا کہ دنیا میں عدل وانصاف قائم ہو، چنانچہ عدل وانصاف کے ستونوں پر استوار اس نظام کا نفاذ سب سے پہلے مدینہ منورہ میں ہوا۔ بہر حال انسانی معاشرہ میں عدل وانصاف قایم کرنا، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیتی منصوبوں کا اہم حصہ تھا اور آنحضرتؐ نے اس سلسلہ میں بے شمار سعی وکوشش بھی کی ،لہذا آج ضرورت اس بات کی ہے کہ عالم اسلام کے تمام مربی عدل وانصاف کے نفاذ کو اپنا اہم مقصد بنائیں اور اپنی تمام کوششوں کو اسی کے حصول میں صرف کریں۔

۳۔ قرب خدا

قرب کسی سے قریب ہونے اور نزدیک ہونے کے معنیٰ میں ہے[۳۳]۔ زمان اور مکان کے اعتبار سے قربت میں فرق ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے ہر زبان میں اس لفظ کا خاص استعمال ہے۔ البتہ اس مقالہ میں قرب سے مراد، معنوی اعتبار سے خدا سے نزدیک ہونا ہے نہ کہ مادی اور جسمانی اعتبار سے، اس معنی میں کہ جو چیز بارگاہ خدا میں نزدیک ہوتی ہے، وہ انسان کی روح ہے نہ کہ اس کا جسم اور بدن۔ اور علم وآگہی اور اپنے ارادہ کا سہارا لئے بغیر انسان، اس مرحلے تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔ وہ قرب جس کی تاکید قرآن مجید اور نبی اکرم ص کی تعلیمات میں ہوئی ہے

علم ومعرفت اور ارادہ واختیار کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ انسان اپنے ارادہ واختیار سے کسی راستہ کو اپناتا ہے اور وہ راستہ یا اسے خدا سے نزدیک کرتا ہے یا پھر بارگاہ خدا سے دور کردیتا ہے[۳۴]۔ قرآن مجید میں ارشاد پروردگار ہوتا ہے؛ انّا ھدیناہ السبیل امّا شاکراً و امّا کفوراً؛[۳۵] میں نے انسان کی ہدایت کردی ہے وہ چاہے تو شکر کرے اور چاہے تو ناسپاس ہوجائے۔ لہذا زندگی کی راہ معین کرنے اور قرب خدا کے مرحلہ تک پہنچنے میں انسان کے ارادہ کا اہم کردار ہے۔

اگرچہ عام معنیٰ میں تعلیم وتربیت کا اپنا خاص ہدف اور مقصد ہے، اور اس ہدف تک پہنچنے کا اپنا خاص طریقہ کار بھی ہے، لیکن اسلامی تعلیم وتربیت میں ضروری ہے کہ اس کا نظام اور نصاب ایسا ہو کہ انسان کو قرب خدا کی منزل تک لے جاسکے۔

خدا سے نزدیک ہونے کا راستہ صرف نماز روزوں منحصر نہیں ہے بلکہ اور بھی راہیں ہیں جو انسان کو اس کے مقصد تک پہنچاتی ہیں؛ جیسے راہ خدا میں خرچ کرنا، کمزوروں کی مدد کرنا یا اس طرح کی دوسری چیزیں، یہ وہ امور ہیں جو انسان کو اس کے حقیقی کمال یعنی قرب خدا تک پہنچادیتے ہیں۔ لہذا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیتی مکتب کا اہم ترین نصب العین ''قرب الی اللھہ'' ہے اور یہ مقصد انسان کی فطرت، توحید، کائنات کے بامقصد اور انسان کے ابدی ہونے سے پوری طرح سے ہماہنگ ہے، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی اس مقصد کے حصول میں صرف ہوئی، اور آپ کی آل و اصحاب نے بھی آپؐ کی اس سیرت کو باقی رکھا۔

نبی اکرمؐ کی تعلیم وتربیت کے اصول

اس مقام پر ہم تعلیم وتربیت کے ان چند اہم اصولوں کو بیان کریں گے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمی اور تربیتی سیرت سے حاصل ہوئے ہیں۔

۱۔ تربیت اور انسان کی فطرت میں ہماہنگی

تعلیم وتربیت کے حوالے سے ذکر شدہ اب تک کے تمام اصول ومبانی کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ تعلیم وتربیت میں سب سے پہلی اصل جس کا لحاظ ضروری ہے وہ یہ ہے کہ تربیت، انسان کے فطری تقاضوں سے ہماہنگ ہو۔ لہذا مربی کو اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ تربیت کے حوالے سے اس کا ہر عمل تربیت ہونے والے شخص کی فطرت سے سازگار وہماہنگ ہو۔ اور ہر مسلمان کا نصب العین یہ ہونا چاہئے کہ تعلیم وتربیت میں اپنے شاگرد کو اس مرحلہ تک پہنچادے کہ وہ اپنے اندر کی خداداد پکار جسے "فطرۃ اللہ" کہتے ہیں، کا جواب دے سکے۔ تربیت کا یہ مقصد

اس وقت حاصل ہوسکتا ہے جب انسان کے اندر پوشیدہ فطری صلاحیتوں کو اجاگر کر کے انہیں پروان چڑھایا جائے۔ لہذا ضروری ہے کہ تربیت میں ایسی تدبیر کو بروئے کار لایا جائے کہ یہ مطلوب، حاصل ہو سکے۔[۳۶]

۲۔ توحید کے محور پر تربیت

انبیاء کی تعلیمات کا دوسرا محور، توحید ہے۔ اگر ان کی تعلیمات پر نظر ڈالی جائے تو یہ واضح ہو جائے گا کہ آدمؑ سے خاتمؐ تک ہر نبیؑ نے لوگوں کو توحید ہی کی دعوت دی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے؛ **و ما ارسلنا من قبلک من رسول الّا نوحی الیه انه لا الٰه الّا انا فاعبدون** ؛[۳۷] میں نے آپ سے قبل کسی بھی رسول کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس پر وحی نازل کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، پس صرف میری ہی عبادت کرو لہذا بندگی میں توحید کی تعلیم، انبیاءؑ کی تمام انفرادی اور اجتماعی تبلیغ کا محور تھی۔ اور حق تو یہ ہے کہ ہم جس جگہ بھی نظر ڈالیں خدا ہی کا جلوہ نظر آئے گا۔

جس طرح اس کائنات کی تخلیق میں ایک ہی نظام کا دخل ہے اور اس کی تدبیر خدائے واحد کے ہاتھ میں ہے، کائنات کے تشریعی نظام میں بھی ایک ہی قانون پایا جاتا ہے اور ایک ہی قانون ساز نے اسے بنایا ہے۔ انبیاءؑ بھی لوگوں کو توحید ہی کی دعوت دیتے تھے، اور ان کی دعوت کا محور بندگی، ربوبیت اور فکر و عمل میں توحید ہی تھا۔ انبیائے ماسبق کی طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ کا محور بھی توحید تھا۔ آپؐ نے ہمیشہ بت پرستوں کی مخالفت کی اور انہیں توحید کی دعوت دی۔ چنانچہ خدا نے آپؐ کو حکم دیا کہ لوگوں کو شرک و بت پرستی سے دوری اختیار کرنے کی تلقین کریں؛ **قل أ تعبدون من دون الله ما لا یملک لکم ضراً و لا نفعاً**؛[۳۸] کہہ دیجئے! کیا تم خدا کے علاوہ ایسے کی بندگی کرتے ہو جو تمہارے لئے نہ کوئی نفع رکھتا ہے اور نہ ہی کوئی نقصان؟ لہذا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام تعلیمات اور تربیت توحید کے مدار پر قائم ہے۔

۳۔ آخرت پر ایمان

انسان ہمیشہ رہنے والی ایک ابدی مخلوق ہے اور مرنے کے بعد اس کی زندگی کا خاتمہ نہیں ہوتا ہے بلکہ ایک نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے، چنانچہ اس حقیقت کے پیش نظر ضروری ہے کہ انسان کی تربیت اس طرح ہو کہ وہ موت کے بعد کی زندگی کے لئے تیار ہو سکے۔ لہذا تربیت کے نصاب کو اس طرح مرتب کرنا ہوگا کہ وہ انسان کی فکر و عمل میں خدا جوئی اور الٰہی رجحان بیدار کر سکے۔

البتہ آخرت پر ایمان کا مطلب دنیا سے بیزاری نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ دنیاوی چیزوں کو اس طرح سے بروئے کار لائے کہ وہ موت کے بعد کی زندگی کا مقدمہ بن سکیں، کیونکہ اسلام کی رو سے دنیا اور آخرت میں کوئی تضاد اور ٹکراؤ نہیں ہے بلکہ دنیا آخرت کا مقدمہ ہے اور دنیا کے بغیر، آخرت کا حاصل ہونا ناممکن ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے؛ **و ابتغ فیما آتاک اللہ الدار الآخرۃ و لا تنس نصیبک من الدنیا**؛ ۳۹ جو کچھ بھی خدا نے تم کو دیا ہے، اس میں آخرت طلب کرو، اور دنیا میں اپنے حصہ کو فراموش نہ کرو؛ اس آیہ نے بخوبی واضح کر دیا کہ دنیاوی وسائل سے کس طرح فائدہ اٹھانا چاہیے اور کس طرح دنیا کو آخرت کی سعادت کا ذریعہ بنایا جائے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں؛ **الدنیا مزرعۃ الاخرۃ**؛ ۴۰ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ جس نے دنیا میں اچھی کاشت کی، وہی آخرت میں اچھی فصل کاٹے گا، کیونکہ ارشاد پروردگار ہے؛ **کل نفس بما کسبت رھینۃ**؛ ۴۱ ہر شخص اپنے اعمال میں کا جوابدہ ہے؛ انسان کی آخرت کا دارومدار دنیا پر ہے، اگر دنیا میں با ایمان اور پرہیزگار رہا تو آخرت میں عظیم نعمتیں ملیں گی اور اگر دنیا میں ایمان نہ لایا اور پرہیزگاری اختیار نہ کی تو اس کا ٹھکانا دوزخ میں ہوگا۔

۳۔ انسانی کرامت

لفظ کرامت، شرافت، اصل دار ہونا، بزرگی اور نیک طینتی کے معنی میں ہے ۴۲، جو ایک انسان کی ذات اور فطرت کا جزو ہے۔ خداوند عالم نے انسان کو عقل، ارادہ اور اختیار جیسی عظیم باطنی نعمتوں سے نوازا ہے جو اس کی کرامت کا راز ہیں۔ کرامت، کسی خاص فرد سے مخصوص نہیں ہے بلکہ اپنی انسانیت پر باقی ہر شخص میں موجود ہے اور اس اعتبار سے تمام انسان یکساں ہیں، کسی کو بھی دوسرے پر برتری نہیں ہے ۴۳۔ تربیت ہونے والے شخص کی شخصیت اور کرامت کا لحاظ رکھنا تربیت کی سب سے اہم اصل ہے؛ کیونکہ تربیت کی بنیاد ہی شخصیت سازی اور کرامت پر قائم ہے۔ عزت اور کرامت کی آغوش کے پروردہ افراد، گناہوں کے مقابل میں ثابت قدم رہتے ہیں اور اس کے برعکس تحقیر و توہین انسان کی شخصیت کو مسمار کرنے کے ساتھ اسے ذلیل اور بزدل بناتی ہے۔ تربیت میں کسی بھی طرح کی توہین، چاہے وہ زبان و عمل سے ہو اور یا پھر اشارہ کے ذریعہ، تربیت ہونے والے شخص کی شخصیت شکنی کا سبب بنتی اور اسے ایک کمزور اور بے اثر شخص بنا دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں کسی کی توہین کو سخت منع کیا گیا ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں؛ **لا تحقرنّ احداً من المسلمین فانّ صغیرھم عند اللہ کبیر**؛ ۴۴ ہرگز کسی مسلمان کی تحقیر نہ کرنا، کیونکہ چھوٹا مسلمان بھی اللہ کے نزدیک بڑا ہوتا ہے۔

۳۔ صلاحیتوں میں فرق کا لحاظ

گرچہ انسان ہونے کے اعتبار سے تمام افراد یکساں ہیں، لیکن ان کی صلاحیتوں اور لیاقتوں میں فرق ہوتا ہے۔ اور یہ فرق ہر وجود کی ذات میں موجود ہے اور نظام علت و معلول کا لازمہ بھی ہے[۴۵]۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے؛ انّ خلقنا کلّ شیء بقدر ؛[۴۶] بے شک ہم نے ہر چیز کو اندازہ کے مطابق پیدا کیا ہے۔ فرعون کے جواب میں حضرت موسیٰؑ فرماتے ہیں؛ ربّنا الّذی اعطیٰ کلّ شیء خلقہ ثمّ ھدی ؛[۴۷] ہمارے پروردگار نے ہر شئے کو اس کے وجود کے اعتبار سے خلقت عطا کی اور پھر ہدایت بھی دی ہے۔

انسانوں کی صلاحیتوں میں فرق کا سبب توحید اور انسان کی ابدیت سے ہماہنگ اس کی فطرت ہے۔ کیونکہ یہ توحید ہے جس نے کائنات کے نظام کو لازوال قوانین سے وابستہ کر رکھا ہے، اور توحید ہی ہے جس نے ہر موجود کو اس کا خاص مقام اور مرتبہ دیا ہے، اور اس میں کسی بھی طرح کی تبدیلی اور بدلاؤ کی گنجائش نہیں رکھی[۴۸]۔ انسان کی جاویدانگی اور اس کی ابدیت میں نہ صرف یہ کہ افراد کے درمیان فرق سے ٹکراؤ نہیں ہے بلکہ آخرت میں جزا اور ثواب بھی فردی ہوگا اور دنیا میں اعمال کے مطابق ہی ہر انسان کی جزا ہوگی۔ قیامت میں جزا و سزا کے سلسلہ میں پروردگار کا ارشاد ہوتا ہے؛ و لاتکسب کل نفس الّا علیھا و لا تزر وازرۃ وزر اخری؛[۴۹] اور جو نفس جو کچھ بھی کرے گا اس کا وبال اسی کے ذمہ ہوگا اور کوئی نفس دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

انبیاءؑ کی تعلیم و تربیت میں افراد کی صلاحیتوں میں فرق کا پوری طرح خیال رکھا گیا ہے۔ چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں؛ انّا معاشر الانبیاء امرنا ان نکلّم النّاس علیٰ قدر عقولھم ؛[۵۰] ہم انبیاءؑ اس بات پر مامور ہیں کہ لوگوں سے ان کی فکری سطح کا لحاظ رکھ کر گفتگو کریں۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ عقل و خرد اور فکری صلاحیتوں کے اعتبار سے معاشرہ میں تمام افراد یکساں نہیں ہوتے ہیں اور یہ غیر ممکن ہے کہ دو ایسے شخص ایک جگہ جمع ہو جائیں جو فکری اعتبار سے بالکل ایک جیسے ہوں، ان کا درک و فہم ایک جیسا ہو اور غور و فکر کے بعد ایک ہی جیسے نتیجہ تک پہنچیں۔ بلکہ درک و فہم کے اعتبار سے ہر انسان دوسرے سے الگ ہوتا ہے۔ چنانچہ لوگوں کے درک و فہم میں فرق کا لحاظ رکھتے ہوئے، اللہ نے اپنے نبیوںؑ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کی فکری سطح کا لحاظ رکھتے ہوئے ان سے ہم کلام ہوں اور ان کے درمیان تبلیغ کریں۔ جیسا کہ انبیاءؑ کی بعثت کا ایک فلسفہ، لوگوں پر اتمام حجت بھی تھا[۵۱]، چنانچہ جب تک انسان اپنی فکری وسعت بھر اسلامی معارف سے آشنا نہ ہو جائے، اس کے لئے اتمام حجت کا تصور غیر ممکن ہے۔ تو ایسے شخص کے سامنے عمیق اور علمی گفتگو کرنا، جس کے اندر عمیق علمی مسائل کو درک کرنے

کی صلاحیت نہ ہو، ہرگز اتمام حجت کا سبب نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاءؑ کی تعلیم وتربیت میں افراد کی لیاقتوں اور صلاحیتوں میں فرق کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے۔

خلاصہ کلام

اب تک کی تمام باتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم وتربیت کا نظام، مسلمانوں کے درمیان اتحاد کا بہترین ذریعہ ہے۔ کیونکہ سب کو آپؐ سے لگاؤ ہے اور جو بھی خدا اور قرآن پر ایمان رکھتا ہے وہ آپؐ کی تعلیمات پر ایمان رکھتا ہے اور ان پر عمل بھی کرتا ہے۔ اگر عالم اسلام کے علماء اور دانشور حضرات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرلیں تو اپنے آپسی اختلافات کو بھول کر واقعی معنوں میں اتحاد قائم کرلیں گے۔ کیونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا ماخذ وحی الٰہی ہے اور آپؐ نے اپنی تعلیمات میں انسانوں کو اس راہ کی دعوت دی ہے، جس میں مادہ پرستی جو تمام اختلافات کی جڑ ہے، کا گزر ہی نہیں ہے۔ آپؐ کے مکتب کے پروردہ شاگرد جیسے سلمان، مقداد، ابوذر اور دیگر صحابہ کا تنہا ہم وغم دین وقرآن اور معاشرہ کی فلاح و بہبود کے بارہ میں غور وفکر کرنا تھا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیتی نظام کے حوالے سے آج جس بات کی ضرورت ہے وہ یہ کہ اس پر عمل ہو اور زیادہ سے زیادہ اس کی ترویج وتبلیغ ہو۔ اگر عالم اسلام کے علماء اور دانشور حضرات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کریں اور پھر دوسروں کو خاص طور سے قوم کی جوان نسل کو آنحضرتؐ کی تعلیمات سے آشنا بنائیں تو بہت جلد تمام اختلافات خود بخود دور ہوجائیں گے۔ بہر حال دور حاضر میں عالم اسلام کے علماء اور دانشور حضرات کے کندھوں پر بہت ہی اہم ذمہ داری ہے، لہذا انہیں چاہیے کہ وہ اپنے فریضہ کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔ چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے سایہ میں ان کا سب سے اہم فریضہ لوگوں کو آپس میں اتحاد اور یکسوئی کی دعوت دینا اور آپسی اختلافات سے چشم پوشی کرنا ہے۔ آج اگر اسلامی ممالک میں شیعہ اور سنی دونوں فرقوں کے علماء متحد ہوکر آگے بڑھیں تو اس کے لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیتی نظام کی شناخت بہترین ذریعہ ہوگا، نیز معاشرہ میں آپؐ کی تعلیمات پر عمل اور اس کی ترویج ہوگی، خصوصاً قوم کی جوان نسل کے درمیان بہت کم وقت میں بہترین نتیجہ سامنے آئے گا۔ بارگاہ خدا میں دعا ہے کہ عالم اسلام کے تمام علماء اور دانشور حضرات، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو اپنے لئے اسوۂ عمل قرار دیں اور امت مسلمہ کے درمیان سے نفاق اور اختلاف کی تمام جڑوں کو اکھاڑ پھینکیں۔

حوالہ جات

۱۔آیات کے اردو ترجمہ کے لئے شبیر نجفی صاحب اور علامہ ذیشان حیدر جوادی صاحب کے ترجمہ سے استفادہ ہوا ہے۔

۲۔الزیادة و النشاء و التغذیة و المحافظه و النماء، ابن منظور،لسان العرب، بیروت، دار صادر،۱۴۱۶ھ لفظ ''ربو''۔

۳۔مرتضیٰ مطہری، تعلیم وتربیت در اسلام، تہران، ۱۳۷۱ق ج ۱۹، ص ۶

۴۔مہدی، صانعی، پژوھش در تعلیم وتربیت اسلامی، تہران، ناشر سنا باد، ۱۳۷۸، ص ۱۱

۵۔کلمات قصار/۴۶۵۔

۶۔ر۔ک لغت نامہ دہخدا، ج ۱۲، لفظ مبنیٰ نیز سید مصطفیٰ حسینی، معارف معاریف، ج ۹ ص ۶۹

۷۔شہاب الدین مشایخی، فصل نامہ حوزہ ودانشگاہ، س ال ۱۳۸۱، شمارہ ۲۳، ص ۵۱۔۵۳

۸۔محمد حسین طباطبائی، المیزان، ج ۷ ص ۲۶۷

۹۔کلینی، اصول کافی ج ۲ ص ۱۶؛ بیہقی، احمد بن حسین، سنن بیہقی، بیروت، دار المعرفة، بی تا، ج ۶ ص ۲۰۲

۱۰۔المیزان ج ۰۲، ص ۱۹۷

۱۱۔محمد حسین طباطبائی، خلاصہ تعالیم اسلام، ترتیب داود الہامی، تہران، ناشر کعبہ، ۱۳۶۲، ص ۱۰۱۔

۱۲۔امام علیؑ، نہج البلاغة، مترجم محمد دشتی، خطبہ ۱، حصہ ۳۵۔

۱۳۔روم/۳۰

۱۴۔طہ/۴۹

۱۵۔انبیاء/۲۵

۱۶۔بقرہ/۱۶۳

۱۷۔آل عمران/۱۹

۱۸۔المیزان ج ۳، ص ۱۷۹

۱۹۔آل عمران/۱۹۱

۲۰۔ر۔ک۔تفسیر نمونہ ج ۳، ص ۲۱۶

۲۱۔ص/۲۷

۲۲۔ص/۷۲

۲۳۔علی اکبر، اشعاری نژاد، روان شناسی رشد، تہران، ناشر اطلاعات، ۱۳۷۲، ص ۲۵۰

۲۴۔بقرہ/۱۵۱

۲۵۔جمعہ/۲

۲۶۔توبہ/۱۰۳

۲۷۔عبدالرحیم،غنیۃ،تاریخ دانشگاہ ہای بزرگ اسلامی مترجم نوراللہ کسایی،دانشگاہ تہران،۱۳۷۲،ص۵۰۔

۲۸۔جمعہ/۲

۲۹۔خطبہ۱۹۳(قاصعہ)

۳۰۔وہی خطبہ

۳۱۔المیزان ج۲ص۴۶۹

۳۲۔حدید/۲۵

۳۳۔آذرتاش،آذرنوش،فرہنگ معاصر عربی۔فارسی،لفظ قرب،ص۵۳۵

۳۴۔محمدتقی مصباح یزدی،نقدوبررسی مکاتب اخلاقی،تحریراحمد حسین شریفی،قم،مؤسسہ امام خمینی،۱۳۸۴ش،ص۳۴۸

۳۵۔انسان/۳

۳۶۔سیدمحمد،طباطبائی،ظہورشیعہ،ناشرفقیہ،بی تا،ص۶۵

۳۷۔انبیاء/۲۵

۳۸۔مائدہ/۷۶

۳۹۔قصص/۷۷

۴۰۔منتخب میزان الحکمۃ،لفظ دنیاص۱۸۷

۴۱۔مدثر/۳۸

۴۲۔فرہنگ معاصر عربی۔فارسی لفظ کرم،ص۵۸۵

۴۳۔خسروباقری،نگاہی دوبارہ بہ تربیت اسلامی،تہران،ناشر،مدرسہ،۱۳۷۰،طبع دوم،ص۳۸

۴۴۔منتخب میزان الحکمہ،لفظ تحقیر،ص۱۴۶

۴۵۔مجموعہ آثار،ج۱ص۱۷۶

۴۶۔قمر/۴۹

۴۷۔طہ/۵۰

۴۸۔مجموعہ آثارج۱ ص۱۴۳

۴۹۔انعام/۱۶۴

۵۰۔اصول کافی۔ج؟ص۷؟

۵۱۔ رسلاً مبشرین و منذرین لئلا یکون للنّاس علیٰ اللہ حجۃ بعد الرسل؛ یہ ہمارے رسول بشارت دینے والے اورڈرانے والے اس لئے بھیجے گئے ہیں،تاکہ رسولوں کے آنے بعدانسانوں پرخدا کی طرف سے کوئی حجت باقی نہ رہنے پائے۔

منابع و مآخذ؛

۱۔قرآن کریم۔

۲۔نہج البلاغۃ

۳۔ آذرتاش،آذرنوش،فرھنگ معاصرعربی۔فارسی،لفظ قرب،ص۵۳۵

۴۔ آملی،سیدحیدر،تفسیرالمحیط الاعظم،تحقیق سیدمحسن موسوی،تہران،وزارت فرھنگ وارشاداسلام،۔

۵۔ آملی،سیدحیدر،نص النصوص،ترجمہ محمدرضاجوزی،ناشر،روزنہ،بی تا۔

۶۔ابن سعد،محمد،الطبقات الکبریٰ،بیروت،دارصادرللطباعۃ والنشر،۱۳۷۶ق۔۱۹۵۷ع

۷۔ابن منظور،لسان العرب،بیروت،دارصادر،۱۴۱۶ق

۸۔ابن ھشام،السیرۃ النبویۃ،ترجمہ ھاشم رسولی محلاتی،تہران،کتاب خانہ اسلامیہ،۱۳۶۶۔

۹۔ احمدی،سیداحمد،روان شناسی تو جوانان وجوانان،اصفہان،ناشر مشعل،۱۳۷۳۔

۱۰۔ اصفہانی،راغب،مفردات الفاظ القرآن،تحقیق صفوان عدنان داودی،قم،ناشر منشورات طلیعۃ النور،۱۴۲۶ق۔

۱۱۔امام علی،غررالحکم،ترجمہ محمدعلی انصاری۔

۱۲۔امینی،ابراہیم،تربیت،بوستان کتاب،۱۳۸۱۔

۱۳۔انصاری،محمدناصر،بحران ھاودرمان ھادربارہ بلوغ،قم،ناشر،گرگان،بی تا

۱۴۔باقری،خسرونگاہی دوبارہ بہ تربیت اسلامی،تہران،ناشر مدرسہ،۱۳۸۰۔

۱۵۔ بیہقی،احمدبن حسین،سنن بیقین،بیروت،دارالمعرفۃ،بی تا

۱۶۔پاول اس،کاپلان،روان شناسی رشد،ترجمہ،مہرداد فیروز بخت،مؤسسہ خدامت فرہنگی رسا،۱۳۸۱۔

۱۷۔حاکم نیشاپوری،المستدرک علی الصحیحین،بیروت،دارالکتب الاسلامیہ،۱۴۱۱ق۔

۱۸۔حجتی،محمد باقر اسلام وتعلیم وتربیت،تہران،دفتر فرہنگ وارشاداسلام،طبع ۱۳۷۰۔

۱۹۔حرالعاملی،شیخ محمدبن الحسین،اثباۃ الہداۃ،المکتبۃ المحلاتی،۱۳۸۳،

۲۰۔حسینی زادہ،سیدعلی،سیرہ تربیتی پیامبر واہل بیتؑ،تربیت فرزند،قم،پژوہشکدہ حوزہ ودانشگاہ،۱۳۸۰۔

۲۱۔حسینی،سیدمصطفیٰ،معارف معاریف،نشردانش،۱۳۷۶۔

۲۲۔دہخدا،علی اکبر،فرہنگ لغتنامہ،تہران،دانشگاہ تہران،۱۳۷۳۔

۲۳۔ری شہری،محمد،قم،دارالحدیث،منتخب،میزان الحکمۃ،۱۳۸۱۔

۲۴۔سادات،محمدعلی،اخلاق اسلامی،تہران،ناشر سمت،۱۳۷۲۔

۲۵۔سیوطی،جامع الصغیر،بیروت،دارالفکر،۱۴۱۴۔

۲۶۔شعاری نژاد،علی اکبر، روان شناسی رشد،تہران،ناشر اطلاعات،۱۳۷۲۔

۲۷۔شلبی،احمد،تاریخ آموزش دراسلام،مترجم محمد ساکت،تہران،دفتر نشر فرہنگ اسلامی۔

۲۸۔شہادالدین مشایخی، فصل نامہ حوزہ ودانشگاہ،سال ۱۳۸۱۔

۲۹۔شیخ صدوق،من لایحضرہ الفقیہ،بیروت دارالاضواء،بی تا۔

۳۰۔شہید ثانی، زین الدین، منیۃ المرید، قم، اسماعیلیان، ۱۳۸۴۔
۳۱۔صانعی، مہدی، پژوہشی در تعلیم وتربیت اسلامی، تہران، ناشر سناباد، ۱۳۷۸۔
۳۲۔طباطبائی، سید محمد حسین، آغاز پیدایش انسان، بی.جا، ناشر قدیر، ۱۳۶۱۔
۳۳۔طباطبائی، سید محمد حسین، اعجاز قرآن، تہران، مرکز نشر فرہنگی رجاء، ۱۳۶۲۔
۳۴۔طباطبائی، سید محمد حسین، المیزان، قم، جامعہ مدرسین، بی.تا۔
۳۵۔طباطبائی، سید محمد حسین، حیات پس از مرگ، قم، دفتر انتشارات اسلامی، ۱۳۱۷۔
۳۶۔طباطبائی، سید محمد حسین، خلاصہ، تعالیم اسلام، کاوش داؤد الہامی، تہران، ناشر کعبہ، ۱۳۶۲۔
۳۷۔طباطبائی، سید محمد حسین، ظہور شیعہ، تہران، ناشر فقیہ، بی.تا۔
۳۸۔طباطبائی، سید محمد حسین، معنویت تشیع، ناشر تشیع، قم، بی.تا۔
۳۹۔طہ، صابر احمد، نظام الاسرۃ فی الیہودیۃ والنصرانیۃ والاسلام، قاہرۃ، نہضۃ مصر للطباعۃ والنشر۔
۴۰۔غلیمہ، عبدالرحیم، تاریخ دانشگاہ ہای بزرگ اسلامی، مترجم نور اللہ کسائی، دانشگاہ تہران، ۱۳۷۲۔
۴۱۔فخر الدین رازی، محمد، تفسیر کبیر، بیروت، دار الفکر، ۱۴۰۱ق۔
۴۲۔فلسفی، محمد تقی، گفتار فلسفی جوان، تہران، ہیأت نشر معارف اسلامی، ۱۳۴۴۔
۴۳۔قمی، شیخ عباس، منتہی الآمال، قم، ہاتف، ۱۳۸۱۔
۴۴۔مجلسی، محمد تقی، روضۃ المتقین، قم، بنیاد فرہنگ اسلام حاج محمد حسین گوشانپور، بی.تا۔
۴۵۔محدثی، محمد جواد، حقوق فرزندان در مکتب اہل بیتؑ، قم، مرکز انتشارات دفتر تبلیغات اسلامی، طبع دوم، ۱۳۷۶۔
۴۶۔ مصباح یزدی، محمد تقی، آموزش عقاید، امیر کبیر، ۱۳۸۳۔
۴۷۔مصباح یزدی، محمد تقی، اخلاق در قرآن، ناشر مؤسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینیؒ، ۱۳۷۶۔
۴۸۔مصباح یزدی، محمد تقی، نقد وبررسی مکاتب اخلاقی، مرتب احمد حسین شریفی، قم، مؤسسہ امام خمینیؒ ۱۳۸۴۔
۴۹۔مصطفوی، حسین التحقیق فی کلمات القرآن الکریم، وزارۃ الثقافۃ، والارشاد الاسلامی، ۱۳۷۱۔
۵۰۔مطہری، مرتضیٰ، تعلیم وتربیت در اسلام، تہران، صدرا، ۱۳۷۱۔
۵۱۔مطہری، مرتضیٰ، مجموعہ آثار، قم صدرا، ۱۳۶۸۔
۵۲۔مظاہری سیف، حمید رضا، خودشناسی عرفانی، (سیری در المیزان)، ناشر نشاط، ۱۳۸۱۔
۵۳۔ملا عبدالرزق فیاض، لاہیجی، گوہر مراد، قم، مؤسسہ تحقیقاتی، امام صادق، ۱۳۸۳۔
۵۴۔کلینی، محمد الکافی، مترجم باقر کمرہ ای، مکتبۃ الاسلامیۃ، ۱۳۸۱ق۔
۵۵۔نراقی، ملا احمد، معراج السعادۃ، قم، کشف الغطاء، ۱۳۸۴۔
۵۶۔نراقی، ملا مہدی، جامع السعادات، نجف، مطبعۃ الزہراء، طبع سوم، ۱۳۸۳ق۔

ایمان کے سایہ میں

خواہشات کا کنٹرول

غلام حسین متو

جس طرح انسان کے جسمانی ڈھانچہ میں کوئی عضو بے کار اور بے مصرف خلق نہیں کیا گیا ہے اسی طرح اس کی روح ونفس میں بھی کوئی خواہش اور چاہت بے ہدف اور بغیر حکمت کے پیدا نہیں کی گئی ہے بلکہ انسان کے اندر موجود خواہشات کا ایک بنیادی کردار ہے انسان کی زندگی کا انحصار انہیں پر ہے اگر ایک دن ان خواہشات کو انسان سے سلب کرلیا جائے تو انسان کے اندر زندگی کا تصور ہی ختم ہو جائے گا اور آخر کار نسل انسانی ہی ختم ہو جائے گی، لیکن یہ تمام خواہشات اس وقت انسان کی سعادت اور خوشبختی کا وسیلہ بن سکتی ہیں جب ان کے استعمال میں ہر قسم کی کمی زیادتی اور افراط وتفریط سے پرہیز کیا جائے اور ان کو اعتدال پر رکھ کر صحیح طریقے سے استعمال کیا جائے۔ بطور مثال جس وقت ایک لڑکا یا لڑکی سن بلوغ کو پہنچ جاتے ہیں تو ان کے اندر جنسی خواہش کا پیدا ہونا ایک طبیعی چیز ہے کہ جس کو دست قدرت نے ان کے اندر ڈال رکھا ہے اور نسل انسان کی بقا کا راز اسی کے اندر ہے لیکن اگر انسان اس خواہش کے استعمال میں کسی حدومرز کا قائل نہ ہو تو ایسی صورت میں انسانی معاشرے میں لاقانونیت کی کیفیت پیدا ہو جائے گی اور اس کی تباہ کاریاں کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں امریکہ اور مغربی ترقی یافتہ ملکوں میں لاکھوں کی تعداد میں ناجائز بچوں کا وجود اسی خواہش کو مکمل طور پر آزاد چھوڑ دینے کا نتیجہ ہے ایڈس اور جنسی بیماریاں کہ جن میں متمدن کہلانے والی دنیا کے اکثر ملک گرفتار ہو چکے ہیں اس خواہش کے بے جا استعمال کا نتیجہ ہے اور آج یہ بیماریاں ان کے سامنے ایک بڑا چیلنج بن کر ابھر رہی ہیں

جنسی خواہشات کی طرح انسان کے اندر "خودخواہی" اور "حسن انتقام اور غصہ" جیسی باطنی خواہشات

پائی جاتی ہیں جن میں سے ہر ایک زندگی کی اساس اور بنیاد شمار ہوتی ہیں، مثلاً "خود خواہی "انسان کی بقا کا راز ہے اگر ایک دن انسان سے اپنے آپ سے محبت کرنے کی خواہش چھین لی جائے تو ایسی صورت میں استمرار حیات کے لئے انسان تلاش وکوشش کرنے سے رک جائے گا اور خطرے کے وقت اپنا دفاع کرنے کے لئے کھڑا نہیں ہوگا آخر کار اس کی زندگی کا چراغ خاموش ہو جائے گا۔ دوسری طرف اگر اس کی یہ خواہش اعتدال سے زیادہ ہو جائے اور وہ ہر چیز کو صرف اپنے لئے چاہنے لگے تو اس صورت میں بھی بدبختی، ظلم اور بے عدالتی کے رواج کے علاوہ کوئی اور نتیجہ نہیں نکلے گا۔

غصہ بھی ایک فطری چیز ہے کہ جو بقائے حیات کے سلسلے میں ایک مثمر کردار رکھتی ہے غصہ وانتقام لینے کی خصلت خطرات کے موقعوں پر انسان کو اپنے اندر کی تمام مادی اور روحانی طاقتوں کے ساتھ دفاع کے لئے تیار کرتی ہے اور اگر کسی کے اندر یہ احساس نہ ہو تو وہ فردی اور اجتماعی حقوق کے دفاع کے میدان میں تسلط پسند لوگوں کی خواہشات تلے دب جائے گا اور خطرے کے وقت اپنی جان کی حفاظت اور دفاع کی طاقت نہیں رکھے گا۔ لیکن اگر اس خواہش میں بھی زیادہ روی سے کام لیا جائے تو ایسی صورت میں معاشرہ تباہ اور ظلم وستم عام ہو جائے گا انسان کے اندر موجود دیگر خواہشات کا بھی یہی حال ہے کہ جن کا اعتدال میں ہونا انسان کے لئے از بس ضروری ہے لیکن ان میں افراط وتفریط، کمی زیادتی نسل انسانی کے لئے تباہی کا سامان فراہم کرے گی۔[1]

اگر خواہشات کنٹرول نہ ہوں

اگر انسان کی خواہشات کنٹرول نہ ہوں اور ان کو اعتدال میں نہ رکھا جائے، ہر فرد بشر دیوانے کی طرح اپنی سرکش خواہشات کو پورا کرنے کی فکر میں ہو تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ انسان کا قصر حیات منہدم ہو جائے گا اور قتل و غارتگری اور ظلم و بے انصافی عام ہو جائے گی طبقاتی نظام اور دوسری دسیوں سماجی مشکلات انسان کا دائرہ حیات تنگ کر دیں گی، اس لئے کہ انسان کی حیوانی خواہشات کبھی سیر نہیں ہوتی ہیں جتنا ان کو آزاد چھوڑ دیا جائے اتنا ہی وہ بڑھتی جائیں گی۔

نبی اکرم صلی اللہ علی وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"لو کان لبنی آدم وادیان من ذهب لابتغی وراهما ثالثا " [2]

''اگر انسان کے پاس سونے سے بھری دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کی بھی خواہش کرے گا''

امام خمینیؒ اپنی کتاب اربعین حدیث ''چہل حدیث'' کی حدیث اول کی شرح میں اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:

''ہماری خواہشات اور آرزوؤں کی کوئی حد نہیں ہے مثلاً شہوت کی خواہش ''قوہ شہویہ'' انسان کے اندر اس طرح ہے اگر بفرض محال ایک شہر کی عورتیں اسے ملی جائیں بھی وہ دوسرے شہر کی عورتوں کی طرف متوجہ ہوگا اگرچہ یہ فرض محال ہے لیکن پھر بھی شہوت کا یہ تنور اسی طرح روشن ہے''۳

اگر مال و دولت کی ہوس انسان پر غالب آجائے تو زمین کے سارے خزانے اس کو قانع نہیں کر سکتے اگر مقام و منصب کی شہوت اور خواہش غالب آجائے تو پوری زمین کی حکومت اس کے لئے کافی نہیں ہوگی بلکہ ایسے میں وہ آسمانوں پر اپنی قدرت اور حکومت کا پرچم گاڑنا چاہے گا۔

﴿ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَاهَامَانُ ابْنِ لِي صَرْحًا لَعَلِّي أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ . أَسْبَابَ السَّمَاوَاتِ فَأَطَّلِعَ إِلَى إِلَهِ مُوسَى وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ كَاذِبًا وَكَذَلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوءُ عَمَلِهِ وَصُدَّ عَنْ السَّبِيلِ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي تَبَاب ﴾۴

''اور فرعون نے کہا کہ ہامان میرے لئے ایک قلعہ تیار کر کہ میں اس کے اسباب تک پہنچ جاوں۔ جو آسمان کے راستے ہیں اور اس طرح موسی کے خدا کو دیکھ لوں اور میرا تو خیال یہ ہے کہ موسی جھوٹے ہیں اور کوئی خدا نہیں ہے۔ اور اسی طرح فرعون کے لئے اس کی بدعملی کو آراستہ کر دیا گیا اور اسے راستہ سے روک دیا گیا اور فرعون کی چالوں کا انجام سوائے ہلاکت اور تباہی کے کچھ نہیں ہے''

اگر شہوت شکم انسان پر غالب آجائے تو انسان کسی بھی حق کو پایمال کرنے سے باز نہیں آئے گا اگر شہوت غضب کا غلبہ ہو جائے تو قتل و غارت اور خونریزی کا بازار گرم ہو جائے گا نتیجہ میں یہ کرہ ارض جو انسان کی پرورشگاہ ہے تباہ و برباد ہو جائے گا، شہوات اور خواہشات کی حکمرانی ہو تو انسان کی عقل تک اسیر ہو جاتی ہے اور پھر انسان جو کچھ کرتا ہے نفسانی خواہشات کے مطابق کرتا ہے اور عقل کی لگام بھی انہی کے ہاتھوں میں چلی جاتی ہے۔ خواہشات کے انھیں حالات کو "ہوا پرستی " کہا جاتا ہے کہ جس کو احادیث میں بت پرستی سے بھی زیادہ خطرناک شمار کیا گیا ہے، اس لئے کہ بت پرستی کی اصلی وجہ بھی یہی "ہوا پرستی " ہے

پیغمبر اسلامؐ خواہشات کے بت کو ہر بت سے بدتر سمجھتے ہیں اور فرماتے ہیں:

''ما تحت ظل السما من اله یعبد من دون الله اعظم عند الله من هوی شبع'' ۵

(خداوند تعالی کے نزدیک آسمان کے نیچے کوئی بت ہوائے نفس سے بڑھکر نہیں ہے کہ جس کی عبادت کی جاتی ہے)

ایک اور حدیث میں آیا ہے

"ابغض اله عبد علی وجه الارض الهوی "٦

"منفور ترین بت کہ جس کی روئے زمین پر پرستش کی گئی ہے ہوا و ہوس ہے"

یہاں پر ہم بطور اختصار خواہشات اور ہوائے نفس کے کنٹرول نہ کرنے کے برے نتائج پر روشنی ڈالتے ہیں۔

خواہشات نفسانی کو بے لگام چھوڑنے کے نتیجہ میں انسان بلند اور عظیم انسانی و اخلاقی مقامات سے غافل ہو جاتا ہے۔

"ولا تطع من اغفلنا قلبه من ذکرنا واتبع هواه وکان امره فرطا "٧

ترجمہ: اور ہرگز اس کی اطاعت نہ کرنا جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے محروم کر دیا ہے اور وہ اپنے خواہشات کا پیروکار ہے اور اس کا کام سراسر زیادتی کرنا ہے۔

نفسانی خواہشات اور ہوا و ہوس کی بے چون و چرا پیروی عدالت اور انصاف کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔

"فلا تتبعوا الهوی ان تعدلوا "٨

ترجمہ: لہذا خبردار خواہشات کا اتباع نہ کرنا تا کہ انصاف کر سکو۔

۔ہوس پرستی، حق پسندی کا نقطہ مقابل ہے اور یہ انسان کو راہ خدا سے خارج کر دیتی ہے۔

"فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الهوی فیضلک عن سبیل الله ان الذین یضلون عن سبیل الله لهم عذاب شدید "٩

ترجمہ: لہذا تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور خواہشات کا اتباع نہ کرو کہ وہ راہ خدا سے منحرف کر دیں بیشک جو لوگ راہ خدا سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لئے شدید عذاب ہے۔

اگر زمین و آسمان کا نظام لوگوں کی ہوا و ہوس کے مطابق چلے تو پوری کائنات کو فساد و تباہی گھیر لے گی۔

"ولو اتبع الحق اهواهم لفسدت السماوات والارض ومن فیهن "١٠

ترجمہ: اور اگر حق ان کے خواہشات کا اتباع کر لیتا تو آسمان و زمین اور ان کے مابین جو کچھ بھی ہے سب تباہ و برباد ہو جاتا۔

۔ہوا و ہوس کی پیروی اور ان کو کنٹرول نہ کرنا انسان کے دین و عقل کے زوال کا سبب بنتا ہے۔

(ہوس کے ہوتے ہوئے دین باقی نہیں رہتا ہے)

"ولا عقل مع هوی "[۱۲]

ہوا وہوس کے ہوتے ہوئے عقل باقی نہیں رہتی ہے۔

(خواہشات نفس کے انہیں خطرناک نتائج کی وجہ سے احادیث میں ان کی بے قید وشرط پیروی کرنے سے سخت منع کیا گیا ہے۔)

امام علیؑ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

"ان اخوف ما اخاف علیکم اثنان اتباع الهوی وطول الامل اما اتباع الهوی فیعبد عن الحق واما طول الامل فینسی الآخره "[۱۳]

(تمہارے بارے میں مجھے دو چیزوں کا سب سے زیادہ خوف ہے خواہشات نفس کی پیروی اور لمبی لمبی آرزوئیں، اس لئے کہ خواہشات کی پیروی حق سے روک دیتی ہے اور لمبی آرزوئیں آخرت کو فراموش کرا دیتی ہیں۔)

آپ ایک حدیث میں فرماتے ہیں:

"اقمعوا هذه النفوس فانها طلق ان تطیعوها تنزع بکم الی شر غای "[۱۴]

اپنے ان سرکش نفسوں کو لگام دو کہ جو آزاد اور بے لگام ہیں اگر تم ان کی پیروی کرو گے تو تمہیں بدترین جگہ پر پھینک دیں گے۔

نبی اکرمؐ نے فرمایا ہے:

"اعدی عدوک نفسک التی بین جنیک "[۱۵]

(تمہارا سب سے سخت دشمن وہ نفس ہے جو تمہارے دو پہلوں کے درمیان میں ہے)

خواہشات کو کنٹرول کرنے کے طریقے

خواہشات نفس کی پیروی کے خطرناک نتائج سے آشنائی پیدا کرنے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خواہشات کو کیسے کنٹرول کیا جاسکتا ہے اور کیسے اعتدال میں رکھا جاسکتا ہے؟

ابتدائی طور پر خواہشات کو کنٹرول کرنے کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل طریقوں کا تصور ذہن میں آسکتا ہے آیئے دیکھتے ہیں کہ ان میں سے کون سا طریقہ اس بات کی صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ انسان کی سرکش حیوانی خواہشات

کو کنٹرول کر سکے۔

"الف "علم اور خواہشات کا کنٹرول

یونان کے دو مشہور دانشوروں سقراط اور ارسطو کا یہ نظریہ تھا کہ انسانی خواہشات کو علم و دانش کے سایہ میں اعتدال میں رکھا جا سکتا ہے علم کے ذریعہ انسان اچھائیوں کی طرف آتا ہے اور برائیوں سے دوری اختیار کرتا ہے اخلاقی کمالات کی طرف رغبت پیدا کرتا ہے اور رذیلتوں سے دور رہتا ہے۔[۱۶]

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ علم خواہشات کو کنٹرول کرنے میں مفید ہے اور بعض جرائم کو بڑھنے سے روکتا ہے لیکن یہ بات کسی بھی صورت میں قابل قبول نہیں ہے کہ علم خواہشات کے کنٹرول میں ایک مکمل اور یقینی رول نبھا سکتا ہے بڑے بڑے تعلیم یافتہ لوگوں کا اپنے علم کے برخلاف عمل کرنا اور تعلیمی مراکز میں روز بروز اخلاقی برائیوں میں اضافہ اس دعوے کو باطل ثابت کر دیتا ہے۔

" کتنے ایسے پڑھے لکھے لوگ ہیں جو شراب اور ناجائز جنسی تعلقات کے خطرناک نقصانات کا دلیل و تحقیق کے ساتھ علم رکھتے ہیں لیکن عملی میدان میں ان برائیوں میں مبتلا ہیں ان کا علم اور ان کی تحقیقات ان کو ان برائیوں میں گرفتار ہونے سے نہیں روک سکیں، بلکہ یہ دنیا بارہا کچھ پڑھے لکھے جاہ طلب لوگوں کے ذریعہ خون سے رنگین ہوئی اور پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے دوران ایسے ہی لوگوں نے لاکھوں انسانوں کو ہلاک کر دیا لہذا علم و دانش انسان کی خواہشات نفس کو صحیح اور مکمل طریقے سے کنٹرول اور اعتدال میں نہیں رکھ سکتیں ہیں "[۱۷]

بلکہ اس کے برعکس "دور حاضر کے معاشروں کی یہی علمی طاقت ان کی خود خواہی، خود پرستی، جاہ طلبی، استعمار و استثمار، مکر و فریب میں صرف ہوئی ہے"

چند سال قبل اخبارات میں یہ خبر چھپی تھی کہ یورپ کے کسی ملک میں شراب کے مضر اثرات کے موضوع پر ایک سیمینار ہوا تھا اور اس میں بہترین اور تحقیقی مقالات لکھنے والوں کو بڑے بڑے انعامات سے نوازا گیا تھا سیمینار میں شرکت کرنے والے بعض افراد نے چند روز بعد شہر کی ایک سڑک کے کنارے ایک شخص کو بے ہوشی کے عالم میں دیکھا، وہ نزدیک گئے تو ان کو پتہ چلا یہ وہی پروفیسر ہے جس نے چند روز قبل "شراب کے مضر اثرات" کے موضوع پر مقالہ لکھنے پر پہلا انعام پایا تھا اور اب شراب نوشی کی وجہ سے یہاں بے ہوش پڑا ہے۔

اس طرح کے سیکڑوں واقعات جن سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ تنہا کسی چیز کے خطرات کا جاننا اور علم رکھنا اس چیز سے باز رہنے کے لئے کافی نہیں ہے۔

"ب" عقل اور خواہشات پر کنٹرول

بعض لوگوں کا نظریہ ہے کہ عقل وخرد کے سایہ میں انسان کی بے لگام اور سرکش خواہشات نفسانی کو کنٹرول کیا جاسکتا ہے اور جرائم وفسادات کو روکا جاسکتا ہے لیکن اگر غور سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ عقل شہوت کے دیو کو کنٹرول نہیں کرسکتی ہے۔ ٹھیک ہے عقل کسی حد تک بعض خواہشات کو طغیانی سے روک سکتی ہے لیکن عقل شہوت کے دیو کے سامنے ویسی ہی ہے جیسے ایک تنکا سمندر کی تیز موجوں کے مقابلہ میں ہو، یا ایسا ضعیف چراغ جو تاریک اور ظلمت سے بھری وادی میں ہو۔

" کار عقل وھوش نیست شیر باطن سخرہ خرگوش نیست "۱۸

(ھوس وشہوت کو روکنا عقل کا کام نہیں ہے انسان کے باطنی شہوت کے شیر کو خرگوش کے ذریعہ لگام نہیں دی جاسکتی ہے)

" عقل طبیعی حالات میں زندگی کے مختلف پہلوں میں روشنی بخشتی ہے اور انسان کو تباہی کے دلدل میں گر جانے سے روکتی ہے لیکن جب خواہشات کی طغیانی ہو تو ایسے حالات میں عقل کا چراغ اتنا دھیما پڑ جاتا ہے کہ بڑے بڑے انسان بھی راستہ کھو بیٹھتے ہیں اور سرکش نفسانی ہوا وہوس کے دریا میں غرق ہو جاتے ہیں "۱۹

امام علیؑ فرماتے ہیں:

"کم من عقل اسیر تحت ھوی امیر "۲۰

(کتنے انسانوں کی عقل ان کی ھوس کی اسیر ہے)

آپ ایک اور حدیث میں فرماتے ہیں

"ذھاب العقل بین الھوی و الشھوۃ "۲۱

(شہوت وہوس کے ہوتے ہوئے عقل چلی جاتی ہے)

"ج" قانون اور خواہشات کا کنٹرول

علم اور عقل کسی حد تک انسان کے باطن اور اندرون میں خواہشات کے کنٹرول میں مددگار ہیں جبکہ قانون بیرونی اور خارجی سطح پر خواہشات کو کنٹرول کرتا ہے قانون کا مطلب انسانوں کو بیرونی سطح پر کنٹرول کرنا۔ قانون اس لئے ہے تاکہ اگر کوئی خلاف ورزی کرے تو اس کا گریبان پکڑ کر اس کو سزا دی جائے لیکن قانون کا دائرہ بہت محدود ہے قانون خلوت اور تنہائی میں کچھ کرنے سے معذور ہے قانون صرف جلوت اور ظاہر میں کارساز

ہے جبکہ اکثر جرائم، اور خلاف ورزیاں مخفیانہ اور خلوت میں ہوتی ہیں۔

دوسرے اگر قانون کو نافذ کرنے والے ہی قانون کی خلاف ورزی کریں گے تو قانون کیا کر سکتا ہے؟ اگر قانون بنانے اور اس کو نافذ کرنے والوں کی ہی خواہشات سرکش ہو جائیں تو ایسے میں خود قانون ہی ظالموں اور مجرموں کے فائدہ اور حق میں بنے گا اور مظلوموں وستم رسیدہ لوگوں کے نقصان اور ضرر میں ہوگا۔

آج کل ماڈرن دنیا کے چور ڈاکو اور مغرب کا سیاسی اور اقتصادی مافیا ایسے ہی طریقوں سے مظلوموں کی دنیا کو لوٹ رہا ہے۔

بہت سے انسانی تعلقات یہاں تک کہ خود قانون اور اس کا نفاذ بھی ایک قسم کے باطنی اور اندرونی کنٹرول پر منحصر ہے لہذا بشریت ایک ایسے کنٹرول کی محتاج ہے جو انسان کے دل وجان میں موجود ہو اور افراد بشر دلی اور ذاتی طور پر اس کے پابند ہوں۔

"د "ایمان اور خواہشات کا کنٹرول

ایمان کے علاوہ جتنی بھی چیزیں ہیں عقل، علم، قانون اور آرٹ یہ سب انسان کے ہاتھ میں ایسے اوزار اور وسیلے ہیں جن کو انسان اپنی خواہشات کی تسکین اور میلانات کو پورا کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے انسان ان چیزوں سے اپنے مقاصد اور ہوائے نفسانی کے لئے بطور وسیلہ فائدہ اٹھاتا ہے صرف ایمان وہ طاقت ہے (وہ بھی ایسا ایمان جس کی پیامبران الٰہی دعوت دیتے ہیں) جو قرآن کے الفاظ میں ایک طرف روح کو ایک نئی زندگی دیتا ہے یعنی انسان کے سامنے کچھ بلند، انسانی اور مافوق طبیعی اہداف، اور نئی آرزوئیں وجود میں لاتا ہے اور نتیجہ میں ایسے احساسات اور جذبات خلق کر دیتا ہے جو انتہائی لطیف اور دقیق ہوتے ہیں اور یوں انسان کی باطنی اور اندرونی دنیا کو بالکل بدل دیتا ہے اور اسے کافی وسعت عطا کرتا ہے ساتھ ہی دوسری طرف اس کی فطری خواہشات اور میلانات کو اعتدال میں رکھتا ہے اور ان کو لگام دیتا ہے۔[۲۳]

"خواہشات کو اعتدال میں رکھنے اور ان کو کنٹرول کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ معاشرے میں احساس ذمہ داری پیدا کیا جائے، یعنی معاشرے کے افراد اپنے آپ کو ایک ایسی مطلق و برتر قدرت کے مقابلہ میں جواب دہ تصور کریں جو ہر وقت، تنہائی اور خلوت وجلوت میں ان کے اعمال پر ناظر ہے ان کے اندر یہ اعتقاد راسخ ہو کہ خواہشات کی تسکین کے لئے جو لوگ زیادہ روی سے کام لیتے اور میانہ روی سے انحراف کرتے ہیں ان کو سخت سزا کا سامنا کرنا ہوگا۔ اس طرح کا احساس ذمہ داری صرف خدا پر ایمان کے سایہ میں وجود میں آ سکتا ہے وہ خدا جو عالم و

قادر، حاضر وناظر، سمیع وبصیر (سننے اور دیکھنے والا) اور جو انسان کے ظاہر و باطن سے آگاہ ہے "۲۴

ایمان کے سایہ میں انسان اس خدا سے آشنا ہو جاتا ہے جو انسان کے ظاہر و باطن سے آگاہ ہے وہ خدا کہ جس سے زمین و آسمان کی کوئی چیز مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے حتی آنکھوں کی پلکوں کے اشارے اور دلوں کے دبیز پردوں میں جو کچھ پوشیدہ ہے وہ اس سے بھی آگاہ ہے۔

"یعلم خائنة الاعین وما تخفی الصدور "۲۵

ترجمہ: وہ خدا نگاہوں کے اشاروں کو بھی جانتا ہے اور دلوں کے چھپے ہوئے بھیدوں سے بھی باخبر ہے۔

"عالم الغیب لا یعزب عنه مثقال ذرة فی السماوات ولا فی الارض ولا اصغر من ذلک ولا اکبر الا فی کتاب مبین "۲۶

ترجمہ: وہ عالم الغیب ہے اس کے علم سے آسمان وزمین کا کوئی ذرہ دور نہیں ہے اور نہ اس سے چھوٹا اور نہ بڑا بلکہ سب کچھ اس کی روشن کتاب میں محفوظ ہے۔

وہ خدا جو روز جزا کا حاکم اور داور ہے اور اسی روز وہ انسانوں کا وہ نامہ اعمال کھولے گا جو خطا اور غلطیوں سے پاک فرشتوں نے تیار کیا ہے اور وہ اپنی قدرت لایزال کے ذریعہ ہمارے کردار کی حقیقت کو ہمیں دکھائے گا اور اپنے شکست ناپذیر ارادے کے ذریعہ ہمارے تمام اعضائے بدن کو قوت گویائی دے گا اور ان کو ہمارے اعمال پر گواہ بنائے گا۔

"الیوم نختم علی افواههم وتکلمنا ایدیهم وتشهد ارجلهم بما کانوا یکسبون "۲۷

ترجمہ: آج ہم ان کے منھ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ بولیں گے اور ان کے پاں گواہی دیں گے کہ یہ کیسے اعمال انجام دیا کرتے تھے۔

وہ خدا جو انسان کی ذرہ برابر نیکی یا بدی کا ضرور بدلہ دے گا۔

"یومئذ یصدر الناس اشتاتا لیروا اعمالهم فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره ومن یعمل مثقال ذره شرا یره "۲۸

ترجمہ: اس روز سارے انسان گروہ گروہ قبروں سے نکلیں گے تا کہ اپنے اعمال کو دیکھ سکیں۔ پھر جس شخص نے ذرہ برابر نیکی کی ہے وہ اسے دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہے وہ اسے دیکھے گا۔

"یہی وہ راسخ اور مضبوط اعتقاد ہے جو خواہشات کو کنٹرول کرنے کا سب سے بڑا عامل اور انسانی اصولوں کے نفاذ کی ضمانت ہے درحقیقت یہ وہ قیمتی خزانہ اور گرانبھا سرمایہ ہے جو عظیم آسمانی پیشواؤں کی طرف سے بشریت کو

یادگار تحفہ کے طور پر دیا گیا ہے انسانیت کا فرض ہے کہ اس کی ایک قیمتی میراث کی طرح حمایت اور حفاظت کرے "۲۹

خداوند متعال کی نگرانی کا احساس، قیامت کے سخت عذاب کا خیال اور موت کے بعد پیش آنے والے مختلف مراحل پر پورا اعتقاد انسان کے باطن کو گناہوں کے مقابلہ میں پتھر سے بھی زیادہ مضبوط بنا دیتا ہے اور تمام امکانات کے باوجود مومن انسان گناہوں سے دوری اختیار کر لیتا ہے۔

خواہشات کو کنٹرول کرنے کا ایک انداز

ابن سیرین جن کو خدا نے تعبیر خواب کی صلاحیت عطا کی تھی جوانی میں ایک بزاز کی دکان میں کام کرتے تھے ابن سیرین نہایت خوبصورت مگر دیندار اور پرہیز گار جوان تھے ایک دن ایک عورت دکان پر کپڑا خریدنے آئی بہت سارا کپڑا خریدنے کے بعد دکاندار سے کہا کہ اپنے اس غلام کو میرے ساتھ بھیج دو تا کہ یہ کپڑے میرے گھر تک پہنچا دے، دکاندار نے ابن سیرین سے کہا جاؤ اس عورت کے کپڑے اس کے گھر پہنچا دو۔ جب اس خوبصورت جوان نے کپڑے اس عورت کے گھر پہنچائے تو عورت نے اندر سے دروازہ بند کر لیا اور ابن سیرین سے تقاضا کیا کہ اس کے ساتھ غیر شرعی فعل (زنا) انجام دے، دیندار جوان نے کہا:

محترمہ آپ تو ایک معزز اور دولت مند گھر کی عورت ہیں میں ایک فقیر آدمی ہوں۔

ابن سیرین نے اس ہوس ران عورت کو خدا اور آخرت کی یاد دلائی اور کافی وعظ و نصیحت کی مگر وہ کسی بھی طرح اپنے تقاضے سے باز آنے کے لئے تیار نہیں ہوئی اور ابن سیرین کو دھمکی دی کہ دیکھو اگر تم میرا مطالبہ نہیں مانو گے تو میں شور مچا دوں گی کہ یہ جوان میری عفت پر حملہ کرنا چاہتا تھا اور پھر معلوم ہے کہ تمہارا انجام کیا ہوگا۔ لہذا بہتر ہے کہ تم میرا مطالبہ فوراً مان لو۔

جب ابن سیرین نے دیکھا کہ یہ عورت کسی بھی طرح باز آنے والی نہیں ہے تو خدا نے ان کے ذہن میں اس گناہ سے بچنے کے لئے ایک خیال ڈالا۔ اس نے عورت سے کہا کہ جب تمہارا اصرار ہے تو مجھے اجازت دو کہ میں اپنا منہ ہاتھ دھولوں۔ عورت نے کنیز سے کہا اس جوان کو حمام دکھا تا کہ یہ منہ ہاتھ دھو لے۔

حمام میں ابن سیرین نے پاخانہ کی غلاظت اپنے منہ پر مل لی اور اپنے سارے چہرے کو خراب کر کے اس عورت کے کمرے میں داخل ہوئے، جوں ہی اس عورت کی نظر ابن سیرین کے منہ پر پڑی اس نے فوراً دروازہ کھول دیا اور ابن سیرین سے کہا جلدی میرے گھر سے باہر نکلو اور مجھ سے دور ہو جاؤ۔ ۳۰

"اسلام ایک معتبر الٰہی دین ہے اور انسان کے وجود کے بہت اندر نفوذ رکھتا ہے دوسری طرف چونکہ یہ دین انسان کی فطرت پر تکیہ کرتا ہے لہذا اس میں یہ قدرت ہے کہ ایک فرد کو اس کی اپنی ہی تباہ کاریوں کے خلاف اکسائے اور بھڑکائے اور اس کے اندر اپنے ہی خلاف انقلاب پیدا کرے اسی کا نام "توبہ " ہے۔[۳۱]

روز قیامت پر ایمان کے مثبت اثرات

"مراقبہ اور محاسبہ "تربیت کے دو اہم عوامل ہیں مراقبہ کے ایک معنی یہ ہیں کہ انسان کو یہ علم ہو کہ کوئی اس کا نگران اور نگہبان ہے اور اس کے تمام حالات پر نظر رکھے ہوئے ہے بلکہ اس سے بڑھ کر اس کے باطن اور اندر کے اسرار بھی اس کے سامنے آشکار ہیں۔

اس حقیقت کی طرف توجہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان ہر حالت میں اپنے آپ کو بیدار اور ہوشیار رکھے گا "محاسبہ "اور اس بات کی طرف توجہ کہ اس کے تمام اعمال چھوٹے ہوں یا بڑے، کا ایک دن حساب ہوگا اور ان کا عدالت کے مطابق جواب لیا جائے گا، اس بات کا سبب بنتا ہے کہ انسان اپنے کاموں کی انجام دہی میں دقیق اور سخت گیر ہوگا۔[۳۲]

آج کل اکثر ترقی یافتہ ملکوں میں گاڑیوں اور خلاف ورزی کرنے والے لوگوں کی رفت و آمد کو مخفی کیمروں کے ذریعہ کنٹرول کیا جاتا ہے اور پولیس اپنے ایک مرکز میں بیٹھ کر ان پر نظر رکھتی ہے اور خلاف ورزی کرنے والوں پر گشتی پولیس یا ٹیکس جمع کرنے کی جگہوں پر روک کر جرمانہ کیا جاتا ہے اس نگرانی اور جرمانہ کی طرف توجہ اس بات کا موجب بنتی ہے کہ ڈرائیور گاڑیوں کی رفت و آمد کو اعتدال میں رکھیں۔ یوں سڑکوں پر اور شہروں میں یہاں تک کہ بیابانوں میں بھی ایک مخصوص نظم و قانون حکم فرما ہو جاتا ہے۔

اگر ایک جائز الخطا انسان کی نگرانی کا اتنا اثر ہوتا ہے تو اس خداوند تبارک و تعالی کی دائمی نگرانی کا اثر کتنا عمیق اور گہرا ہوگا، جو انسان کے اندر اور باہر کے اسرار سے آگاہ ہے اور جس کی عدالت میں ایک ذرہ کے برابر بھی نیکی و بدی کا حساب لیا جائے گا۔

"فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره ومن یعمل مثقال ذره شرا یره "[۳۳]

ترجمہ: پھر جس شخص نے ذرہ برابر نیکی کی ہے وہ اسے دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہے وہ اسے دیکھے گا۔

عدالتوں، سزا اور جرمانوں کا مقصد بھی نظم و قانون برقرار کرنا اور انسانوں کی تربیت ہے لیکن دنیا کی

ان عدالتوں میں کبھی نظر ثانی ہوتی ہے اور کبھی رشوت وسفارش کی وجہ سے فیصلہ حق کے مطابق نہیں دیا جاتا ہے اس کے علاوہ قانونی پیچیدگیاں، تبصرے، اور جعلی کاغذات بنا کر مجرم اپنے کو عدالت کے چنگل سے نجات دے دیتا ہے کبھی کبھی ان عدالتوں میں مجرم قانونی جنگ کی بنیاد پر اپنی سزا کو سالہا سال تک ٹلوا سکتا ہے لیکن آخرت کی عدالت میں اس طرح کا کوئی نقص نہیں ہے بلکہ وہاں کی جزا وسزا کافی حد تک اس دنیا کی طبیعی اشیا کی خاصیت سے مشابہ ہے کیا ایک شفا بخش دوا یا زہر کی تاثیر کو جعلی اور جھوٹے کاغذات تیار کر کے یا سفارش ورشوت دے کر بدلا جا سکتا ہے؟

بے شک ایک ایسی عدالت پر ایمان انسان کی تربیت اور پاکیزگی کے سلسلہ میں عام عدالتوں کی نسبت زیادہ موثر ہے۔

امام علیؑ نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں کہ:

"واللہ لان ابیت علی حسک السعدان او اجر فی الاغلال احب الی من ان" القی اللہ ورسولہ یوم القیامہ ظالما لبعض العباد و غاصبا لشیء من الحطام... "۳۴

ترجمہ: خدا گواہ ہے کہ میرے لئے سعدان کی خاردار جھاڑی پر جاگ کر رات گزار لینا یا زنجیروں میں قید ہو کر کھینچا جانا اس امر سے زیادہ عزیز ہے کہ میں روز قیامت پروردگار سے اس عالم میں ملاقات کروں کہ میں نے کسی بندہ پر ظلم کیا ہو یا دنیا کے کسی معمولی مال کو غصب کیا ہو۔

امام علی علیہ السلام کے ان کلمات میں روز قیامت پر ایمان کا خواہشات پر کنٹرول، گناہوں اور نفاذ عدل کے سلسلہ میں گہرا اثر صاف اور روشن دکھائی دیتا ہے یہ قیامت اور عدل الٰہی کے ذریعہ خواہشات اور نفس کی سرکشی کو کنٹرول کرنے کا ایک زندہ نمونہ ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کو یاد کرنے کے آثار کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

"اکثروا ذکر الموت فانہ ممحض الذنوب ویزھد فی الدنیا فان ذکر تموہ عند الغنی ھدمہ وان ذکر تموہ عند الفقر ارضاکم بعیشکم "۳۵

(موت کو زیادہ یاد کرو) کیونکہ اس کے چار اثر ہیں:

موت کی یاد گناہوں سے پاک کرتی ہے۔

دنیا کی بے جا محبت کو کم کرتی ہے۔

اگر بے نیازی کی حالت میں اس کو یاد کرو گے تو سرکشی سے تم کو بچا لے گی۔

اگر فقر وتنگدستی کے عالم میں اس کو یاد کرو گے تو تمہیں زندگی سے راضی کرے گی"

حضرت امام صادق علیہ السلام خواہشات کنٹرول کرنے میں موت اور قیامت کی یاد کے رول کے متعلق فرماتے ہیں:

ذکر الموت یمیت الشھوات

موت کی یاد شہوات کو ختم کر دیتی ہے۔

یقلع منابت الغفل

غفلت کی جڑوں کو کاٹ دیتی ہے۔

'' یرق الطبع "انسان کی طبیعت کو لطیف بنا دیتا ہے۔

ویکسر اعلام الھوی

ہوس کی نشانیوں کو توڑ دیتی ہے۔

ویطفی نار الحرص و یحقر الدنیا

لالچ کی آگ کو خاموش اور دنیا کو انسان کی نظروں میں چھوٹا بنا دیتی ہے۔

اس کے بعد امام فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا کہ ایک گھنٹہ فکر کرنا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے تو اس کا مطلب اپنے مستقبل کی فکر کرنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد خدائی عدالت کے حساب و کتاب اور وہاں کی باز پرس کی فکر کرنا اور اس عدالت میں جواب دینے کے لئے تیار ہونا ہے۔ ۳۶

حوالے

۱۔ جعفر سبحانی، راہ خداشناسی، ص/۲۲

۲۔ مجموعہ ورام، ج/۱ص/۱۷۱

۳۔ امام خمینیؒ اربعین حدیث، ج/۱ص/۱۹

۴۔ غافر/۳۶۔۳۷

۵۔ محمدی ری شہری، میزان الحکمۃ، ج/۴ص/۳۴۷۸۔ ج/۲۱۰۰

۶۔ مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، ج/۱۵ص/۱۰۳

۷۔ کہف/۲۸

۸۔ نساء/۱۳۵

۹۔ ص/۲۶

۱۰۔ مومنون/۷۱

۱۱۔غرر الحکم، ج/۲ح/۱۰۷۷۴

۱۲۔ غرر الحکم، ج/۲ح/۱۰۷۷۵

۱۳۔نہج البلاغہ خطبہ/۲۸و۴۲

۱۴۔ غرر الحکم، ج/۲ص/۴۸۷

۱۵۔بحار الانوار، ج/۷۰ص/۶۴

۱۶۔بریہ تاریخ فلسفہ، ص/۳۰۴

۱۷۔جعفر سبحانی، نظام اخلاق اسلام، ص/۱۴

۱۸۔مولوی، بہ نقل از سیر در سیرہ نبوی، ص/۱۵

۱۹۔ جعفر سبحانی، نظام اخلاق اسلام، ص/۱۵

۲۰۔محمدی ری شہری، منتخب میزان الحکمۃ، ص/۳۶۱

۲۱۔محمدی ری شہری، منتخب میزان الحکمۃ، ص/۳۶۰

۲۲۔انفال/۲۴

۲۳۔شہید مطہری، سیری از سیرہ نبوی، ص/۱۵

۲۴۔جعفر سبحانی، خداشناسی، ص/۲۳

۲۵۔غافر/۱۹

۲۶۔سبا/۳

۲۷۔یاسین/۶۵

۲۸۔زلزال/۶، ۷، ۸

۲۹۔جعفر سبحانی، نظام اخلاق اسلام، ص/۱۹

۳۰۔داستان راستان، ج/۷ص/۲۲۱۰

۳۱۔شہید مطہری، انسان وایمان، ص/۷۶۔۷۷

۳۲۔مکارم شیرازی، پیام قرآن، ج/۵ص/۴۵

۳۳۔زلزال/۷و۸

۳۴۔نہج البلاغہ، خ/۲۲۴

۳۵۔نہج الفصاحہ، ابوالقاسم پاینده، ص/۸۳کلام۴۴۴

۳۶۔بحار الانوار، ج/۶ص/۱۳۳باب۴

کے درمیان خوف و ہراس پیدا کرنے اور انکی گھبراہٹ اور افراتفری سے ممکنہ استفادہ کرنے کے پیش نظر نیل سے فرات تک[۱۱] اپنی حکومت کے خواب کو ایک بار پھر شرمندۂ تعبیر بنانے کے لئے پہلے مرحلے میں رسول اعظمؐ کی شان میں گستاخانہ کارٹون شائع کئے اور دوسرے مرحلے میں سامرا کے مقدس مزارات کی بے حرمتی کی اور یہ وہ چیز ہے جو مدت سے انکی پالیسی میں شامل تھی چنانچہ ''جان لولمن'' انکا معروف دانشور صراحت کے ساتھ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے: ''جیسے بھی ہو ان لوگوں کو خوف و ہراس اور شک و تزلزل میں رکھا جائے تا کہ اپنی فکر سے صحیح سمت میں جانے کا اندازہ نہ کرسکیں ساتھ ہی شکوک اور خوف و ہراس کے ساتھ متعدد و متضاد خبروں کو نشر کیا جائے جس سے کوئی یہ اندازہ نہ کرسکے کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ یہی وہ صورت ہے جسے اپنا کر ہم انہیں ان کے مقصود سے دور کرسکتے ہیں اور یہی وہ وقت ہے جب ہم ان پر حملہ کر کے ان کی درونی کشمکش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے اہداف کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکتے ہیں۔''[۱۲]

اگرچہ یہ ان کی کوئی نئی سیاست نہیں ہے، قرآن نے بھی انکی اس چال کا تذکرہ یوں فرمایا ہے ''کفار کی تمنا یہی ہے کہ تم اپنے سارے ساز و سامان سے غافل ہو جاؤ تو یکبارگی تم پر حملہ کردیں لیکن اللہ نے کفر اختیار کرنے والوں کے لئے رسوا کن عذاب رکھا ہے۔''[۱۳]

۳- تہذیبی تصادم کا نظریہ

ابھی تک جو کچھ بھی مقدسات کی اہانت کے اسباب اور انکے محرکات کے بارے میں بیان کیا گیا، وہ تمام چیزیں ان قرائن اور شواہد پر مبنی تھیں جنہیں استکبار کی سیاست اور اس کے اصولوں کے پیش نظر بیان کیا گیا، ان میں سے ہر ایک کو مقدسات کی توہین میں دخیل مانا جاسکتا ہے لیکن ان تمام محرکات میں سب سے اہم یہی تہذیبی تصادم کا نظریہ ہے کہ جسکو دشمن نے اپنی اس Strategy اور لائحۂ عمل کی صورت میں مدون کیا اور گام بہ گام اس پر عمل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ وہ نظریہ ہے جسے The Clash of Civilaization کے نام سے ہاورورڈ یونیورسٹی کے استاد Samual Hantington نے ۱۹۹۲ء میں پیش کیا۔[۱۴] اور نہ صرف اس نظریے کو پیش کیا بلکہ ایک روزنامے کو انٹرویو دیتے ہوئے اس کی وضاحت بھی یوں کی کہ آج اسلامی تمدن مغرب کے سامنے ایک بڑی رکاوٹ ہے۔[۱۵]

آج مغربی ممالک میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کو روکنے کے لئے ضروری تھا کہ ایسے حادثات رونما کئے جائیں جنکی بنا پر تہذیبی تصادم سامنے آئے لہٰذا سب سے پہلے بش نے ۱۱ر ستمبر کے بعد یہ اعلان کیا کہ یا ہمارے ساتھ ہو جاؤ یا تم Terrorism کے حامی ہو۔ یہ تہذیبی تصادم کو ہوا دینے کی اولین کوشش تھی لیکن اس کوشش کو ناکام بناتے ہوئے اسلامی انقلاب کے رہبر نے فرمایا: ''نہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور نہ ہی دہشت گردی کی حمایت کرتے ہیں۔'' اس نظریے کے آنے کے بعد امریکا میں ایک نئی وزارت کی تاسیس ہوئی جس کا نام Fofalth

اسلامی دنیا میں ایک عظیم فکری انقلاب ایجاد ہوا ہے جس کی وجہ سے مسلمان گوشہ تنہائی سے باہر آ چکے ہیں عصر حاضر میں اسلام تنہا وہ مذہب ہے جو صف اول میں امپریالزم اور نظام سرمایہ داری کے خلاف جنگ کرتا ہوا دیکھائی دے رہا ہے اور امت اسلامی کی دیرینہ عظمت پلٹانے کی کوشش میں ہے۔

اسلام دور حاضر میں نظام سرمایہ داری سے ڈٹ کر مقابلہ کر رہا ہے اور جس مکتب نے سرمایہ دارانہ نظام کے فکری و فلسفی مبانی کو چیلنج کیا ہے اور اس پر سوالیہ نشان لگایا ہے وہ اسلام ہی ہے۔

لیبرل سرمایہ دارانہ نظام کے لیڈر جو اسلامی دنیا میں اپنے سامراجی منافع کو خطرہ میں پڑتا ہوا دیکھ کر وحشت زدہ اور سراسیمہ ہو کر اسلام کو لوگوں کی عملی زندگی سے نکال باہر کر دینے کی ناکام کوششیں کر رہے ہیں اور اپنے زعم ناقص میں ذرائع ابلاغ اور دیگر مادی و معنوی اسباب و وسائل کا وسیع پیمانہ پر سہارا لے کر اسلام کے سیاسی نفوذ کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور بیداری کی ان امواج کی روک تھام کے لئے مختلف بہانے طلاش کر رہے ہیں چنانچہ دنیا بھر میں دہشت گردی (ٹروریسٹ) سے مقابلہ کا شور شرابہ اسی پروپیگنڈہ کا ایک حصہ ہے۔

دور حاضر میں مستکبرین عالم اور دشمنان اسلام کے دو مقاصد ہیں۔

۱۔ دنیا والوں کے سامنے اسلام کا چہرہ داغدار کر کے اس کی جبر و تشدد بھری دہشت گردانہ تصویر پیش کرنا۔

۲۔ مسلمانوں کے درمیان مذہبی اور فرقہ وارانہ اختلاف پیدا کر کے ان کے درمیان پھوٹ ڈالنا۔

اور اس سلسلہ میں ان کی پروپیگنڈہ مشینری نے اس قدر وسیع پیمانہ پر زہر اگلا ہے کہ آج پورا عالمی سماج اس کی وجہ سے آلودہ ہو چکا ہے یہاں تک کہ اسلام اور دہشت گردی لازم و ملزوم سمجھے جاتے ہیں۔ جرمنی میں سولہویں کیتھولیک عالمی رہنما (پوپ پنڈیکٹ) کی (ریگنز بورک) یونیورسٹی میں تقریر اسلام کو بدنام کرنے کے لئے پہلے سے طے شدہ اسی سازش کا ایک حصہ تھا۔

اس نے اپنے اس بیان میں ـــــ مانوئل دوم قسطنطنیہ ـــــ چودہویں صدی کے مسیحی شہنشاہ سے نقل قول کرتے ہوئے کہا:

''پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا والوں کو تشدد اور دہشت گردی کے علاوہ اور کوئی تحفہ نہیں دیا'' [۱]

۱۔ مانوئل دوم نے اپنی کسی گفتگو میں ایک ایرانی مسافر سے اسلام کے سلسلہ میں اظہار خیال کرتے ہوئے اسلام پر یہ تہمت لگائی ہے جسے پوپ پنڈیکٹ نے اپنی تقریر میں کوڈ کیا ہے۔

اوراس میں کوئی شک نہیں کہ دنیائے مسیحیت کی سب سے بڑی شخصیت کا اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ایسا بیان دینا، اور مغربی ممالک کے اخبارات میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا توہین آمیز کارٹون چھپنا یہ سب اسلام کے خلاف استکبار کی سازشوں کا ایک حصہ ہے جن سے استکباری طاقتیں اپنے منحوس مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے استفادہ کرتی رہی ہیں (پہلی اور دوسری عظیم جنگیں) چھیڑنے والے مغربی سیاستداں، اجتماعی اسلحوں کی مدد سے بے گناہ انسانوں کو (ایٹمی بم سے جاپان پر حملہ کرنے والا امریکہ) اکھٹا موت کے گھاٹ اتارنے والے، مدنیت سے دور، قرون وسطائی عصبیت اور تشدد کو روا رکھنے والے، مذہب (عیسائیت) کو عقائد وافکار کی جستجو کے بہانے لوگوں پر تھوپنے والے، دین ومذہب کے نام پر ہزار ہا انسانوں کو آگ کے آلاو میں چھونکنے والے مغرب کے ظالم وجابر، جن کے سیاہ کارناموں کی فہرست کروڑوں بے گناہ انسانوں کے قتل وغارت، جبر وتشدد سے بھری پڑی ہے خود کو صلح پسند کا نام دیتے ہیں اور اخلاق مجسم، پیغمبر رحمت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اوران کے پیروکار مسلمانوں کو شدت پسند بتاتے پھرتے ہیں!

ایسے مسموم ماحول میں سیرت نبوی کے مختلف سیاسی، اجتماعی اور ثقافتی پہلوؤں کا بغور مطالعہ کرنا اور اسلام کے حقیقی پیغام کو دینا والوں تک پہنچانا نہایت ضروری اور ایک لازمی امر ہے خصوصا دشمنان اسلام جس نقطہ کی طرف انگلی اٹھا کر اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تہمت لگا رہے ہیں اس پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے تا کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مخالفین کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے تھے!؟

اسی طرح دشمنان اسلام کے ناپاک عزائم اوران کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے حکمت وچارہ جوئی کی جائے اوراس نقطہ پر انگلی رکھی جائے جو دشمن کے حملہ کا نشانہ بنا ہوا ہے۔

موجودہ دور میں نفاق دوگانگی کا مقابلہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد ویکجہتی کے استحکام ہی سے ممکن ہے۔ مسلمانوں کے مختلف طبقے اور اسلامی مذاہب کے درمیان ڈالی گئی کلیج کو ختم کر کے آج تک جو حساس مسائل مسلمانوں میں جھگڑے اور لڑائی کا سبب رہے ہیں انھیں میل ومحبت وحدت ویگانت کے رشتہ میں تبدیل کرنے کی اشد ضرورت ہے تا کہ مشرق ومغرب، جنوب وشمال میں پھیلے ہوئے تمام اسلامی مذاہب کے ماننے والے اپنے

سازش رچنے والی تنظیم Bliderberg کا پس منظر۔

۱۴رمئی ۱۹۹۸ء میں اسکاٹ لینڈ کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں سیاہ لیمزن کاروں کا ایک بیڑا آ کر رکتا ہے جس میں مغربی دنیا کی انتہائی طاقتور شخصیات موجود ہیں۔ اطلاعات کے مطابق اس ہوٹل میں ایک اجلاس منعقد کیا گیا تھا جس میں شرکت کے لئے مغربی دنیا کی ۱۲۰ رسیاسی واقتصادی شخصیات کو شرکت کرنا تھی۔

بائیس سو کمروں پر مشتمل اس ہوٹل کو اجلاس سے ایک ہفتہ قبل ہی خالی کرالیا گیا تھا۔ تین دن تک جاری رہنے والے اس اجلاس کے دوران کسی رکن کو بھی ہوٹل سے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ سخت ترین سیکیورٹی کے انتظامات، امریکن سی.آئی.اے کے خصوصی اسکوارڈ اور برطانوی خفیہ ایجنسی M.I.60 کے ذمے تھے۔

غیر سرکاری ذرائع کے مطابق تین دن جاری رہنے والے اس خفیہ اور اہم اجلاس کے ایجنڈے میں کئی عالمی امور زیر بحث آئے جس میں نیٹو، یورپی یونین، ایشیا کی اقتصادی صورتحال، دنیا میں سر اٹھانے والی نئی طاقتیں، خلیج کی صورتحال، عالمی سطح پر تیل کی پیداوار، اس کے حمل ونقل اور وسطی ایشیائی ریاستوں سے متعلق امور شامل تھے۔ ان امور کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ شاید یہ عالمی سیاسی زعماء یا سربراہان مملک کا اجلاس ہو مگر ایسا نہیں ہے بلکہ اس اجلاس میں شامل بیشتر ارکان عام دنیا کے لئے غیر معروف ہیں۔ جی ہاں! یہ دنیا کی خفیہ عالمی تنظیم بلڈرتج کا چھیالیسواں سالانہ اجلاس تھا۔[۳۶]

اس اجلاس میں کیا ہوا، کسی کو کچھ نہیں معلوم لیکن اس کے تین سال بعد ۱۱رستمبر کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملے کے بعد سے تہذیبی تصادم کے نظریے کو عملی کرنے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس کے بعد ۵رمئی ۲۰۰۵ء کو جرمنی کے صوبے لویرہابن میں ایک خفیہ اجلاس بھی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ اجلاس بھی عالمی صہیونزم سے متعلق عالمی تنظیم بلڈرتج کا تھا جس کے بارے میں یہ انکشاف ہوا ہے کہ اس تنظیم کا رکن بنے بغیر نہ تو کوئی امریکہ کا صدر بن سکتا ہے اور نہ ہی برطانوی وزیر اعظم۔ اس خطرناک ترین تنظیم کا نشان آدھی روشنی اور آدھی تاریک دنیا کا گلوب ہے جس کے نیچے ایک آہنی ہاتھ دکھایا گیا ہے جو اس بات کا غماز ہے کہ اس تنظیم کے ہاتھ دنیا کے گرم وسرد پر ہیں۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ درحقیقت یہی تنظیم دنیا پر حکومت کرتی ہے۔ دیگر اجلاسوں کی طرح ۵رمئی کو جرمنی کے علاوہ لویریا کے سب سے بڑے ہوٹل ''ڈونٹ سوئل سی ہوٹل'' میں ہونے والے بلڈرتج کے خفیہ اجلاس کا ایجنڈا کسی کو معلوم نہیں... اس خفیہ اجلاس کا دورانیہ ۵رمئی ۲۰۰۵ء تھا۔ اس کے صرف چند ماہ بعد ہی ستمبر میں توہین رسالت کے خاکے شائع ہوئے۔ ان دونوں میں کیا ربط ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اس اجلاس میں شامل اسامی پر نظر ڈالی جائے۔

اس اجلاس کے خفیہ شرکا ومندوبین

۱۔ امریکا کے سابق وزیر خارجہ ''ہینری کیسنجر''

۲-نیٹو کے جنرل سکریٹری ''باب ہوپ شیفرڈ''
۳-بین الاقوامی بینک کار ''فیمارک فلرڈ''
۴-اور عالمی سطح کے یہودی سرمایہ دار خاندان روتو شائلڈ (Rothcild) کے افراد
۵-ڈنمارک کی طرف سے ''اینڈ روولدرب''
۶-نیز بلجیم، برطانیہ، ہسپانوی اشرافیہ اور بیوکریسی سے متعلقہ افراد

اینڈ روولڈرب کا نام ہمارے لئے خاصی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ یہ گزشتہ پانچ برسوں سے بلڈرتج کی کانفرنسوں میں شریک ہورہا ہے۔ یہ ڈنمارک کی ''ڈینش گیس اینڈ آئیل'' نامی کمپنی کا چیئرمین ہے۔اس کی بیوی ''میری انڈرب'' جیولنڈس پوسٹن نامی پبلکیشن فرم کی مینیجنگ ڈائرکٹر ہے جس نے سب سے پہلے توہین رسالت سے متعلق خاکے شائع کئے۔اس تنظیم کے بارے میں صحیح طور پر دقیق اطلاعات تو نہیں ہیں لیکن ''بین الاقوامی مافیا'' کے مصنف انیس الرحمٰن کے بقول اس تنظیم کا باقاعدہ قیام ۱۹۵۴ء میں عمل میں آیا۔اس کے بعد سے اس کے سالانہ اجلاس عموماً یورپ میں منعقد ہوتے ہیں۔ عام طور پر اس کے مستقل ارکان کی تعداد ۱۲۰ر سے ۱۳۰ر تک رہی ہے۔اس اجلاس کو انتہائی خفیہ رکھا جاتا ہے۔کسی صحافی یا الکٹرانک میڈیا سے متعلق کسی شخص کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔۳۷ اس تنظیم کے بارے میں اور بھی بہت سی باتیں ہیں جن کے لئے ''بین الاقوامی مافیا'' کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

ہم نے ابھی تک جو کچھ بھی بیان کیا وہ تمام چیزیں ان حقائق اور واقعیات پر مشتمل تھیں جنہیں شواہد و قرائن کی روشنی میں ہم نے قریب دو مہینہ کی مسلسل کوشش و جستجو کے بعد مختلف جرائد، رسائل، اخبارات بالخصوص نیٹ اور دیگر منابع سے حاصل کیا۔ نہ جانے کتنی ایسی خفیہ تنظیمیں ہیں جو اپنے نہ جانے کس قدر خفیہ مقاصد اور خفیہ پالیسیوں کے ساتھ مصروف عمل ہیں لیکن ہمیں ان کی خبر تک نہیں۔ مغربی طاقتوں کی جانب سے کوئی اقدام ہوتا ہے اور ہم چیخ چلا کر اور نعرے بازی کر کے بیٹھ جاتے ہیں۔ وقتی تقاضوں کے سبب یہ بھی ایک ضروری امر ہے لیکن کیا یہ کافی ہے؟ خود سوچیں کہ مغرب کی اس قدر خفیہ پالیسیاں اور اسلام دشمن معاندانہ رویے اور اسلام کی نابودی کے خطوط پر ترسیم ہونے والی سیاست کا کیا یہی جواب ہے جو ہم کر رہے ہیں؟!!

بارش سنگ حوادث کا تماشائی بھی ہو
امت اسلام کی آئینہ دیواری بھی دیکھ

آج امت مسلمہ نے اگر بیداری کا ثبوت دیا ہوتا قرآن کی بے حرمتی اور مقدسات کی توہین پر محض رسمی اظہار افسوس نہ کر کے انکی جڑوں تک جانے کی کوشش کی ہوتی تو وہ بارش سنگ حوادث کے تماشائی نہ بنتے اور اپنے جزوی اختلافات میں نہ الجھے ہوتے بلکہ متحد ہو کر دشمن کے خلاف ایک محاذ پر شانہ بہ شانہ ڈٹے ہوئے نظر آتے اب بھی پوری امت مسلمہ چاہے تو ایک پلیٹ فارم پر آ کر اپنے دشمن کا مقابلہ کر سکتی ہے اور مل کر ایک ایسا واحد ردعمل

اقدار سے ہاتھ کھینچ لیا ہے بلکہ مدارات کا یہ عمل اسی وقت تک ہے جب تک اصول پر کوئی آنچ نہیں آتی، اسی طرح میدانِ سیاست میں حکمراں جماعت کی سیاست سے اختلاف رکھنے والوں کی برداشت کرنے کو مدارائے سیاسی کہا جاتا ہے۔

۲۔ آیات واحادیث میں نرمی ومدارا کا مفہوم

قرآن مجید اور ائمہ کی حدیثیں مختلف حلات میں مخالفین کے ساتھ رویہ کی نوعیت اور ان کے ساتھ سلوک کے انداز کو بخوبی بیان کرتی ہیں۔

الف:۔آیات قرآنی

ا۔خداوند عالم اپنے رسولؐ سے ارشاد فرمارہا ہے۔''و جادلهم بالتی هی احسن''[۱]

''یعنی کفار کو حق کی طرف موعظہ حسنہ، حکمت اور جدال احسن کے ذریعہ دعوت دو''

۲۔﴿ وَدَّ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِنْ عِنْدِ أَنفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللهُ بِأَمْرِهِ إِنَّ اللهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴾[۲]

''(مسلمانوں) اہل کتاب میں سے اکثر لوگ اپنے دلی حسد کی وجہ سے یہ خواہش رکھتے ہیں کہ تم کو ایمان لانے کے بعد پھر کافر بنادیں اور لطف تو یہ ہے کہ ان پر حق ظاہر ہو چکا ہے اس کے بعد بھی (یہ تمنا باقی ہے) پس تم معاف کرو اور درگزر کرو، یہاں تک کہ خدا اپنا (کوئی اور) حکم بھیجے بے شک خدا ہر چیز پر قادر ہے

۳۔﴿ وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَإِلَهُنَا وَإِلَهُكُمْ وَاحِدٌ

۱۔نحل/۱۲۵

۲۔بقرہ/۱۰۹، ترجمہ فرمان علی صاحب مرحوم

وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴾ [1]

''اور (اے ایمان دارو) اہل کتاب سے مناظرہ نہ کیا کرو مگر عمدہ اور شائستہ الفاظ وعنوان سے لیکن ان میں جن لوگوں نے تم پر ظلم کیا (ان کے ساتھ رعایت نہ کرو) اور صاف صاف کہہ دو کہ جو کتاب ہم پر نازل ہوئی اور جو کتاب تم پر نازل ہوئی ہے ہم تو سب پر ایمان لا چکے اور ہمارا معبود اور تمھارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں''

اس طرح خداوند عالم نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ منکرین خدا اور کافروں کو اپنی علمی گفتگو کے ذریعہ حق کی دعوت دیں۔

ب:۔احادیث شریف:

احادیث وروایات میں نرمی، مہربانی اور مدارات جیسے معانی ومفاہیم کی طرف بہت زیادہ توجہ دی گئی ہے ۔اور احادیث کے مختلف ابواب میں ضبط نفس، غیروں کے ساتھ رواداری، رفق ومہربانی، رحم دلی اور محبت کی سفارش کی گئی ہے۔اور ائمہ معصومین علیہم السلام نے مسلمانوں کو آپس میں میل جول سے رہنے کی سفارش فرمانے کے ساتھ ساتھ غیروں کے ساتھ مدارہ کرنے کی نصیحت کی ہے۔جس کی ہم بعض مثالیں یہاں پر ذکر کرتے ہیں:

۱:۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

'' ان الله تعالیٰ رفیق یحب الرفق و یعطی علیه ما لا یعطی علی العنف ''[2]

''اللہ تعالیٰ خود مہربان ہے اور مہربانی کو پسند کرتا ہے اور بندوں کو نرمی ومہربانی کے طفیل میں ایسی چیزیں عطا کرتا ہے جسے سخت مزاجی ونامہربانی کی وجہ سے روک لیتا ہے۔

۲:۔ ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

۱۔عنکبوت/۴۶،ترجمہ فرمان علی صاحب مرحوم

۲۔نہج الفصاحۃ،ص/۴۳۹ح/۴۲۸۶

سامنے کا مقابلہ بھی اسی وجہ سے ہے۔ دشمن کی طرف سے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ دشمنی نہ کرنے کا اظہار محض ایک شیطانی فریب اور بہت بڑا جھوٹ ہے وہ اسلام اور ہر اس فرد کے دشمن ہیں جو اسلام کا پابند ہے اور جس میں مسلمان ہونے کی کوئی علامت پائی جاتی ہے۔

دوم: اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ عداوتوں کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ گذشتہ چند برسوں سے اب تک نور اسلام پہلے کی نسبت درخشاں تر ہو گیا ہے۔ عالم اسلام بلکہ مغربی ممالک میں لوگوں کے دلوں میں اسلام کا جذبہ پیدا ہو رہا ہے اور لوگوں کے دلوں میں اسلام نے اپنا نفوذ اور راستہ بنالیا ہے اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ امت اسلامی پہلے کی نسبت بیدار ہو چکی ہے مسلمان قوموں نے اب سامراجی اور تسلط پسند طاقتوں کی دو صدیوں سے اپنے پیروں میں پڑی ہوئی زنجیروں کو توڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ قرآن مجید اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین نا قابل برداشت اور نا قابل تحمل اور بہت ہی تلخ عمل ہے لیکن یہ عمل اپنے دل میں ایک عظیم بشارت کا بھی حامل ہے کہ قرآن مجید کا درخشاں آفتاب روز بروز درخشاں تر ہوتا جائے گا۔

سوم: ہم سب کو جان لینا چاہیے کہ حالیہ حادثے کا تعلق چرچ اور عیسائی برادری سے نہیں ہے اور کچھ صہیونی مزدور پادریوں کی نازیبا حرکات کا الزام تمام عیسائیوں اور ان کے مذہبی رہنماؤں پر عائد نہیں کرنا چاہیے۔ ہم مسلمان اس قسم کے نازیبا عمل کو دوسرے ادیان کے مقدسات کے لئے ہرگز روا نہیں سمجھتے ہیں اس سازش اور منصوبہ کا اصلی مقصد مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان نفرت اور عداوت کی دیوار قائم کرنا ہے جبکہ ہمیں قرآن مجید نے جو درس دیا ہے وہ اس بات کے بالکل خلاف ہے۔

چہارم: آج تمام مسلمانوں کا امریکی حکومت اور امریکی سیاستدانوں سے مطالبہ ہے کہ اگر وہ اس معاملہ میں اپنی عدم مداخلت کے دعوے میں سچے ہیں تو انھیں چاہیے کہ وہ ڈیڑھ ارب مسلمانوں کے دلوں کو مجروح کرنے والے اور اس جرم کا ارتکاب کرنے والے اصلی مجرموں کو پکڑ کر انھیں واقعی سزا دیں۔

والسلام علی عباد اللہ الصالحین ۳۸

سید علی خامنہ ای

۲۲/ شہریور/ ۱۳۸۹ش

حوالے و حواشی :

۱۔ شناخت استکبار، جواد منصوری

۲۔ در جستجوی راہ از کلام امام خمینی، فرہنگ تعلیم و تربیت ص/۴۶"

۳۔ عوامل موثر در تعلیم و تربیت، از دیدگاہ امام خمینی (رہ) ص/۲۹۴

۴۔احیاءعلوم الدین،ص/۱۱

۵۔مغربی سیاسی افکار، چودھری احسان اللہ،ص ۵۵۔

۶۔ایضاص/۵۵

۷۔۔ایضا ،ص/۵۷

۸۔ایضا ،ص/۵۷

۹۔ 1008868448 02http://www.jamejamonline.ir/newstext.aspx?newsnum=

۱۰۔http://www.jamejamonline.ir/newstext.aspx?newsnum=1008868448 02

۱۱۔تاریخ یک ارتداد اسطورہ ہائے بنیانگزار سیاست اسرائیل،۳۱ پروژہ صہیونیزم،

رواق اندیشہ،شمارہ ۳۶/ص/۲۱

۱۲۔جان کولمن، جنگ روانی،ص ۴۶

۱۳۔نساء /۱۰۲

۱۴۔استعماری سازشیں،ص ۵، مسلمانان در دام جنگ تمدنھا نیافتند WWW.Baztab.com

۱۵۔ مسلمانان در دام جنگ تمدنھا نیافتند WWW.Baztab.com

۱۶۔ وزارت ایمان،امریکا،مہران قاسمی،توسعہ،۸۰/۳/۲۱

۱۷۔مغربی سیاسی افکار، چودھری احسان اللہ،ص ۲۳/

۱۸۔WWW.Baztab.com

۱۹۔ www.urdupoint.com،۱۵فروری ۲۰۰۶ء

۲۰۔استعماری سازشیں،ص/۸

۲۱۔محمد یعقوب کلینی ،اصول کافی ،جلد۱/ص ۲۶

۲۲۔نہج البلاغہ/مکتوب /۵۳

۲۳۔غرر الحکم،جلد۲،ص/۸۰۲

۲۴۔وَ قالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْديهِمْ وَ لُعِنُوا بِما قالُوا بَلْ يَداهُ مَبْسُوطَتانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشاءُ وَ لَيَزيدَنَّ كَثيراً مِنْهُمْ ما أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْياناً وَ كُفْراً وَ أَلْقَيْنا بَيْنَهُمُ الْعَداوَةَ وَ الْبَغْضاءَ إِلى يَوْمِ الْقِيامَةِ كُلَّما أَوْقَدُوا ناراً لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَساداً وَ اللَّهُ لا يُحِبُّ الْمُفْسِدينَ۔

ترجمہ؛اور یہودی کہتے ہیں کہ خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں جب کہ اصل میں انہیں کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور یہ اپنے قول کی بنا پر ملعون ہیں اور خدا کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کا انکار ان میں سے بہت سوں کے کفر اور ان کی سرکشی کو اور بڑھا دے گا اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لئے عدوات اور بغض پیدا کر دیا ہے کہ جب بھی جنگ کی آگ بھڑکانا چاہیں گے خدا بجھا دے گا اور یہ زمین میں فساد کی کوشش کر رہے ہیں اور خدا مفسدوں کو دوست نہیں رکھتا۔/مائدہ ۶۴۔

۲۵۔وَ مِنْ أَهْلِ الْكِتابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِقِنْطارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ وَ مِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِدينارٍ لا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا ما دُمْتَ عَلَيْهِ قائِماً ذلِكَ

''لیس الحکیم من لم یدار من لا یجد بدا من مدارته'' [1]

''وہ انسان حکیم و عاقل نہیں ہے جو ایسے شخص سے مدارا و نیکی نہ کر سکے جس کے ساتھ بجز مدارا کوئی چارہ نہ ہو''

کبھی کبھی ایسے حالات پیش آجاتے ہیں اور ایسے افراد سے سابقہ ہوتا ہے کہ جن کے ساتھ مدارا اور سمجھوتہ کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا لہٰذا ایسے موقعوں پر مدارا و نیکی ہی عقلمندی کا تقاضا ہوتا ہے۔

۱۰:۔ رفق و مدارا کے سلسلہ میں امیر المومنین علی علیہ السلام سے ''عیون الحکمة و المواعظ'' میں نہایت عالی اور خوبصورت مضامین نقل ہوئے ہیں جن میں سے بعض جملوں کو ہم تیمن و تبرک کے طور پر ذکر کر رہے ہیں۔

''الرفق یودی الیٰ السلم'' یعنی نرمی اور مہربانی کا نتیجہ سلامتی ہے۔

''الرفق مفتاح النجاح'' مہربانی نجات کی کنجی ہے۔

''الرفق مفتاح الصواب'' نرمی و مہربانی صحیح راستہ پر چلنے کا ذریعہ ہے۔

''ثمرة العقل الرفق'' رفق و مدارات ہی عقل و فکر کا پھل ہے۔

''ثمرة الحلم الرفق'' لطف و مہربانی ہی صبر و تحمل کا میوہ ہے۔

''راس العلم الرفق'' [2] نرمی و مہربانی ہی علم کا سرمایہ ہے۔

۱۱:۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

''الرفق راس الحکمة'' لوگوں کے ساتھ نرم دلی اور مدارا حکمت و دانائی کی اصل ہے، کیوں کہ خوش اخلاقی، اور لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے سے معاشرہ میں امن و بھائی چارہ قائم ہوتا ہے دل کے کینے اور عداوتیں ختم ہوتی ہیں، دشمنی کی جگہ دوستی اور محبت پیدا ہوتی ہے۔

۱۔ آقا جمال خوانساری، شرح غرر الحکم باتصحیح جلال الدین محدث ارموی، ج ۴/ص ۵۲/

۲۔ ابن ابی جمہور، الاحسائی، غوالی اللئالی، ج ۱/ص ۳۷۱/

۱۲:۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

''دارالناس تستمع باخائهم و القهم با لبشر تمت اضغانهم'' [۱]

''لوگوں سے نرم دلی اور مہربانی کروتا کہ ان کی اخوت و برادری سے فائدہ اٹھا سکو اور لوگوں سے کشادہ روئی سے ملوجلوتا کہ دلوں سے کینے ختم ہو جائیں''

درحقیقت لوگوں سے نرمی و مہربانی اور لطف و محبت ہی سے بگڑے کام بنتے ہیں اور ایک دوسرے کے لئے دل میں جگہ پیدا ہوتی ہے جب کہ سختی اور تند مزاجی ہڈی کے زخم کی طرح ہے جسے مجبوراً سہنا پڑتا ہے، تو کیوں نہ محبت سے زندگی گزاری جائے؟!

۱۳:۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

''یا هشام علیک بالرفق فان الرفق یمن و ابحرق شوم ان الرفق و البر و حسن الخلق یعمر الدیار و یزید فی الرزق'' [۲]

اے ہشام لوگوں سے نرمی و مہربانی سے پیش آؤ، کیوں کہ نرمی برکت اور سختی نحوست ہے نرمی و مہربانی اور اچھے اخلاق سے شہر آباد ہوتے ہیں اور روزی میں زیادتی ہوتی ہے۔ قرآن کریم کی آیت'' و قولوا للناس حسنا ''لوگوں سے شایستگی سے گفتگو کرو، کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: تمام لوگوں سے شائستہ گفتگو کرو وہ چاہے مومن ہوں یا کافر البتہ مومنین کے ساتھ تمھارا برتاؤ اچھا ہونا چاہئے اور کفار سے مدارا کرتے رہو تا کہ وہ ایمان کی طرف آجائیں، بسا اوقات تھوڑی زحمت اٹھا کر ان کے شر سے برادران ایمانی کو بچایا جا سکتا ہے۔ ان تمام روایات و احادیث کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام میں لوگوں کے ساتھ نیکی و مدارا اور اچھے اخلاق کی تاکید اور نصیحت ہی نہیں ہے بلکہ یہ پوری ایک ثقافت ہے جس کی ائمہ معصومین علیہم السلام نے بہت زیادہ

۱۔ آقا جمال خوانساری، شرح غرر الحکم باتصحیح جلال الدین محدث ارموی، ج ۴/ص ۱۶

۲۔ ابن شعبہ، الحرانی، تحف العقول، ص ۳۹۵

عظیم مجاہد، اسوہ اتحاد و برادری

آیت اللہ طالقانی

عزالدین رضانژاد (جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ کی علمی کمیٹی کے رکن)
ترجمہ: کرار حسین اظہری

مقدمہ:

ہر سال ۱۹ شہریور ۱۰ ستمبر کو عظیم مجاہد اور جلیل القدر عالم دین آیت اللہ طالقانی کی برسی منائی جاتی ہے آپ نے پوری زندگی تحصیل علم، تدریس، تبلیغ، جہاد، قید خانے اور جلا وطنی میں گزار دی، آپ کی ذات قابل تعریف اور لوگوں کے لئے اسوہ عمل ہے۔ آپ کی سب سے اہم خصوصیت یہ تھی کہ ہر میدان میں معاشرہ کے مختلف طبقات کے درمیان اتحاد قائم کرتے تھے آپ کی زندگی کے پچاس سال سے زیادہ کے ایام پر ایک نظر ڈالنے کے بعد بہ خوبی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ وسیع القلب اور اتحاد کے عظیم علمبردار تھے۔

ولادت اور ایام طفولیت

آپ بروز شنبہ مورخہ ۴ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ ق میں طالقان (صوبہ تہران میں واقع ہے) دیہات ''گلیرد'' میں ایک عالم اور دیندار گھرانے میں پیدا ہوئے آپ کا نام ''سید محمود'' رکھا گیا آپ کے والد ماجد سید ابوالحسن طالقانی تہران کے بزرگ اور نمایاں علماء میں شمار ہوتے تھے ایسے باپ نے اپنے بیٹے کی تربیت کی ذمہ داری سنبھالی

حالت میں بھی اپنے مالک کی بارگاہ میں بس یہی دعا کرتے" **اللھم اغفر قومی فانھم لا یعلمون**"[1] خدایا ہماری قوم کو بخش دے اور تو ان کی ہدایت فرما کہ وہ ہدایت سے بے خبر ہیں۔

دشمن کے ساتھ آپ کا یہ انداز بیشک آپ کے بلند و عالی اخلاق کی ایک عظیم مثال ہے، جی ہاں خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجسمہ خلق عظیم اور سراپا معجزہ اخلاق تھے اور آپ کی ذات پر اللہ کی خصوصی عنایت کے علاوہ آپؐ کے اخلاق کی مقناطیسی کشش آپؐ کی محبوبیت کا راز تھی۔ اور کیوں نہ ہو! جس کی رسالت فضائل و مکارم کی تکمیل کا سبب ہو خود اسے اخلاق کا دھنی ہونا ہی چاہئے تھا۔

۱۔ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج/۹۵ ص/۱۶۷

اتحاد کے علمبردار

۲۔نہج البلاغہ کے کچھ حصوں کا ترجمہ وتوضیح۔

۳۔عبدالفتاح عبدالمقصود کی کتاب ''امام علی بن ابی طالب علیہما السلام'' کی پہلی جلد کا ترجمہ۔

۴۔پرتوے از قرآن (۶ جلدیں)

۵۔ اسلام اور مالکیت

۶۔آیت اللہ نائنی کی کتاب ''تنبیه الامة و تنزیه الملة'' پر مقدمہ، خلاصہ، اور شرح۔

۷۔بہ سوے خدا می رویم

آیت اللہ طالقانی کی زندگی کے چند برسوں کی تفصیلات:

۱۵/اسفند ۱۲۸۹ھ ش میں طالقان کے دیہات گلیرچ میں ولادت ہوئی۔

۱۲۹۴ میں گلیرد کے دیہاتی مکتب خانہ میں داخلہ لیا۔

۱۲۹۸ میں تہران ہجرت کی اور قنات آباد محلّہ میں سکونت اختیار کی۔

۱۳۰۰ میں مدرسہ رضویہ اور مدرسہ فیضیہ قم میں درس کا آغاز کیا

۱۳۱۰ میں باپ کے سایہ سے محروم ہو گئے۔

۱۳۱۰ میں نجف اشرف ہجرت کی اور وہاں کے بزرگ علماء سے کسب فیض کا سلسلہ شروع کیا۔

۱۳۱۶ میں تہران واپس آ کر مدرسہ سپہسالار (مدرسہ شہید مطہری) میں تدریس کی اسی سال شادی بھی کی۔

۱۳۱۸ میں طاغوتی حکومت کے خلاف مظاہرہ ومبارزہ کیا، گرفتار ہوئے چھ، (۶) ماہ قید خانہ میں رہے۔

۱۳۲۰ میں ''کانون اسلام'' کو تشکیل دیا، ودانش آموز رسالہ کو منتشر کیا اور مجاہد پارٹیوں کے ساتھ تعاون کیا.

۱۳۲۷ میں مسجد ہدایت میں امامت کے فرائض سنبھالے اور اپنی سرگرمیاں شروع کیں

۱۳۳۰ میں ''جبہ ملی'' اور ''فدائیان اسلام'' دونوں مجاہد پارٹیوں کی حمایت کی۔

۱۳۳۴ میں ''فدائیان اسلام'' پارٹی کے لوگوں کو پناہ دی جس کی وجہ سے قید میں بند کئے گئے۔

۱۳۳۸ میں آیت اللہ بروجردی نے اپنا نمائندہ بنا کر الازہر یونیورسٹی کے رئیس اور مصر کے مفتی شیخ شلتوت کے پاس بھیجا۔آپ نے قاہرہ میں منعقد ہونے والی دار التقریب کی اسلامی کانفرنس میں شرکت کی اور جمال عبدالناصر سے ملاقات بھی کی۔

۱۳۳۹ میں آیت للہ مطہری کے ساتھ ملک کے اجتماعی مسائل کے بارے میں کئی جلسے منعقد کر کے حکومت

امام خمینی، فقیہ، اور تقریب بین المذاہب کے داعی

علی اشرفی کرمی (استاد دانشگاہ پیام نور، شعبہ کنگاور)
حکیم سجاد حسین

خلاصہ

حضرت امام خمینی (۱۹۰۲ء۔۔۔۱۹۸۹ء) نے انیس سال کی عمر میں حوزہ علمیہ اراک میں داخلہ لیا، کچھ ہی عرصہ کے بعد شہر قم کے عظیم حوزہ علمیہ میں اپنی تعلیم جاری رکھتے ہوئے، اجتہاد کی سند حاصل کی۔ آپ نے ۲۸ سال کی عمر میں شادی کی۔ مختلف کتابوں کو تالیف کیا اور اس کے ساتھ ساتھ سیاسی میدان میں قدم رکھ کر ۱۹۷۸ء میں شاہ ایران کی حکومت کا خاتمہ کر کے اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی اور اس کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لی۔ انہوں نے مختلف شاگردوں کی پرورش کی، وہ تقریب بین المذاہب کی تحریک کے داعی اور اتحاد بین المسلمین کے علمبردار تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کو آپس میں نزدیک لانے کے لئے اہم کردار ادا کیا جس پر ہم اس مضمون میں روشنی ڈالیں گے۔

کلیدی الفاظ: امام خمینی، قم، سیاسی کارکردگی، وحدت۔

امام خمینی کی مختصر سوانح حیات۔

آیۃ اللہ الحاج سید روح اللہ مصطفوی، ملقب بہ امام خمینی (الف) (۱۹۰۲ء۔۔۔۱۹۸۹ء) ایک نامدار فقیہ، مرجع تقلید، عارف، فلسفی، مصنف، مجاہد اسلامی انقلاب اور اسلامی جمہوریہ کے بانی تھے۔

امام خمینی کے جد اعلیٰ ''سید دین علی شاہ''، (ب) کشمیر میں ایک بلند پایہ عالم تھے، جو ایران کے شہر، نیشاپور سے دینی تبلیغ کے سلسلے میں آ کر، یہاں آباد ہوئے تھے۔ ان کے فرزند اور امام خمینی کے دادا ''سید احمد ہندی'' [۱]، نے یوسف خان فراہانی کی بیٹی سے نکاح کیا۔ اس شادی کا ثمر تین بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا جس کا نام ''مصطفیٰ'' رکھا گیا۔ یہ اس گھر کا چوتھا فرزند تھا اور اس کی ولادت ۳۰ جنوری ۱۸۶۲ء کو ہوئی۔ [۲]

جلیل القدر عالم علامہ ''سید احمد'' مرحوم جو نجف اشرف میں رہتے تھے۔ ان کو خمین کے لوگوں اور ''یوسف خان کمرہ ای'' جیسے معزز انسانوں کی دعوت پر وعظ، تبلیغ دین اور ہدایت کی غرض سے اس شہر کی طرف جانا پڑا۔ [۳]

مرحوم ''سید مصطفیٰ'' نے بھی ایران، عراق (نجف اشرف، اور سامراء) میں دینی تعلیم حاصل کی اور اجتہاد مکمل کرنے کے بعد واپس اپنے آبائی شہر خمین کا رخ کیا۔ ان کو سنہ ۱۳۲۰ھ، (۱۹۰۲ء) میں ۴۲ سال کی عمر میں، خمین سے اراک، سفر کرتے ہوئے اس زمانہ کے بدمعاش زمینداروں نے شہید کر دیا۔ ان کا جنازہ نجف اشرف منتقل کر کے وہیں پر سپرد خاک کیا گیا۔ [۴]

شہید آیۃ اللہ مصطفیٰ کی تین بیٹیاں اور تین بیٹے تھے۔ جن میں آخری ''روح اللہ'' تھے۔ باپ کی شہادت کے وقت آپ کی عمر چار مہینے تھی اور جب آپ کے سر سے ماں کا سایہ اٹھا تو اس وقت آپ کی عمر ۱۰ برس تھی۔ (۵)

حضرت امام خمینی بیس جمادی الثانی ۱۳۲۰ھ (۱۹۰۲ء) کو حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کی ولادت کے دن خمین شہر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کی شہادت نے آپ کی روح پر گہرا اثر ڈالا (۶)، اور اس ظلم و ستم کی یاد نے آپ کی شخصیت کی تشکیل میں اہم رول ادا کیا۔ آپ نے اپنی ماں کے سائے سے محروم ہو کر صبر و استقامت

(الف)۔ خمین سے منسوب، جو ایران کی مرکزی ریاست کا ایک شہر ہے، اور یہ شہر اراک اور قم کے راستے پر اراک سے ۶۵ کی دوری، محلات شہر کے جنوب میں واقع ہے (دایرۃ المعارف۔ ج ۷، ص ۲۶۴۔ لغت نامہ، دہخدا۔ ج ۲۱، ص ۷۴۴)

(ب)۔ امام خمینی کے بڑے بھائی آیۃ اللہ پسندیدہ فرماتے ہیں کہ شاہ کے معنی سید کے ہیں۔ (ستودہ، ج ۱، ص ۱۷)

سے کام لیا اور صرف خداوند متعال کی ذات پر بھروسہ کر کے، علم وفضیلت میں ارتقاء حاصل کیا (۷)۔ امام خمینی نے بچپن ہی سے علم حاصل کرتے ہوئے اپنی عمر کے پندرہ سال مکمل کرنے سے پہلے ہی فارسی کی مروجہ تعلیم مکمل کر لی اور پھر عربی اور دینی تعلیم شروع کر کے اپنے بڑے بھائی حضرت آیۃ اللہ پسندیدہ کی خدمت میں صرف، نحو اور منطق کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۳۸ھ، تک ان کے پاس ہی اپنی ابتدائی تعلیم جاری رکھی، اور ۱۹ سال کی عمر میں حوزہ علمیہ اراک میں داخلہ لیا (۸)

قم کی جانب سفر

۱۳۴۰ھ (۱۹۲۲ء) کا نوروز تھا حضرت آیۃ اللہ حائری (ج) نے قم کے علماء کی دعوت پر اس شہر کی جانب سفر کیا اور وہاں پر حوزہ علمیہ قم کی بنیاد ڈالی۔ اس طرح بہت سے علماء اور دینی طلاب نے شہر قم کا رخ کیا، جناب روح اللہ بھی چار مہینے کے بعد قم کی جانب تشریف لے گئے (۹)

حضرت امام خمینی نے اپنی تعلیم کو محنت اور لگن کے ساتھ آگے بڑھایا اور ۲۵ سال کی عمر تک آخری سطح کو مکمل کر کے اجتہاد کی سند حاصل کی (۱۰)، آپ نے علم فقہ میں کمال حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ علم ہیئت، فلسفہ، حکمت، عرفان اور دوسرے علوم میں بھی خاص مہارت حاصل کی (۱۱)

شادی خانہ آبادی۔

جناب روح اللہ نے ۲۸ سال کی عمر میں ۱۳۴۸ھ، (۱۹۲۹ء) کو حاج میرزا احمد ثقفی جو کہ تہران کے علماء میں سے تھے، اور قم میں سکونت پذیر تھے، کی بیٹی سے شادی کی (۱۲)۔ وہ خاتون ابتداء میں اس رشتے سے راضی نہیں تھی، اور اس وجہ سے اس رشتے کی بات دس مہینے تک چلتی رہی، ایک دن وہ خواب میں پیغمبر اکرمؐ

ج۔ یہ عظیم عالم، حضرت آیۃ اللہ شیخ فضل اللہ نوری، میرزای شیرازی، آخوند خراسانی اور سید محمد فشارکی کے شاگردوں میں سے تھے۔ آپ (۱۲۷۶۔۔۱۳۵۵ھ) چودھویں صدی کے مراجع تقلید میں سے تھے۔ آپ نے مقدمات ختم کر کے نجف اشرف کی جانب ہجرت کی، اور ۱۳۳۲ھ کو اراک واپس تشریف لے آئے، اور ۱۳۴۰ھ کو قم کی جانب سفر کیا اور وہاں پر حوزہ علمیہ قم کی بنیاد ڈالی۔ امام خمینی بھی ان ہی کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ان کی بعض تالیفات، ''درر الفوائد فی اصول الصلوۃ''، ''النکاح''، ''الرضاع''، ''المواریث''، وغیرہ ہیں۔ (مدرسی، ج ا ص ۶۶، استادی، اساتید ومشائخ امام خمینی ص ۳۳۵)

اور اہل بیت علیہم السلام کی زیارت کرتی ہیں اور اس طرح اس رشتے پر راضی ہوتی ہیں (۱۳)، اس شادی کا ثمرہ دو لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں، دو لڑکوں کے نام شہید مصطفیٰ خمینی، اور مرحوم سید احمد خمینی، رحمۃ اللہ علیہما ہیں (۱۴)

علمی، سیاسی، اور انقلابی میدان میں آپ کا کردار۔

امام خمینی کی سیاسی کارکردگی، ستمبر ۱۹۴۱ء میں اس وقت شروع ہوئی، جب دوسری جنگ عظیم کے شعلے ایران تک جا پہنچے، اس دور میں علماء کا کوئی خاص کردار نہیں تھا اور کمیونیسٹ اور بے دین دانشور مذہب کو چلینج کرتے تھے۔ اس دور میں دینی نظریات کے خلاف ایک کتاب منظر عام پر آئی جس کا نام ''اسرار ہزار سالہ'' تھا، امام خمینی نے ۱۹۴۴ء میں اس کتاب کی رد میں ''کشف الاسرار'' (۱۵) نامی مشہور کتاب لکھی اپنی اس کتاب میں امام خمینی نے اسلامی عقاید اور احکام کا دفاع کیا (۱۶)۔

۱۹۴۸ء میں اسرائیلی حکومت نے اپنے وجود کا اعلان کیا اور آیۃ اللہ خمینی نے اس حکومت کی مذمت میں ایک بیان دیا ۱۹۵۳ء سے لے کر ۱۹۶۱ء تک ایران میں ظلم اور بربریت کا دور دورہ تھا امام خمینی، فلسفہ، اخلاق، فقہ اور اصول الفقہ کی تدریس میں مصروف تھے، (۱۷) آپ حکومت کے مقابلے میں اپنی تجاویز اور شکایات بیان کرتے رہے۔ اور اس طرح آپ کے سیاسی اور انقلابی کردار کا آغاز ہوا، آپ ۵ جون ۱۹۶۳ء میں گرفتار کئے گئے، اور ۲ نومبر ۱۹۶۴ء کو ترکی جلاوطن کئے گئے (۱۸) ترکی میں اپنے قیام کے دوران آپ نے اپنی مشہور کتاب تحریر الوسیلہ لکھی، ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۵ء کو امام خمینی اپنے فرزند کے ہمراہ عراق کی جانب بھیج دیئے گئے۔

نجف اشرف میں اپنے قیام کے دوران آپ نے اپنے درس خارج میں ''ولایت فقیہ'' (حکومت اسلامی) کے موضوع پر تدریس کا آغاز کیا (۱۹) اسی سال آپ نے ''البیع'' نامی کتاب بھی تالیف کی، یہ کتاب ۱۳۵۵ھ میں نجف اشرف میں ۵ جلدوں میں چھپی (۲۰)، چونکہ نجف اشرف میں امام خمینی کی جان کو خطرہ لاحق تھا اس لئے وہ ستمبر ۱۹۷۸ء کو پیرس، فرانس چلے گئے اور فرانس کے ایک چھوٹے سے گاؤں نوفل لوشاتو میں مقیم رہے (۲۱)۔

آخر کار شاہنشاہ ایران کا تختہ الٹ گیا اور شاہ ایران ۱۷ جنوری ۱۹۷۹ء کو ایران سے فرار ہو گیا۔ امام خمینی نے ایران جانے کا فیصلہ کیا اور بہت سے خطرات کے باوجود آپ یکم فروری ۱۹۷۹ء کو ایران تشریف لے گئے

۔ایران میں کروڑوں لوگوں نے آپ کا تاریخی استقبال کیا۔۱۱فروری ۱۹۷۹ء کوشاہنشاہی حکومت کا خاتمہ ہوااور اسلامی جمہوریہ ایران کی حکومت ''امام خمینی'' کی رہبری میں قائم ہوئی (۲۲)۔

دینی حکومت کے دوران امام خمینی نے یکم جنوری ۱۹۸۸ء کوروس کے صدر ''گورباچف'' کوایک خط لکھااور اس خط میں اپنی دوراندیشی سے ''مارکسزم'' کے خاتمہ کی پیشن گوئی کی ،اوراس نظام اورروس کے مشکلات کی اصلی وجہ خدا پر عقیدہ نہ رکھنا ، بیان کیا،اورانہیں اپنے عقیدہ میں نئی جان ڈالنے یعنی خدا پر ایمان لانے کی دعوت دی۔آپ نے اس خط میں گورباچف کو فلسفہ اورعرفان الہی ، کی کتابوں کے مطالعہ کی دعوت دی اور واضح کردیا کہ اسلامی جمہوری ایران اس ملک کی اعتقادی خلیج کو پاٹنے کے لئے تیار ہے۔(۲۳)۔

حضرت امام خمینی سنیچر۴ جون ۱۹۸۹ء کی رات کودس بج کربیس منٹ پراس دنیا سے رحلت کر گئے یقیناً امام خمینی اس صدی کے ایک مشہورانسان کے طور پرابھرے تھے،وفات کے وقت آپ کی عمر۸۷سال تھی۔(۲۴)

درس وتدریس کا آغاز۔

امام خمینی نے فلسفیانہ کتابوں کی تدریس کا آغاز اس وقت کیا جب آپ کی عمر صرف ۲۷ سال تھی وہ اپنے شاگرداوردرس کا عنوان منتخب کرنے میں بہت احتیاط کرتے تھے،اوراگرکسی شاگرد میں وہ علم سیکھنے کی صلاحیت نہیں پاتے تواس کودرس میں آنے سے روک دیتے تھے۔فلسفے کی تدریس کے ساتھ ساتھ باصلاحیت اورلائق شاگردوں کوخصوصی طور پرعرفانی علوم کی تعلیم بھی دیتے تھے(۲۵)،فلسفہ اورعرفان کی تدریس کے علاوہ اخلاقی ،روحانی اور معنوی امور کی تعلیم کی غرض سے ایک اوردرس کا آغاز کیااورکتاب ''منازل السائرین'' سے روحانی،معنوی اورالہی معارف اورتزکیہ اورتہذیب النفس کے مسائل کواپنے شاگردوں کیلئے بیان کرتے تھے۔اس درس کا حلقہ آہستہ آہستہ وسیع ہوتا گیااوراس درس میں قم اوردوسرے شہروں کے عام لوگ بھی شرکت کرتے تھے۔(۲۶) یہاں اس بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ امام خمینی کی تدریس کا اسلوب منفرد تھااور یہ درس ایک ایسی سطح کا تھا کہ ہرشخص اپنی قابلیت کے مطابق اس سے استفادہ کرتا تھاالبتہ طالب علمکے لئے علمی بنیادوں کا جاننا ضروری تھا تا کہ امام خمینی کے درس سے اچھی طرح فیض حاصل کرسکے(۲۷)۔

حضرت امام خمینی اگر چہ ایک فلسفی اور عارف تھے لیکن ان کے درس کی خصوصیت یہ تھی کہ جب وہ کسی فقہی مسئلے پر بحث کرتے تھے تو اس فقہی مسئلے کی تشریح کرتے وقت اس سے متعلق آیات وروایات کی وضاحت اس طرح کرتے تھے جیسے وہ صرف ایک فقیہ ہیں اور دوسرے علوم جیسے فلسفہ وعرفان سے بالکل آگاہی نہیں رکھتے ہیں۔(۲۸)

امام خمینی کا علمی اسلوب۔

موجودہ صدی میں مختلف عظیم انسانوں نے عظیم کارنامے انجام دیئے ہیں لیکن امام خمینی جو ایک فقیہ، عارف، متکلم سماجی مصلح اور سیاسی لیڈر تھے، اس صدی میں چودھویں کے چاند کے مانند چمکے، اس مختصر سے مقالے میں، ہم اجمالی طور پر اس عظیم ہستی کے علمی اسلوب اور سیرت کو اس کے ظاہری اور باطنی پہلوؤں یعنی فقہ اور عرفان کے تناظر میں بیان کریں گے۔

الف) امام خمینی ایک ایسے عظیم القدر فقیہ تھے جو منابع، اسالیب، اور جدید مسائل سے واقف تھے۔ اگر چہ وہ ایک عارف شخص بھی تھے لیکن ان کے فقہی آثار میں عرفانی اور باطنی تفکرات بالکل شامل نہیں ہوتے تھے (۲۹) حضرت امام خمینی نے پورے گیارہ سال تک (۱۳۴۴ھ۔۔۱۳۵۵ھ) تک حضرت آیۃ اللہ حائری یزدی کے درس خارج اصول اور خارج فقہ میں شرکت کی اور اپنے استاد کے تمام درسی تقریرات کو سپرد قلم کیا اور اپنے استاد کے آخری فقہی اور اصولی نظریات کو اپنی کتاب ''فوائد'' میں تالیف کیا۔(۳۰) حضرت آیۃ اللہ بروجردی جب شہر قم میں تشریف لائے تو آپ نے ۱۳۷۰ھ تک ان کے درس میں شرکت فرمائی اور اس کے ساتھ ساتھ بعض علماء کی درخواست پر اپنا درس خارج اصول الفقہ بھی شروع کیا، اصول فقہ کے موضوع پر حضرت امام خمینی کے آخری نظریات کو ان کی تین جلدوں پر مشتمل کتاب ''تہذیب الاصول'' میں چھاپ دیا گیا ہے۔(۳۱)

امام خمینی کی فقہی خصوصیات

الف) ان کی فکر کی بلندی اور گہرائی۔(۳۲)

ب) فقہی مسائل میں پیچیدہ بیانی اور قدیم طرز فکر سے پرہیز۔(۳۳)

ج) صاحبان ذوق افراد کی پرورش۔، اپنے شاگردوں کے علمی اشکالات اور مباحث کا استقبال اور ان کو مطالعہ، مباحثہ، اور گہرے علمی مطالب انکشاف کرنے پر زور دینا۔ (۳۴)

امام خمینی نے اپنی جوانی میں ہی عرفان کی وادی میں قدم رکھا اور عرفان نظری کو سرحد کمال تک پہنچا دیا۔ انہوں نے عرفان نظری کی کتابوں کی تشریح کی یہاں تک کہ ان کو اس علم میں خاتم العرفاء کا لقب حاصل ہوا۔ (۳۵)

حضرت آیۃ اللہ حائری کی رحلت کے بعد جو ۱۳۵۵ھ میں واقع ہوئی امام خمینی نے جمعرات اور جمعہ کو عصر کے وقت درس اخلاق دینا شروع کر دیا۔ اس درس میں وہ علم اخلاق اور علم عرفان کے مختلف نکات بیان کرتے تھے۔ اس دوران آپ نے اپنی مشہور کتاب ''چہل حدیث'' تالیف کی۔ یہ کتاب ان کے دروس اخلاق پر مشتمل ہے۔ (۳۶) امام خمینی کے بعض دروس اخلاق جو آپ نے نجف اشرف میں بیان دیئے تھے ایک کتاب کی صورت میں م ''جہاد اکبر'' کے نام سے چھپ چکے ہیں۔ (۳۷)

امام خمینی کے عرفانی خصوصیات۔

الف)۔ علم عرفان میں امام خمینی اگر چہ اپنے اساتذہ سے مختلف مسائل میں کسب فیض کر چکے تھے لیکن آپ اس علم میں ایک خاص ذوق اور بلند فکر کے حامل تھے اس لئے آپ نے اس علم میں ایسے خوشگوار اور جدید مطالب بیان کئے جن کی لطافت کو اس علم سے آگاہ لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ (۳۸)

ب)۔ امام خمینی علم عرفان کے استاد تھے آپ قران سے ماخوذ عرفان بیان کرتے تھے آپ کے عرفانی نظریات کی جڑیں قرآن کریم، دعاؤں اور حضرات معصومین علیہم السلام کی روایات اور احادیث پر مشتمل تھیں۔ (۳۹)

ج)۔ امام خمینی کے عرفانی نظریات حقیقت پر مشتمل تھے نہ کہ گوشہ گیری اور بے توجہی کے مسلک پر۔ (۴۰)

د)۔ امام خمینی کے تمام اعمال ان کے عرفان کے عملی جلوے تھے۔ (۴۱)

ھ)۔ آپ سے نزدیک لوگ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ بعض حالات میں عرفانی کتب کے مطالعے کے وقت آپ کی آنکھوں سے آنسو بہتے تھے (۴۲)

امام خمینی کے آثار و تالیفات

امام خمینی دور حاضر کے نادر اور منفرد لوگوں میں سے تھے آپ نے اپنی علمی زندگی کے ستر سالوں میں مختلف علوم اور موضوعات جیسے فلسفہ، کلام، عرفان، فقہ و اصول الفقہ، سیاسیات، اجتماعیات، شعر و ادب۔ میں دسیوں

کتابیں تحریر اور تالیف کیں۔ان میں بعض کتب مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔شرح دعای سحر: یہ کتاب امام خمینی کی پہلی تصنیف ہے جو آپ نے ۱۳۴۸ھ میں تحریر کی۔اس کتاب میں آپ نے اپنے استاد حضرت آیۃ اللہ شاہ آبادی کے بعض نظریات کو بیان فرمایا ہے۔

۲۔التعلیقۃ علی الفوائد الرضویۃ: اس عرفانی کتاب میں امام خمینی نے گیارھویں صدی کے عارف قاضی سعید قمی کی کتاب ''فوائد الرضویہ'' پر اپنے نظریات کو حاشیہ کی صورت میں تحریر فرمایا ہے۔اس کتاب کی تصنیف بھی ۱۳۴۸ق میں مکمل ہوئی ہے۔

۳۔مصباح الہدایۃ الخلافۃ والولایۃ: یہ کتاب عرفان اسلامی میں ایک بہترین اور گہری کتاب ہے جس کی تالیف ۱۳۴۹ق میں مکمل ہوئی ہے امام خمینی نے اس کتاب میں اپنے استاد حضرت آیۃ اللہ شاہ آبادی کے بعض مطالب کی تحلیل کی ہے۔

۴۔تعلیقات علی شرح فصوص الحکم ومصباح الانس۔

امام خمینی نے ان تعلیقات کو جب آپ حضرت آیۃ اللہ شاہ آبادی سے اس کتاب کا درس لے رہے تھے تحریر کیا ہے۔

۵۔چہل حدیث: یہ کتاب حضرت امام خمینی کی اخلاقی اور عرفانی کتاب ہے جس کو ۱۳۵۸ھ میں آپ نے تحریر کیا ہے۔

۶۔اسرار الصلاۃ: یہ ایک عرفانی کتاب ہے جو نماز کے معنوی اور عرفانی مسائل پر مشتمل ہے اور اس کو امام خمینی نے ۱۳۵۸ھ میں تحریر کیا ہے۔

۷۔آداب نماز: یہ کتاب بھی نماز کے لطیف معنوی اور عرفانی مسائل پر مشتمل ہے جس کو ۱۳۶۱ھ میں تحریر کیا گیا ہے۔

۸۔شرح حدیث جنود عقل وجہل: یہ علم اخلاق میں ایک عظیم القدر تصنیف ہے جس میں امام خمینی نے عرفانی، کلامی اور اخلاقی نکات کی تشریح کی ہے۔یہ کتاب ۱۳۶۳ق میں مکمل ہوئی ہے۔

۹۔رسالہ فی الطلب والارادہ: یہ اصولی، فلسفیانہ، اور عرفانی تالیف ہے جو ۱۳۷۱ھ میں لکھی گئی ہے۔

۱۰۔تفسیر سورہ حمد: یہ کتاب سورہ مبارکہ حمد کے عرفانی مضامین پر مشتمل تفسیر ہے جس میں امام خمینی کی سورہ حمد کی تفسیر کے دروس کو کتاب کی صورت میں چھاپا گیا ھے۔

۱۱۔نقطہ عطف: یہ کتاب امام خمینی کے ان عرفانی خطوط پر مشتمل ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے مرحوم سید احمد خمینی کو لکھے تھے۔

۱۲۔محرم راز: یہ کتاب امام خمینی کے ان عرفانی خطوط پر مشتمل ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے مرحوم سید احمد خمینی کو لکھے تھے۔

۱۳۔رہ عشق: یہ کتاب امام خمینی کے ان عرفانی خطوط پر مشتمل ہے، جو انہوں نے خانم طباطبائی کو لکھے تھے۔

۱۴۔جہاد اکبر:

۱۵۔رسالہ لقاء اللہ۔

۱۶۔کشف الاسرار

۱۷۔انوار الہدایۃ فی التعلیقۃ علی الکفایۃ، ۲ جلد۔

۱۸۔مناہج الوصول الی علم الاصول، ۲ جلد۔

۱۹۔رسالہ فی حجیۃ خبر اصحاب الاصول والکتب۔

۲۰۔کتاب الطہارۃ، ۴ جلد۔

۲۱۔المکاسب المحرمہ۔ ۲ جلد۔

۲۲۔تحریر الوسیلہ ۲ جلد۔

۲۳۔کتاب البیع۔ ۵ جلد۔

۲۴۔حکومت اسلامی یا ولایت فقیہ۔

۲۵۔حاشیہ بر عروۃ الوثقی۔

۲۶۔حاشیۃ بر رسالہ ارث۔

۲۷۔زبدۃ الاحکام۔

۲۸۔توضیح المسائل۔

۲۹۔رسالہ فی بعض فروع العلم الاجمالی۔

۳۰۔صحیفہ انقلاب (امام خمینی کا وصیت نامہ)

۳۱۔سبوی عشق۔

۳۲۔دیوان اشعار۔

۳۳۔بدایع الدرر فی قاعدۃ نفی الضرر۔

۳۴۔رسالہ فی تعیین الفجر فی اللیالی المقمرہ۔

۳۵۔التعادل والتراجیح۔

۳۶۔الاجتہاد والتقلید۔

۳۷۔تقریرات اصولیہ۔

۳۸رسالہ فی التقیۃ۔

۳۹۔رسالہ فی قاعدۃ من ملک

۴۰۔ صحیفہ نور۔۲۲ جلد، یہ کتاب ۱۹۸۳ء سے ۱۹۸۹ء تک، امام خمینی کی تحریروں اور تقاریر پر مشتمل ہے۔

امام خمینی کے مشائخ اور اساتذہ:

امام خمینی نہ صرف اپنے استادوں کے قدر شناس تھے اور ان کے سلسلہ میں خضوع رکھتے تھے بلکہ آپ سب علماء اور دانشوروں کو احترام کی نظر سے دیکھتے تھے، اور ان کو عزت اور احترام سے یاد کرتے تھے (۴۳)۔

ہم یہاں پر اختصار کے ساتھ حضرت امام خمینی کے بعض اساتذہ کا نام لیتے ہیں۔

۱۔حاج میرزا محمد مہدی خمینی۔

۲۔آیۃ اللہ حاج شیخ عباس قمی۔

۳۔آیۃ اللہ سید مرتضی پسندیدہ۔

۴۔آقا شیخ محمد گلپایگانی۔

۵۔آقا شیخ محمد علی بروجردی

۶۔آیۃ اللہ حاج آقا حسین بروجردی۔

۷۔آیۃ اللہ حاج سید محمد تقی خوانساری

۸۔آیۃ اللہ آقا میرزا محمد علی ادیب تہرانی۔

۹۔آیۃ اللہ آقا میرزا سید علی یثربی کاشانی۔

۱۰۔آیۃ اللہ آقا میرزا علی اکبر حکمی یزدی۔

۱۱۔آیۃ اللہ حاج سید محسن امین۔

۱۲۔آیۃ اللہ آقا میرزا محمد علی شاہ آبادی۔

۱۳۔آیۃ اللہ حاج شیخ محمد رضا نجفی اصفہانی مسجد شاہی۔

امام خمینی کے شاگرد

دور حاضر کے بہت سے علماء کو علوم منقول اور معقول میں امام خمینی کے شاگرد ہونے کا فخر حاصل ہے اور انہوں نے امام خمینی کے نظریات سے فیض حاصل کیا ہے،، چونکہ ان کے سب شاگردوں کا نام لینا مشکل ہے جنھوں نے تقریبا تیس سال سے اسلامی افکار اور اہل بیت علیہم السلام کے علوم میں تدریس کا کام سنبھالا ہے۔ پھر بھی ہم یہاں پر بعض افراد کے ناموں کا ذکر کرتے ہیں:

۱۔آیہ اللہ سید علی خامنہ ای، اسلامی انقلاب ایران کے رہبر معظم۔

۲۔شہید آیۃ اللہ مصطفیٰ خمینی۔

۳۔شہید آیۃ اللہ محمد حسین بہشتی۔

۴۔شہید آیۃ اللہ مرتضی مطہری۔

۵۔شہید آیۃ اللہ عبدالکریم ہاشمی نژاد۔

۶۔شہید آیۃ اللہ سید موسی صدر۔

۷۔آیۃ اللہ جوادی آملی

۸۔استاد سید جلال الدین آشتیانی۔

۹۔آیۃ اللہ محمد مصباح یزدی۔

۱۰۔آیۃ اللہ علی اکبر ہاشمی رفسنجانی۔

۱۱۔آیۃ اللہ جعفر سبحانی۔

۱۲۔آیۃ اللہ محمد رضا مہدوی کنی۔

۱۳۔آیۃ اللہ علی مشکینی۔

۱۴۔آیۃ اللہ احمد جنتی۔

۱۵۔مرحوم آیۃ اللہ حاج مجتبی حاج آخوند۔

۱۶۔آیۃ اللہ ہادی معرفت۔

۱۷۔آیۃ اللہ محمد حسین بہجت یزدی۔

اتحاد بین المسلمین سے متعلق امام خمینی کے نظریات۔

۱۔امام خمینی ہمیشہ اسلامی ممالک کے درمیان اقتصادی اور مالی تعاون پر زور دیتے تھے۔

''جو لوگ عراق، ایران اور دیگر اسلامی ممالک میں مسلمانوں کے درمیان رخنہ ڈالتے ہیں۔اسلامی ممالک کے لیڈروں کو توجہ کرنا چاہئے کہ یہ اختلاف ایک ایسا اختلاف ہے جو ان کے وجود کو ختم کر دے گا۔انہیں عقل، اور منطق کو بروئے کار لاتے ہوئے توجہ کرنا چاہئے یعنی یہ بات واضح ہے کہ وہ مذہب اور اسلام کے نام پر اسلام کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور جو ناپاک عناصر ان ممالک میں شیعہ اور سنی کے درمیان اختلاف ڈالتے ہیں وہ نہ شیعہ ہیں اور نہ ہی سنی، یہ استعمار کے آلہ کار ہیں۔جو اسلامی ممالک کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھیننا چاہتے ہیں اور ان کے ذخیروں پر قبضہ

کرنا چاہتے ہیں۔(۴۴)

۲۔آپ نے مسلمانوں کے درمیان بھائی چارے انس والفت قائم کرنے پر زور دے کر فرمایا:

امید ہے کہ خداوند تبارک وتعالی ایران کی بہادر قوم کو سلامتی عطا کرے گا اور وہ ہفتہ وحدت پر حقیقی طور سے وحدت پیدا کرے گی۔ایسا نہ ہو کہ ہم صرف نام کا ہفتہ وحدت منائیں۔اتحاد کی ضرورت ہے۔ہمیشہ قرآن کریم نے یہ حکم دیا ہے اور مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ اتحاد کریں یہ اتحاد ایک سال یا دس سال یا سو سال کیلئے نہیں ہے، بلکہ ہمیشہ کیلئے ہے پوری تاریخ میں ہم کو اس اتحاد کی ضرورت رہی ہے لہٰذا عملی طور پر اتحاد کو متحقق کریں اور یہ اتحاد جو متحقق ہوا ہے اس کی حفاظت کریں۔(۴۵)

''مسلمانوں کا ایک گروہ شیعہ ہے اور ایک گروہ سنی کچھ لوگ اخباری ہیں، اصولی طور پر سرے سے ہی ان باتوں کا کہنا صحیح نہیں ہے۔ایک ایسے معاشرہ میں جہاں سب لوگ اسلام کی خدمت کرنا چاہتے ہیں اور سب اسلام کے لئے کام کرتے ہیں ایسی باتیں بیان نہیں ہونی چاہئیں۔ہم سب آپس میں بھائی بھائی ہیں، ایک ہیں، لیکن کچھ علماء ایک چیز کا فتوی دیتے ہیں اور آپ لوگ اپنے علماء کے نقش قدم پر چلتے ہیں اور دوسرے علماء نے امام صادق علیہ السلام کے فتوی پر عمل کیا ہے اور وہ شیعہ ہیں۔یہ اختلاف کی دلیل نہیں ہے ہمیں آپس میں اختلاف اور تضاد نہیں رکھنا چاہئے، ہم سب آپس میں بھائی بھائی ہیں، شیعہ اور سنی بھائیوں کو اپنے آپ میں ہر طرح کے اختلاف سے دوری رکھنا چاہئے۔آج کے دور میں ہمارے درمیان اختلاف صرف ان لوگوں کے فائدے میں ہے جو نہ شیعیت پر اعتقاد رکھتے ہیں اور نہ مذہب اہل سنت پر، وہ نہ ان کو چاہتے ہیں اور نہ ان کو۔ان کا فایدہ صرف اس میں ہے کہ وہ ہمارے درمیان اختلاف ڈالیں۔(۴۶)

لوگوں پر نہ صرف یہ فرض ہے کہ وہ اسلامی حکومت کی حفاظت کیلئے اپنے بھائی چارے کو قائم رکھیں۔بلکہ ان کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ بھائی چارے اور اسلامی وحدت کو پامال کرنے والوں کا مقابلہ کریں۔اسی وجہ سے لوگوں پر فرض ہے اور اسلامی ذمہ داری اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اگر انہوں نے کسی ایسے فرد یا افراد کو مشاہدہ کیا

جو مسلمانوں کے درمیان رخنہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کا مقابلہ کریں۔(۴۷)

۳۔مشترک اسلامی اصول۔جیسے،ایک خدا پر عقیدہ،موجودات کا مخلوق ہونا،اور ختم نبوت کا عقیدہ

''میں اس بات پر زور دیتا ہوں کہ صرف اسلام ہم سب کی پناہ گاہ ہے اور اسلام کے پرچم کے سائے میں ہی ہم سب گروہ اپنا حق پائیں گے۔بیرونی ایجنٹ جو اپنے اور اپنے منافع کو خطرہ میں دیکھتے ہیں وہ اہل سنت بھائیوں کے درمیان سازش کرتے ہیں اور بھائی بھائی کو مارنے کی غرض سے شیعہ اور سنی میں تفرقہ ڈالتے ہیں وہ اپنی شیطانی قوت سے بھائیوں کے درمیان اختلاف ڈالتے ہیں۔اسلامی جمہوری ایران میں سب شیعہ اور سنی بھائی ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ہیں اور وہ سب مساوی حقوق رکھتے ہیں جو بھی اس کے خلاف پروپگنڈا کرے گا،وہ اسلام کا دشمن اور ایران کا دشمن ہے،ہمارے کرُد بھائیوں کو ایسی سازشیں جڑ سے اکھاڑ پھینکنی چاہئے۔میں خداوند متعال سے مسلمانوں کے درمیان اتحاد اور منافقوں کی نابودی کی دعا کرتا ہوں''(۴۸)

اگر گروہ مختلف ہوں لیکن عقیدے اور اسلامی عقاید میں ہم فکر و متحد ہوں تو وہ کبھی نقصان نہیں دیکھیں گے اگر عقیدہ اور نظریات میں اختلاف ہے تو ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ دوسرے مسلمان بھائیوں کے ساتھ جو استقلال،آزادی،اور اسلامی جمہوریہ کے حامی ہیں مل کر بیٹھیں آپ (حزب جمہوری اسلامی) سپاہ،فوج،بسیج، آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نزدیک رہیں اگر چہ علیحدہ ہیں لیکن ایک دوسرے کے ساتھ کام کریں۔(۴۹)

''آپ سب چاہتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام کا بول بالا رہے ہم سب چاہتے ہیں کہ اسلامی جمہوریہ پایدار رہے اس کا آباد ہونا اس بات پر منحصر ہے کہ اگر کسی جگہ آپ لوگوں نے دیکھا کہ شیطان کوئی سازش کر رہا ہے کوئی نقشہ کھینچ رہا ہے کہ آپ کو دوسرے کے مدمقابل کھڑا کر دے ایک دوسرے کے خلاف اکسائے تو آپ آپس میں مل بیٹھ کر مفاہمت کریں اور شیطان کو مایوس کر دیں۔''(۵۰)

۴۔ایک دوسرے کے عقائد کا احترام کرنا۔

''اگر سب لوگ ایک نقطہ کی طرف توجہ کریں تو وہ اتحاد کی دعوت ہے،عقیدے میں اتحاد،باہمی اتحاد لاتا ہے اور عمل میں اتحاد لاتا ہے۔''(۵۱)

''میں قلم کار حضرات سے گزارش کرتا ہوں کہ بالکل جس طرح ہم علماء ذمہ دار ہیں، آپ قلم کار حضرات بھی ذمہ دار ہیں کہ اس معاشرے کی خیر وصلاح کے لئے قلم فرسائی کریں۔ جو حضرات، قلم کار ہیں، خطیب اور صاحب بیان ہیں انہیں چاہئے کہ اعتقادی اور عقیدتی مسائل کو لوگوں میں واضح کریں۔ اور لوگوں کو اسلام صحیح طریقے سے پہچنوائیں۔ اور یہ سمجھائیں کہ اسلام کسی خاص گروہ کی جاگیر نہیں ہے اسلام میں ترک، فارس، عرب اور عجم، شیعہ اور سنی نہیں ہے اسلام سب سے متعلق ہے اسلام میں رنگ قبیلہ، زبان، کی کوئی اہمیت نہیں ہے سب کی کتاب قرآن مجید ہے اور یہ پروپگنڈا کرنا کہ یہ عرب ہے وہ غیر عرب ہے، یہ پروپگنڈا ان بیرونی عناصر کی طرف سے ہے، جو اسلامی ممالک کے ذخائر پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں، وہ مسلمانون کو ایک دوسرے سے الگ کرنا چاہتے ہیں لیکن مسلمانوں کو ہوشیار رہنا چاہئے کہ وہ اس پروپگنڈے میں نہ آئیں، اسلام دشمن ممالک یہ سوچتے ہیں کہ اگر مسلمان آپس میں اکٹھے ہوں گے تو یہ ممکن نہیں ہے کہ ان کے ذخائر پر وہ قبضہ کرسکیں گے اس لئے وہ مسلمانوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنا چاہئے (۵۲)۔

اتحاد قائم کرنے کی کوشش۔

امام خمینی جو تقریب بین المذاہب کے تصور کے زندہ کرنے والے تھے انہوں نے شیعہ اور سنی مذاہب کو آپس میں قریب لانے کی غرض سے بہت سے فتوے بھی دیئے ہیں، مثال کے طور پر اہل سنت والجماعت کے ساتھ نماز جماعت میں شرکت کرنے کیلئے اس سوال کے جواب میں کہ:

''آپ نے یہ حکم دیا ہے کہ اہل سنت والجماعت حضرات کے ساتھ نماز جماعت میں شرکت کریں، کیا یہ نماز نیت اور دیگر واجبات کے لحاظ بالکل شیعہ نماز جماعت کے مانند ہے؟

امام خمینی نے فرمایا: ''بالکل جس طرح وہ لوگ انجام دیتے ہیں اسی طرح انجام دیں'' (۵۳) خمینی، ۱۹۸۷ء، ص ۲۷۸)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

''طواف کو اس طرح انجام دیں جس طرح سب حاجی طواف انجام دیتے ہیں اور ایسے کاموں سے

پرہیز کریں جو جاہل لوگ کرتے ہیں اور مطلق طور پر جو کام بھی مذہب کی توہین کا سبب بنے اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اور وقوفین (عرفات اور منی میں ٹھہرنے کے دوران) اہل سنت قضاۃ کے حکم کے مطابق عمل کرنا کافی ہے چاہے اس کے صحیح نہ ہونے پر یقین ہو'' (۵۴) (خمینی، ۱۳۷۹، ص ۳۵)

۷۰ اور ۸۰ کی دہائیوں میں جب اسلام دشمن عناصر مسلمانوں کے درمیان اختلاف ڈالنے کی کوششوں میں مصروف تھے، ان حالات میں اسلامی جمہوریہ کے بانی حضرت امام خمینی نے ۱۲ ربیع الاول سے ۱۷ ربیع الاول تک (جو تاریخ ابتداء اور انتہاء کے لحاظ سے اہل سنت حضرات اور اہل شیعہ کے مطابق حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایام ولادت ہیں،) اس ہفتے کو ہفتہ وحدت کا نام دیا اور اس وقت سے آج تک ہر سال یہ ہفتہ ایران اور دوسرے ممالک میں نہایت ہی عقیدت اور احترام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ تاکہ مسلمانوں کے درمیان موجود مشترکات کو بہتر اور گہرائی سے سمجھا جائے۔

خرافات اور ایسے دینی آداب ورسوم سے دوری کرنا، جو مسلمانوں کیے درمیان کینہ اور دشمنی کا سبب بنتے ہیں ان کے ساتھ مقابلہ کرنا، سماج میں آگاہی اور علم کی ترویج، مسلمانوں کے مصالح کو یکسان جاننا، اور مسلمانوں کے درمیان موجود مشترک نکات کی طرف توجہ کرنا، اور اختلاف کو کم کرنا، ایک دوسرے کے مذہب کے حقایق کو سمجھنا، قلم اور بیان کی آزادی کا لحاظ رکھنا، مسلمانوں کے درمیان مشکلات کو کم کرنے کے لئے اتحاد پر اعتماد کرنا اور اس عقیدہ پر کاربند رہنا، یہ سب ایسی بنیادیں ہیں جن پر حضرت امام خمینی نے وحدت فکر کی تشکیل کی ہے۔

حاشیے اور حوالے

۱۔ مجموعہ گروہ، دایرۃ المعارف تشیع، ۱۹۹۴ء ج ۷، ص ۲۶۵، ستودہ، ۱۹۹۴ء ج ۱، ص ۱۷)۔

۲۔ مجموعہ گروہ، سابقہ مصدر، ص ۲۶۵، ستودہ، سابقہ مصدر، ص ۱۷)۔

۳۔ روحانی، ۱۹۸۲ء۔ ص، ۲۰۔

۴۔ جمعی از فضلاء، ۱۹۹۰ء

۵۔ سابقہ مصدر، ص ۲۵، فضلاء کی ایک جماعت، سابقہ مصدر، ص ۷۔

۶۔مجموعہ گروہ، سابقہ مصدر، روحانی، سابقہ مصدر، ص۲۰، ستودہ ، سابقہ مصدر، ص۲۸، سبحانی، سابقہ، ۲۰۰۰ء، ص۲۲)

۷۔روحانی، سابقہ مصدر، ص۲۶۔

۸۔سبحانی، جمعی از فضلاء ص۹۷

۹۔مجموعہ گروہ،، روحانی، ص۳۶، سبحانی بی تا، ص۴۔

۱۰۔روحانی ص۲۷، فرھنگ دیوان اشعار امام خمینی ۱۳۷۳ھ۔

۱۱۔روحانی، سابقہ مصدر، ص۲۸۔

۱۲۔دایرۃ المعارف تشیع، ۱۳۷۳ش (۱۹۹۴ء) ج۷، ص۲۶۶، سبحانی، ۱۳۷۸ش، (۱۹۹۹ء) ص۲۹، روحانی، سابقہ مصدر ص۳۱۔

۱۳۔مجموعہ گروہ، سابقہ مصدر۔

۱۴۔روحانی، سابقہ مصدر، ص۳۲، جمعی از فضلاء، ص۱۰، سبحانی،

۱۵۔بدلا، بی تا، ص۱۶۲۔۔۱۶۷۔

۱۶۔مجموعہ گروہ، سابقہ مصدر، ص۲۶۷، سبحانی، بی تا، ص۸

۱۷۔مجموعہ گروہ، سابقہ مصدر، ص۲۶۷۔

۱۸۔جمعی از فضلاء، سابقہ مصدر، س۱۱۹۔

۱۹۔مجموعہ گروہ۔ سابقہ مصدر، ص۲۶۸۔

۲۰۔سابقہ مصدر، ص۲۶۹۔

۲۱۔جمعی از فضلا، سابقہ مصدر، ج۴۔

۲۲۔مجموعہ گروہ، سابقہ، ص۲۶۹۔

۲۳۔جوادی آملی، ۱۳۷۳ش، (۱۹۹۴ء) ص۴۷، ۹۰۔، شاہ جویی، ۱۳۷۵ش، (۱۹۹۶ء) ص۳۰۵، ۳۱۵۔

۲۴۔استادی، بی تا، ص۹۲، ۱۰۸۔

۲۵۔روحانی، سابقہ مصدر، ص ۳۸، جمعی از فضلاء، سابقہ ج ۳، ص ۱۰۔

۲۶۔روحانی، سابقہ مصدر، س ۳۸۔۳۹۔

۲۷۔سابقہ مصدر۔ص ۴۲۔

۲۸۔جمعی از فضلاء، سابقہ مصدر، ص ۱۲۔

۲۹۔جمعی از فضلاء سابقہ مصدر، ج ۲، ص ۱۴۰۔

۳۰۔سبحانی، ۱۳۷۸ش، (۱۹۹۹ء)

۳۱۔سابقہ مصدر، ۱۳۷۸ش، (۱۹۹۹ء) ص ۲۵۔۔۲۶۔

۳۲۔سابقہ مصدر، بی تا، ص ۱۰۔۔

۳۳۔سابقہ مصدر

۳۴۔جمعی از فضلاء، سابقہ مصدر ج ۴۔ص ۱۱۰۔

۳۵۔سبحانی، ۱۳۷۸ش (۱۹۹۹ء) ص ۶۔

۳۶۔مجموعہ گروہ، ص ۲۶۶۔

۳۷۔روحانی، سابقہ، ص ۴۰۔۴۱۔

۳۸۔حسینی، بی تا، ص ۱۴۵۔

۳۹۔سابقہ مصدر، ص ۸۰۔

۴۰۔فرشبافیان، ۱۳۷۶ش، (۱۹۹۷ء) ص ۷۱۔

۴۱۔سابقہ، ص ۶۹۔

۴۲۔سبحانی، سابقہ، ص ۲۸)

۴۳۔جمعی از فضلاء، سابقہ مصدر، ج ۵ ص ۸۴، اور ۱۶۵۔

۴۴۔خمینی، ۱۳۷۹ش، (۲۰۰۰ء) ج ۱، ص ۳۷۶۔

۴۵۔سابقہ مصدر،۱۳۷۱ش۔(۱۹۹۲ء)ج۱۹،ص۲۴۹۔

۴۶۔سابقہ،ج۱۲۔ص۲۵۹۔

۴۷۔سابقہ،ج۱۳،ص۱۷۳۔

۴۸۔سعادتمند،۱۳۸۵ش(۲۰۰۰ء)ص۱۸۳۔

۴۹۔خمینی،سابقہ۔ج۱۵،ص۱۷۷۔

۵۰۔سابقہ مصدر۔ج۱۵۔ص۱۷۷۔

۵۱۔سابقہ،ج۴۔س۲۵۳۔

۵۲۔سابقہ۔ج۶۔ص۲۰۱۔

۵۳۔خمینی،۱۳۶۶ش(۱۹۸۷ء)ص۲۷۸۔

۵۴۔خمینی،(۲۰۰۰ء)ص۳۵۔

منابع اور مآخذ:

۱۔امین سید محسن،اعیان الشیعہ،دالتعارف للمطبوعات بیروت ۱۴۰۳ھ۔

۲۔جمعی ازفضلاء،سرگذشت ھای ویژہ اززندگی امام خمینی،پیام آزادی،تہران،چاپ چہارم ۱۹۹۰ء

۳۔جوادی آملی،عبداللہ۔آوای توحید،موسسہ تنظیم ونشرآثارامام خمینی،تہران چاپ پنجم ۱۹۹۴ء

۴۔دہخدا،علی اکبر،لغت نامہ،سازمان لغت نامہ،تہران،۱۹۷۳ء

۵۔روحانی،حمید،بررسی وتحلیلی ازنہضت امام خمینی،،سازمان انتشارات وآموزش انقلاب اسلامی،تہران،۱۹۸۲ء

۶۔ستودہ،امیررضا،پابہ پای آفتاب،نشرپنجرہ،تہران،چھاپ اول،۱۹۹۴ء

۷۔سعادت مند،رسول،نامہ ہاوپیام ہای تاریخی امام خمینی،انتشارت تسنیم،قم چھاپ اول،۲۰۰۶ء۔

۸۔شاہ جویی،محمد امین،بنیان مرصوص امام خمینی در بیان و بنان آیۃ اللہ جوادی،مرکزنشراسراء،قم،چھاپ اول،

۱۹۹۶ء۔

۹۔فرشبافیان، احمد، مشرب عرفانی امام خمینی، وحافظ، موسسہ چاپ ونشر عروج، تہران، ۱۹۹۷ء

۱۰۔مجموعہ گروہ، اثر آفرینان، انتشارات انجمن آثار ومفاخر فرہنگی، تہران، ۱۹۹۸ء۔

۱۱۔مجموعہ گروہ، دایرۃ المعارف تشیع، نشر شہید سعید محبی، تہران، چھاپ اول، ۱۹۹۴ء۔

۱۲۔مجموعہ گروہ، فرہنگ دیوان اشعار امام خمینی، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، تہران، چھاپ اول، ۱۹۹۴ء۔

۱۳۔مدرسی، محمد علی، ریحانۃ الادب، چاپ خانہ شفق، تبریز، چاپ سوم بی تا،

۱۴۔موسوی خمینی، روح اللہ، استفتائات، دفتر انتشارات اسلامی قم ۱۹۸۷ء

۱۵۔موسوی خمینی، صحیفہ امام، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام، تہران، چاپ دوم، ۲۰۰۰ء

۱۶۔موسوی خمینی، صحیفہ نور۔ وزارت فرہنگ وارشاد اسلامی، تہران، ۱۹۹۷ء

۱۷۔مولوی، جلال الدین، محمد، مثنوی معنوی، تصحیح نیکلسون، انتشارات امیر کبیر، تہران، ۱۹۸۲ء۔

ب۔مقالات

۱۔استادی، رضا، اساتید ومشائخ امام خمینی، آینہ پژوہش، شمارہ ۵۸، دفتر تبلیغات اسلامی حوزہ علمیہ قم، بی تا۔

۲۔استادی، رضا، کتاب ہاو آثار علمی امام خمینی، آینہ پژوہش، شمارہ ۵۸۔ دفتر تبلیغات اسلامی حوزہ علمیہ قم، بی تا

۳۔استادی، رضا، کتاب ہا وآثار علمی امام خمینی، حضور، شمارہ ۱۔ موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، تہران۔

۴۔بدلا، سید حسین، کشف الاسرار وزمینہ پیدایش آن، کیہان اندیشہ، شمارہ ۲۹، نشریہ موسسہ کیہان قم۔

۵۔حسینی قائم مقامی، سید عباس، قرآن وعرفان از منظر امام خمینی، کیہان اندیشہ، شمارہ ۲۹۔ نشریہ، موسسہ کیہان قم۔

۶۔سبحانی، جعفر، بررسی ابعاد شخصیت امام خمینی، کتاب سروش، انتشارات سروش، تہران، ۱۹۹۹ء

۷۔سبحانی، جعفر۔ جامعیت علمی وعملی امام خمینی، کیہان اندیشہ، شمارہ ۲۹، نشریہ موسسہ کیہان قم بی تا۔

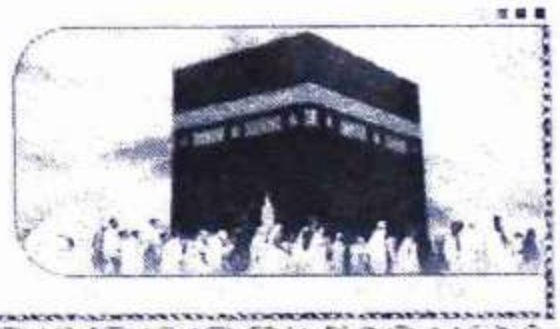

عالم اسلام کا تعارف

بوسنیا و ہرزگوئین بیسویں صدی سے

آج تک اور ہمارے فرائض

(آخری قسط)

عزالدین رضانژاد

ترجمہ: سید نجیب الحسن زیدی

خلاصہ:

''گزشتہ تین حصوں میں ہم نے بوسنیا و ہرزگوئین کے سیاسی اور اجتماعی نشیب وفراز کو پیش کیا جس میں ہم نے دوسری عالمی جنگ کے بعد سے بیسویں صدی کی نوے کی دہائی کے نشیب وفراز، اسکے بعد قومی اور داخلی جنگ، صربستان اور کروشیا کی مداخلت، سابقہ یوگوسلاویہ سے اس کا استقلال، معاہدہ صلح اور اس کے پس منظر کو پیش کیا اب اس آخری حصے میں ہم بوسنیا میں موجودہ کتب خانوں، تصوف کی طریقتوں ، فارسی زبان وادب فارسی اور ان کے بوسنیائی ثقافت پر پڑنے والے اثرات، بوسنیا میں موجودہ یونیورسٹیوں اور کالجوں کے ایک اجمالی تعارف کے ساتھ وہاں موجودہ اسلامی تنظیموں کی کارکردگی اور بوسنیائی مسلمانوں کے آداب ورسوم بیان کریں گے''

.....بوسنیا و ہرزگوئین کے کتب خانے:

بوسنیا و ہرزگوئین کا قومی کتب خانہ ۱۹۴۵ء میں شہر سارایوو میں تاسیس ہوا، یہ کتب خانہ ۱۹۵۱ء میں اپنے موجودہ مقام ''سٹی ہال'' منتقل اور ۱۹۵۷ء سے قومی کتب خانے کے عنوان سے جانا جانے لگا۔

اس کتب خانہ میں موجودہ کتابوں کی مجموعی تعداد ۱۹۷۳ء تک صرف سات ہزار جلدوں تک ہی پہنچ سکی تھی جب کہ یہی تعداد ۱۹۹۹ء میں بڑھ کر ۲۰ لاکھ جلدوں تک پہنچ گئی، بوسنیا و ہرزگوئین کا قومی اور یونیورسٹی سے متعلق یہ کتب خانہ امانتی روش پر اپنا کام کرتا ہے یعنی معین مدت کے لئے کتاب لیکر اپنے معینہ وقت میں واپس کرنے کی

سہولت وہاں پر حاصل ہے۔

یونیورسٹی کے کتب خانے:

سارایوو یونیورسٹی کا کتب خانہ بوسنیا و ہرزگوئین کے یونیورسٹی سے متعلق قدیمی اور اہم کتب خانوں میں ہے جسے قومی کتب خانہ بھی مانا جاتا ہے اس کتب خانہ نے ۱۹۵۷ء میں یعنی یونیورسٹی کی تاسیس کے آٹھ سال بعد اپنی فعالیت کا آغاز کیا۔

اس ملک کی یونیورسٹی سے متعلق اور دوسرے معتبر اور قابل توجہ مراکز حسب ذیل ہیں:

۱۹۵۷ء میں تاسیس ہونے والی بانجالوکا یونیورسٹی، ۱۹۷۷ء میں تاسیس ہونے والی موسٹار یونیورسٹی اور ۱۹۷۶ء میں تاسیس ہونے والی توزلا یونیورسٹی ،ان یونیورسٹیوں سے متعلق تمام کتب خانوں کے سلسلہ میں مزید معلومات ہمارے پاس نہیں ہے۔

موضوع بندی کے تحت خصوصی کتب خانے:

بوسنیا و ہرزگوئین کے قدیمی اور نمایاں خصوصی کتب خانوں میں ایک کتب خانہ ''غازی خسرو بیگ'' ہے جو سارایوو میں واقع ہے. جیسا کہ اس سے پہلے اشارہ ہوا غازی خسرو بیگ عثمانی سرداروں میں تھے جنہوں نے ۱۵۲۱ء ۱۵۴۱ء تک سارایوو پر حکومت کی انہوں نے ۱۵۳۱ء میں سارایوو میں ایک مسجد تعمیر کی اور اس کے ایک سال بعد اس میں مدرسہ اور خانقاہ کا اضافہ کیا اور پھر ۱۵۳۷ء میں مسجد کے لئے ایک کتب خانہ کی تاسیس کی اور اس طرح مسجد کو ایک علمی مرکز بنا دیا۔ کتب خانے کے منابع میں توسیع کے پیش نظر کتب خانہ کے لئے ایک لائبریین کا بھی انتخاب عمل میں آیا اسلامی موضوعات سے جڑی ہوئی تحقیقات کے لئے غازی خسرو بیگ کا کتب خانہ ایک معتبر کتب خانہ کے طور پر جانا جاتا ہے۔

اس کتب خانہ میں ساٹھ ہزار کتابیں اور گیارہ ہزار خطی نسخے ہیں۔

۱۸۸۸ء سے فعال ہونے والے بوسنیا و ہرزگوئین کے قومی میوزیم کا کتب خانہ بھی اپنی خدمت انجام دے رہا ہے اور دو لاکھ جلدوں پر مشتمل کتابوں کے ساتھ بوسنی و ہرزگوئین کے نمایاں تخصصی کتب خانوں میں شمار ہوتا ہے۔

اس کتب خانہ میں موجود قیمتی آثار کے درمیان سارایوو کے یہودیوں کے ورد اور توریت بھی ہیں جو

ہاگادا کے نام سے معروف ہیں.

یہ نسخہ چودہویں عیسوی صدی میں اسلام کی حاکمیت کے دور میں اسپین کے خطاطوں اور سونے کی دھات کو پگھلا کر تزئینی کام انجام دینے والے فن کاروں کے ذریعہ وجود میں آیا اور پانچ سو سال پہلے یہودیوں کے سارایوو کی طرف کوچ کر جانے کی بنا پر بوسنیا منتقل ہو گیا اور آخر کار بوسنیا کے قومی میوزیم کے سپرد کر دیا گیا۔

بوسنیا میں تصوف اور اس کی طریقتیں:

بوسنیا میں تصوف کے ورود کو اس ملک میں عثمانیوں کے داخل ہونے کے تقریبا ساتھ ساتھ مانا جا سکتا ہے ظاہرا عثمانی اپنے ساتھ بہت سے شیوخ اور درویشوں کو بوسنیا لے کر آئے تھے جیسا کے تاریخی اسناد کی بنیاد پر یہ پتہ چلتا ہے کہ سلطان محمد فاتح نے ۴۰ مختلف طریقتوں کے مشائخ [men,s Learned] کو بوسنیا منتقل کیا تھا. صوفیوں نے اپنی خاص روش کو اپناتے ہوئے ایک طرف تو اس علاقہ میں اسلام کی ترویج کی اور دوسری طرف انہوں نے اپنی فعالتیوں کو پورے جہان اسلام میں تصوف کے بڑے نیٹ ورک {Network} سے جوڑ دیا۔

یہ لوگ بوسنیائی لوگوں کے مقدس مقامات کو محترم جانتے تھے اور خانقاہوں وتکیوں میں اپنی فعالیتوں کے ذریعہ اسلام کی دعوت دیتے تھے۔

بوسنیا میں سب سے پہلی خانقاہ اس ملک میں عثمانیوں کے مکمل قبضہ سے قبل بنائی گئی، شاید بوسنیا میں تصوف کی باقاعدہ نشانی کے طور پر ۸۶۸ھ ۱۴۶۴ء میں سارایوو میں تعمیر شدہ خانقاہ مولویہ کا نام پیش کیا جا سکتا ہے جسے ''ایشک بگوتیہ'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔

اسی دور میں سارایوو میں متعدد چھوٹی چھوٹی خانقاہیں بھی وجود میں آئیں جنکے بارے میں اولیا چلبی نے اپنے سفرنامے میں تذکرہ کیا ہے. بوسنیا کے دیگر علاقوں میں بھی عثمانی دور حکومت میں بہت سی خانقاہیں تعمیر کی گئیں جن میں مختلف صوفی طریقتوں کے پیروکار بھاری تعداد میں حاضری دیتے ہیں اور ان ہی صوفی طریقتوں نے اپنے پیروکاروں کی معنوی ہدایت اور وسیع عرفانی لٹریچر کے ساتھ بوسنیا کے لوگوں میں فارسی اور عربی زبان کو بھی رواج بخشا ہے ۔

بوسنیا میں سیاسی اتھل پتھل کے بعد دوسری عالمی جنگ کے اختتام پر جب ۱۹۵۲ء میں کمیونسٹی نظام برسر اقتدار آیا تو ان خانقاہوں کی فعالیت پر پابندی عائد کر دی گئی. لیکن ۱۹۷۷ء میں حکومت نے ''بوسنی طرقتوں کا ایک

مرکز'' بنایا جسکی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ تصوف اور خانقاہوں سے جڑے امور کی دیکھ بھال کرے اس طرح اس مرکز کی تشکیل کے بعد خانقاہوں کی فعالیت پھر سے شروع ہوگئی اور ۱۹۹۱ء میں بوسنیا کے ''اسلامی سماج'' نے ۱۹۸۶ء میں مدون ہونے والے بنیادی دستور کے مطابق اس مرکز کے معین شدہ کاموں کی انجام دہی کی کیفیتوں اور انکے طریقہ کار کی تائید کردی۔

موجودہ زمانہ میں بوسنیا میں طریقت قادریہ، رفاعیہ، نقشبندی، مولویہ، خلوتیہ، شاذلیہ، بدویہ، دسوقیہ، سعدیہ، سنانیہ، بایرامیہ، اوور بکتاشیہ پر مشتمل بارہ طریقتیں پائی جاتی ہیں ان طریقتوں کی فعالیت کی قانونی طور پر تائید کی جاچکی ہے۔

بوسنیا میں فارسی ادبیات ولٹریچر:

نویں صدی ہجری / پندرہیوں عیسوی میں بوسنیا میں فارسی زبان وادب نے آہستہ آہستہ رواج پالیا، بوسنیا میں فارسی زبان وادب کے رائج ہونے کی وجہ بھی یہ تھی کہ عثمانی سپاہی جو کہ اسلامی ثقافت کے مروج بھی تھے علم و فلسفہ خاص کر ادب میں ایرانی اور فارسی ادب سے بہت زیادہ متاثر تھے اور زبان فارسی کئی صدیوں تک ایشیائے صغیر {Minor asia} کی اپنے آپ میں قانونی طور پر منحصر زبان رہی تھی۔

بوسنیا و ہرزگوئین میں ایرانی تہذیب سے متاثر ہونے کی تاریخ جو کہ محققین کے لئے باعث حیرت بھی ہے تقریبا اس دور کی طرف پلٹتی ہے جب اسلووین لوگ بلقان کے علاقہ میں رہا کرتے تھے۔

فرہنگ وثقافت کی تاثیر اور اس کے انتقال میں سب سے پہلے مانویوں، نومانویوں، اور بلقان میں بگومیل کے مانوی فرقہ کے رول پر توجہ دینا ہوگی جو کہ پہلے عیسائیوں کے حملوں کی زد پر تھے اور بعد میں اچانک ہی ایمان لے آئے، اس کے بعد یونانیوں کے رول کو دیکھنا ہوگا اور انجام کار عثمانیوں کے رول کو، خاص کر فارسی ادب وزبان میں انکی کاوشوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔

بوسنیا میں عثمانی دور میں فارسی ادب وزبان (۱۴۶۳ سے ۱۸۷۸ء):

بوسنیا و ہرزگوئین، مقدونیہ، اور قرہ داغ کی سرزمینوں پر عثمانیوں کے ورود کے ساتھ ہی ان علاقوں میں فارسی، ترکی، اور عربی زبانوں کا رواج ہوگیا، فارسی ادب وفرہنگ کے اعتبار سے تو عربی دین وشریعت اور ترکی

دفتری زبان کے اعتبار سے۔

عثمانی سلطنت کے حدود میں عمومی طور پر اور بوسنیا و ہرزگوئین میں خاص طور پر فارسی زبان وادب کی تعلیم اور ترویج جو کہ اپنی چاشنی، اسلوب اور ایران کے جلیل القدر مفکرین کے نظریات کی بنا پر عالم اسلام کی زبان بن چکی تھی تین مراکز میں انجام پا رہی تھی: مدارس، خانقاہیں، انجمنیں

۱)۔ مدارس:

اگر چہ مدرسہ کے ایک عام معنی ہیں اور اسکا مطلب محل تدریس ہے اور یہ ابتدا سے لے کر اعلی ترین تعلیمی دور کو شامل ہے لیکن ایسا لگتا ہے کہ یہاں پر مدرسہ سے مراد اعلی تعلیم کے حصول کی جگہ ہے، اس لئے کہ ان مدارس میں وہی طلاب آتے تھے جنہوں نے ''مکتب'' کی ابتدائی تعلیم اور رشدیہ (متوسط) دور تعلیم کو پورا کرلیا ہوتا تھا، مختلف سطوح کے تعلیمی مراکز کچھ اس طرح تھے۔

الف: جو کہ دو انداز کے ہوا کرتے تھے:

۱۔ بچوں کے لئے وہ مکاتب جو دیہاتوں یا چھوٹے شہروں میں قائم تھے اور ان کا کوئی معین نظام نہیں تھا.

۲۔ ابتدائی مکاتب جن کا تین سالہ معین نظام تھا۔

ب: رشدیہ: (متوسط) مدرسہ (اعلی تعلیم) اور ابتدائی کا درمیانی دور مکاتب اور رشدیہ میں فارسی زبان کے قواعد بھی پڑھائے جاتے تھے۔

ج: مدارس، جن میں فارسی زبان وادب کے اعلیٰ درجہ کے نمایاں متون کی تدریس ہوتی تھی جیسے گلستان سعدی، بہارستان جامی، دیوان حافظ، مولانا روم کی مثنوی، اور اسی طرح کی دیگر نادر لٹریچر۔۔۔

''یوگدانوویچ'' کی ایک رپورٹ کے مطابق دسویں صدی سے ۱۲ ہجری صدی تک بوسنیا و ہرزگوئین میں مدارس کی تعداد سو سے زیادہ تھی ''م مالیک'' ان مدارس کا ذکر کرتے ہیں جن میں فارسی زبان سکھائی جاتی تھی جیسے سارایوو میں مدرسہ ''غازی خسرو بیگ''، اور ''اتمجان'' اور ''تراونیک''، ''موسٹار''، ''بانیالوکا''، زنیکا، فوجنیکا، ویسوکو، کونجیک، ''اسکوپلیج''، و... بوگدانوویچ اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ یوگوسلاویہ کا سب سے قدیمی مدرسہ، مدرسہ اسحاق بیگ ہے جسے ۸۵۰ھ ۱۴۴۶ء میں شہر سکوپیہ میں بنایا گیا، دوسرا مدرسہ، مدرسہ فیروز بیگ ہے کہ جسے ۹۱۲ھ ۱۵۰۶ء میں شہر سارایوو میں بنایا گیا لیکن تمام مدارس میں سب سے فعال مدرسہ، مدرسہ غازی خسرو بیگ ہے

جو ۹۳۷ھ ۱۵۳۱ء میں سارایوو میں تعمیر کیا گیا، غازی خسرو بیگ نے اس مدرسہ کی تاسیس کے بعد ایک مسجد اور ایک لائبریری بھی بنائی؛ یہ کتب خانہ ۴/۵۰۰ عربی اور ترکی زبان کے خطی نسخوں اور قابل دید بہت سے فارسی نسخوں کو اپنے دامن میں سمیٹے آج بھی قائم ہے۔

۲)۔ خانقاہیں:

بوسنیا و ہرزگوئین کی خانقاہیں خاص کر خانقاہ مولویہ پورے عثمانی خطے میں فارسی زبان وادب کا مرکز تھی. اس بات کی علت بھی یہ ہے کہ تصوف اور عرفان کی زبان جو غالبا اشعار کی صورت بیان ہوتے ہیں زبان فارسی ہے، مثنوی معنوی جو کہ سب سے بڑا منظوم عرفانی تحفہ ہے فارسی ہی میں ہے یہ نکتہ بھی توجہ کے لائق ہے کہ خانقاہوں کے صوفی، اور بوسنیا میں بلکہ کلی طور پر عثمانی حدود میں رائج طریقتوں کے پیروکار جہاد کو اپنے فرائض کا ایک جزو سمجھتے تھے اور ظاہراً اپنے اس عقیدہ میں یہ لوگ ابن عربی کے نظریات سے متاثر تھے کہ جسکے مطابق ولی ''خلیفہ'' صاحب شمشیر بھی ہوتا ہے ،یعنی ضرورت کے وقت وہ قیام بالسیف بھی کرسکتا ہے (ر.ک: ابن عربی، ۱۳۶۶، جلد ا ص ۲۰۷، ص ۳۰۶۔۳۰۷)

۳)۔ انجمنیں:

انجمنوں کا وجود خصوصی اور عمومی ایسے حلقوں کے طور پر تھا جہاں فارسی زبان وادب کی تعلیم دی جاتی تھی، ان انجمنوں میں شرکت کرنے والے دو گروہوں میں تھے۔

مختلف اصناف وطبقوں سے عام لوگ اور وہ خواص لوگ جو علم حاصل کرنے میں دلچسپی رکھتے تھے، ایسے لوگ انجمنوں کے تعلیمی مراحل طے کر لینے کے بعد اسلامبول، قاہرہ اور بغداد کی طرف چلے جاتے اور اعلیٰ تعلیم میں مشغول ہوجاتے اور پھر حکومتی مناصب پر فائز ہوجاتے تھے۔

ان دونوں گروہوں میں وجہ اشتراک انکا فارسی زبان وادب سے عشق ولگاؤ تھا جسکی بنا پر یہ لوگ دل کی گہرائیوں سے پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔

ان انجمنوں میں دقیق نظام تعلیم کی بنیاد پر فارسی ادب کے نمایاں منظوم ونثری متون پندرہ سالوں پر مشتمل تعلیمی دور میں پانچ مرحلوں میں پڑھائے جاتے تھے۔ پہلے مرحلہ میں دو سال کی مدت میں پندنامہ عطار، دوسرے مرحلہ میں تین سال کی مدت میں گلستان سعدی، گلستان سعدی کے درس میں شرکت کرنے والوں کی تعداد

دوسرے دروس سے زیادہ تھی، تیسرے مرحلہ میں تین سال کے لئے دیوان حافظ کی تعلیم، چوتھے مرحلہ میں ایک سال کی مدت میں بوستان سعدی کی تعلیم، پانچویں مرحلہ میں تعلیمی سلسلہ کے سب سے اعلی درجہ کے طور پر چھ سال کے عرصہ میں مولانا روم کی مثنوی معنوی کی تعلیم، مثنوی کی تعلیم کے ساتھ فارسی ادب کے اعلی درجہ کے متون کی تفسیر اور شرح کی تعلیم کا مرحلہ ختم جو جاتا تھا اور ان مختلف مراحل میں تعلیم سے فارغ ہو جانے والے افراد۔ جیسا کہ اس سے پہلے بھی ذکر ہوا) اہم حکومتی مناصب پر فائز ہو جاتے تھے اور وہ لوگ بھی جو اپنے کاموں میں لگے رہتے اور اپنے اپنے مشغلوں میں مصروف رہتے تھے وہ بھی ایک پڑھے لکھے انسانی معاشرے کی تشکیل میں اہم رول نبھاتے تھے۔

ان تمام کوششوں کے ماحصل کے طور پر (خواہ وہ زبان فرہنگ وادب کی تعلیم یعنی فارسی کا میدان ہو یا زبان علم و دین وشریعت یعنی عربی، یا دفتری یعنی ترکی زبان سکھانے کی کوششیں ہوں) بہت سے شعرا اور دانشور حضرات ظہور پذیر ہوئے جن میں سے ۲۱۶ر کی تعداد تک کی سوانح حیات اور ان کے آثار کو محمد خانجی نے ''الجوهر الاسنی فی تراجم علماء و شعراء بوسنه'' نامی کتاب میں حروف تہجی کی بنیاد پر (۲۳۔۱۳۹ تک کے صفحات) میں ذکر کیا ہے جن میں سے چودہ فارسی گوشاعر بوسنیا وہرزگوئین سے تعلق رکھتے ہیں.

یوگدانوویچ نے ۱۶ر عدد فارسی گوشعرا کے نام ذکر کیئے ہیں:

۱۔محمود عدنی (تقریبا ۸۷۹ھ/۱۴۷۴ء)

۲۔درویش پاشا بازید آگیچ (تقریبا ۱۱۲۳ھ/۱۷۱۱ء)

۳۔توکلی دده سرایلی (تقریبا ۱۰۳۵ھ/۱۶۲۶ء)

۴۔محمد نرگسی (تقریبا ۱۰۴۲ھ/۱۶۳۲ء)

۵۔خسرو پاشا سکولو (تقریبا ۱۰۵۰ھ/۱۶۴۰ء) جو کہ سلطنت عثمانی کے وزیروں میں سے اور صاحب منصب تھے اور نہ صرف یہ کہ شعر کہتے تھے بلکہ اچھا لکھتے بھی تھے انہوں نے شعر، ادب اور علم کے رواج میں خاص کر بوسنیا میں بہت زیادہ مدد کی۔

۶۔احمد طالب (تقریبا ۱۰۸۵ھ/۱۶۷۴ء)

۷۔احمد رشدی (تقریبا ۱۱۱۱ھ/۱۶۹۹ء)

۸۔احمد یسری (تقریبا ۱۱۰۵ھ/۱۶۹۴ء)

۹۔احمد صبوحی (تقریبا ۱۰۵۱ھ/۱۶۴۱ء)

۱۰۔علی زکی کیماگر (تقریبا ۱۱۲۳ھ/۱۷۱۱ء)

۱۱۔مصطفیٰ لدنی (تقریبا ۱۱۲۸یا ۱۱۳۳ھ/۱۷۱۶/یا ۱۷۲۱ء)

۱۲۔سودی بوسنوی (تقریبا ۱۰۰۵ھ/۱۵۹۷ء دیوان حافظ، گلستان بوستان سعدی کے شارح

۱۳۔شیک فوزی موستاری (تقریبا ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء نثر میں گلستان سعدی کے اسلوب پر بلبلستان نامی کتاب کے مصنف کہ جس میں بوسنیا کے گیارہ شاعروں کا تعارف کرایا گیا ہے۔

۱۴۔حاجی مصطفیٰ مخلصی (تقریبا ۱۱۵۶ھ/۱۷۴۳ء)

۱۵۔محمد شاکر مویدویچ (تقریبا ۱۲۷۵ھ/۱۸۵۹ء)

۱۶۔مصطفیٰ بوسنوی (تقریبا ۱۰۶۲ھ/۱۶۵۲ء)

عصر عثمانی کے بعد بوسنیا میں فارسی زبان وادب:

جیسا کہ اس سے قبل بیان ہوا، بوسنیا و ہرزگوئین آخری چند دہائیوں میں شدید سیاسی نشیب وفراز سے جوجھتا رہا ہے، پیشتر ہم نے بیان کیا کہ گزشتہ چند دہائیوں میں بوسنیا و ہرزگوئین نے اپنی سیاسی تاریخ کے سخت ترین نشیب وفراز کو طے کیا ہے، عثمانی حکومت کے قبضہ کے بعد آسٹیریا و{Austria} مجارستان {Hungery } (۱۸۷۸ء۔۱۹۱۸ء) کا قبضہ، کمیونسٹوں کا قبضہ (دوسری عالمی جنگ سے لے کر سودیت یونین کا شیرازہ بکھرنے تک)، داخلی جنگیں اور قومی کاٹ چھانٹ اور گروہ بندیوں کی افسوس ناک داستانیں (۱۹۹۰ء میں) آخر کار ۱۹۹۶ء کے بعد مستقل حکومت کی تشکیل یہ تمام حوادث سرزمین بوسنیا کی تاریخ کا اہم حصہ شمار ہوتے ہیں۔

ان تمام سیاسی اور اجتماعی نشیب وفراز کے باوجود یوں نظر آتا ہے کہ اس سرزمین پر کبھی بھی فارسی زبان و ادب کا روشن چراغ بجھنے نہ پایا اور یہ بھی اس وجہ سے ہے کہ لوگوں کی فارسی زبان سے محبت اور عوامی حمایت ہمیشہ ہی فارسی زبان اور عرفان کی پشت پناہ رہی ہے اور اسی کے چلتے فارسی کو دوام واستمرار حاصل ہوا یہی محبت وحمایت فارسی کے جلتے ہوئے چراغ کی روشنی میں اضافہ ودوام کی ضمانت بن گئی۔

سارایوو کی یونیورسٹی میں فارسی ادب کے استاد جناب بشیر جا کا فارسی زبان وادب کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں: اگر چہ بوسنیا و ہرزگوئین میں فارسی ادب کا کمیت کے لحاظ سے عربی وترکی سے کوئی تقابل نہیں ہے لیکن کیفیت کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو فارسی ان دونوں زبانوں سے کہیں اوپر نظر آتی ہے (ر.ک: صفار مقدم، ۱۳۷۲ش، ۸۰)

''مسلمانوں کی آواز'' نامی جریدہ کے ایڈیٹر اور شاعر جناب جمال تاتیج بوسنیا و ہرزگوئین کے مسلمانوں کے درمیان فارسی زبان وادب کے والا مقام ومرتبہ اور معنوی مرکزیت کے سلسلہ میں ضرب المثل کی طرح رائج وہاں کے مقامی لوگوں کے عقیدہ کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: جنت میں عربی میں گفتگو ہوگی لیکن اگر آپ کو جنت جانے کی تمنا ہے تو ضروری ہے کہ آپ فارسی میں جانیں؛ یعنی جنت میں جانے کے لئے ان عقلی بنیادوں پر مشتمل ان اسلامی علوم سے متعلقہ آثار کو پڑھنا ضروری ہے جو فارسی میں لکھے گئے ہیں (گزشتہ، ص ۸۵)

ایرانی تمدن اور فارسی ادب کے سلسلہ میں اس طرح کے طرز فکر اور عقیدہ نے بوسنیا و ہرزگوئین میں آج فارسی کو ہمارے دور تک زندہ رکھا ہوا ہے اور اسی عقیدہ کی بنیاد پر فارسی زبان وادب کی تعلیم کی وہ انجمنیں جن کی جڑیں عام لوگوں کے کلچر میں گھلی ملی ہیں اب تک پائدار ہیں۔

بوگدانو ایویچ فارسی زبان وادب کی تعلیم دینے والی عوامی اور فرہنگی انجمن کی ۱۹۵۹ھ تک کی کارکردگی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: ایک انجمن اسی سال حاجی مویا قامرحم ایویچ کے دنیا سے اٹھ جانے کی بنا پر جو کہ مدرس اور مدیر تھے ختم ہوگئی، بوگدانو ایویچ اور م.ممالیک ایک اور انجمن ''انجمن ایرانی'' کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ یہ ابھی تک فعال ہے، اس انجمن کی بنیاد بوسنیا پر اسٹریا و مجارستان کی فوجوں کے قبضہ سے تھوڑا پہلے ''آت میدان مدرسہ'' سارایوو میں عارف صدقی ارزرومی نے ڈالی اس کے پچاس اراکین تھے اس میں نہ صرف فارسی متون وادب خاص کر مثنوی معنوی کی تدریس ہوتی تھی بلکہ اس انجمن کا ہر ایک رکن اس بات کا پابند تھا کہ فارسی میں ہی بات کرے اگر کبھی کبھار غفلت کی بنیاد پر کوئی رکن فارسی نہیں بولتا تھا تو اسے معینہ جرمانہ دینا پڑتا تھا اور اس طرح فارسی نہ بول پانے کی بنا پر حاصل ہونے والے جرمانوں کو شہر کے اچھی آب وہوا والے سرسبز وشاداب علاقوں میں انجمن کے اراکین کی تفریح پر خرچ کیا جاتا تھا۔

عارف صدقی اس انجمن کو ادارہ کرنے کے ساتھ ساتھ مثنوی کے درس کی ذمہ داری بھی اپنے کاندھوں پر لئے تھے اور یہ کتاب اپنے شاگردوں کے ایک گروپ کو پڑھاتے تھے عارف صدقی کا درس اسی طرح جاری رہا ان کے بعد کے اساتید اس طرح ہیں: بہاءالدین سیکیریچ، رئیس العلما چاوشویچ، حاجی مویا قامرحم ایویچ، فیض اللہ حاجی بایریچ، اور حاجی خالد مولیچ.

رئیس العلماء اور جمال الدین چاسیویک کی جانب سے مثنوی اور فارسی ادب کے دیگر کلاسیکل آثار کے سلسلہ میں

برپا ہونے والی کانفرنسوں کی برکت سے بھی سابقہ یوگوسلاویہ میں فارسی ادب سے لگن اور چاہت میں کمی نہ آئی جس کے نتیجہ میں بوسنیا و ہرزگوئین میں بھی نہ کمی آئی اور نہ ہی یہ ختم ہوسکی۔

واضح سی بات ہے کہ فارسی زبان وادب کے سلسلہ میں منعقد ہونے والی یہ کانفرنسیں خود اس علاقے کے باشندوں کے فارسی ادب وزبان سے قلبی لگاؤ کی نشاندہی کرتی ہیں اور یہی لگاؤ عارف صدفی سے لیکر آج تک مثنوی کے درس کے جاری رہنے، نیز آخری دہائیوں تک شہر تراونیک میں حاجی ابراہیم کے مدرسہ ایلچی کے فارسی زبان و ادب کی ترویج وتعلیم کے سلسلہ میں اہم رول نبھانے کا سبب بنا ہے۔

آج فارسی زبان کی ایک کرسی بلگراد کے کالج میں قائم ہے اور سارایوو کی یونیورسٹی کے فلسفہ سے متعلقہ شعبہ {Faculty} میں مستشرقیت {Orientalism} کے موضوع کے تحت زبان فارسی پڑھائی جاتی ہے. یہ زبان ابتدا میں تو C گروپ میں تھی اور صرف ایک سال کی مدت تک پڑھائی جاتی تھی، لیکن ۱۹۷۰ء سے بشیر جاکا کے تعاون سے جنہوں نے فارسی لٹریچر اور زبان میں تہران یونیورسٹی سے .P.H.D کی ڈگری حاصل کی ہے اس زبان کو B گروپ تک ترقی مل گئی اور اس کی تدریس کی مدت تین سال تک بڑھ گئی فارسی سے متعلقہ اس موضوع میں پہلے سال کے طالب علموں کو زبان فارسی پڑھائی جاتی ہے اور دوسرے وتیسرے سال میں فارسی ادب کی تعلیم دی جاتی ہے اسی طرح بلگراد یونیورسٹی میں مستشرقیت {Orientalism} کے شعبہ کا منصوبہ بھی تھا جس میں دوسال کے عرصہ میں فارسی زبان کی تعلیم بھی شامل تھی اس طرح بھی فارسی کی تعلیم دی جائے بہرحال آہستہ آہستہ یہ کام بھی انجام پذیر ہوگا۔

بلگراد اور سارایوو میں بھی ایرانی کلچر ہاؤس کی جانب سے نوے کی دہائی میں فارسی زبان کے آزاد کلاسوں کا انعقاد ہوا جس سال بلگراد میں یہ کلاسیں لگائی گئیں اسی سال سارایوو میں بھی مدرسہ غازی خسرو بیگ میں انہیں کلاسوں کو شروع کیا گیا جو سارایوو میں جنگ کے آغاز تک جاری رہیں ان کلاسوں کی تخمینی مدت ساڑھے چار سال رکھی گئی تھی جس دوران ہر سمسٹر {Semester} میں ''آزفا'' نامی فارسی زبان کی تعلیمی چار کتابوں میں سے ایک کتاب پڑھائی جاتی تھی۔

بوسنیا میں بیسویں صدی کے نوے کی دہائی کی جنگ کے دوران ایران کا سفر کرنے والے کچھ مسلمانوں نے فارسی زبان سیکھ لی اور بعض تو ایران کی چند یونیورسٹیوں جیسے تہران یونیورسٹی میں فارسی زبان میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے میں کامیاب رہے اس کے علاوہ فارسی زبان کی تعلیم وتدریس اسلامی مدارس میں بھی رائج ہے۔

بوسنیا کے مسلمانوں کی ثقافتی اور اجتماعی صورت حال ایک بوسنیائی کی زبانی:

ہم یہاں بوسنیا و ہرزگوئین کی ثقافتی اور اجتماعی موجودہ آخری صورت حال کو فلسفہ و کلام میں ایم فل کے درجہ تک تعلیم حاصل کرنے والے طالب علم کی زبانی نقل کرتے ہیں جو اپنے تعلیمی و تحقیقی امور جمہوری اسلامی ایران میں انجام دے رہے ہیں المصطفی انٹرنیشنل یونیورسٹی کے اطلاع رسانی کے ماہنامے پژوہہ کے دو تیسویں اور اکتسویں شماروں میں جو بالقن کے علاقے کے مسائل کے جائزہ سے مخصوص ہیں، انٹرویو کے کالم میں ''مشرق کا ایک ٹکڑا'' کے عنوان کے تحت صربستان سے ڈاکٹر سعید خلیل اوپچ اور بوبوسنیا سے مرصاد حاج ایلیچ سے کی گئی گفتگو ،حسن ختام کے طور پر پیش کر رہے ہیں جس میں جناب مرصاد حاج ایلیچ[1] نے بوسنیائی مسلمانوں کی فرہنگی اور معاشرتی زندگی سے متعلق چند موضوعات پر ایک گریجویٹ دانشور کی حیثیت سے روشنی ڈالی ہے۔ یاد رہے یہ گفتگو جناب عبداللہ فاضلی نے انجام دی ہے اور یہاں پر ہم گفتگو میں کئے گئے سوالوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف جوابات کو نقل کر رہے ہیں۔

۱۔ جناب مرصاد حاج ایلیچ نے اپنا تعارف یوں پیش کیا ہے: میں نے تیئس اکتوبر ۱۹۷۱ء میں شہر کونیس میں آنکھیں کھولیں، بوسنیا و ہرزگوئین میں یہ شہر سارایوو اور موستار کے معروف شہروں کے درمیان ہے۔ میرے والدین ایک دینی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے. ''حاج'' جو کہ ہمارے فیملی نیم کا ایک جزو ہے شاید اس لئے ہو کہ ہمارے اجداد میں علی نامی ہمارے ایک بزرگ فریضہ حج سے مشرف ہوئے تھے اور ہمارا خاندان حاج علی سے منسوب ہے؛ ایچ بھی فیملی نام کا ایک جزو ہے جو پیدا ہونے والے کے معنی میں استعمال ہے، میں آٹھ سال کے سن میں اپنے والد کے سایہ سے محروم ہو گیا اور ۲۶ سال کے سن میں والدہ نے داغ جدائی دیا، ابتدائی اور سیکنڈری کی تعلیم خود اپنے ہی شہر میں حاصل کی ہایر سکنڈری کے لئے میں سارایوو گیا اور وہاں تین سال میں آرٹ وفن کے موضوع پر ڈگری حاصل کی، ۱۸ سال کی عمر میں سابقہ یوگوسلاویہ کے زاگرب شہر میں ایک سال کے عرصہ میں میں نے سربازی (حکومت کی جانب سے عائدوہ ذمہ داری جسکا تعلق حفاظتی دستوں میں معین مدت تک سپردہ شدہ امور کی انجام دہی سے ہوتا ہے) کی خدمت انجام دی. ۱۹۹۱ میں

الف: بوسنیا میں مسلمانوں کے دینی تعلیمی اداروں، حوزات اور علماء کا کردار:

بوسنیا ۱۴۶۳ء میں ترکوں کی آمد سے قبل حکومت روم کے زیر نگین ایک عیسائی ملک تھا بوسنیا میں ایسا چرچ وجود میں آیا جو روم کے چرچ سے مستقل ہو کر اپنا کام کرتا تھا اسی بنیاد پر روم کے چرچ کی جانب سے عقائد کے سلسلہ میں سختی کے ساتھ چھان بین ہوتی تھی، روم کے پادری اس استقلال اور علیحدگی پسند مزاج کو برداشت نہیں کر سکے

تھے لہذا ان کی کوشش ہوتی تھی کہ بوسنیا کے پادریوں کو کیتھولک عیسائیت کی طرف پلٹا دیں؛ بوسنیا کا چرچ نہ تو کیتھولک تھا اور نہ ہی ارتھوڈکس ، بلکہ ایک مستقل چرچ تھا جس کی دستورات اسلامی تعلیمات سے زیادہ میل کھاتے تھے۔

اسی بنیاد پر جب عثمانی ترک بوسنیا میں آئے ،تو بوسنیا کے عیسائیوں نے آسانی کے ساتھ اسلامی تعلیمات کو قبول کر لیا اور اس طرح سترہ ویں صدی سے اب تک آہستہ آہستہ بوسنیا کے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

اس دور میں بوسنیائی مسلمانوں کے علماء کی زیادہ تر تعداد سلطنت عثمانیہ میں رہی لیکن انکی کوئی مستقل جماعت یا تنظیم نہ تھی، ۱۸۷۸ء میں جب اسٹیریا{Austria}ومجارستان{Hungery } نے بوسنیا کو سلطنت عثمانی سے چھڑا کر اپنے قبضہ میں لے لیا تو اس وقت بوسنیائی علماء نے اس سلسلہ میں خوب کوششیں کیں کہ ان کے پاس مستقل تنظیمیں اور مستقل حوزات علمیہ ہوں انہوں نے اپنی توانائیوں کو اسی میں لگا دیا کہ انکی مستقل تنظیمیں ہوں اور اس طرح وہ مسلمانوں کی فرہنگی ومعنوی ترقی اور بیداری کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے۔

چھ مہینہ تک ایک کمپنی میں مشغول رہا۔انہیں ایام میں جب میں اپنے تعلیمی سفر کو آگے بڑھانے کے سلسلہ میں فکر مند تھا ۱۹۹۲ء کی ابتدا میں بوسنیا وہرزگوئین نے اپنے مستقل ہو جانے کا اعلان کر دیا اور اسی سال موسم بہار میں بوسنیا کی جنگ کا آغاز ہو گیا، میں بھی دفاعی مورچہ پر لڑنے والی افواج کے شانہ بشانہ محاذ جنگ پر انکے ساتھ ہو گیا، اسلامی علوم کے سلسلہ میں مزید تعلیم کے جذبہ کے تحت میں نے ابتدائی دروس اور عربی زبان کے ساتھ کچھ اسلامی احکام کی تعلیم بوسنیا ہی میں حاصل کی اور ۱۹۹۴ء موسم خزاں میں جمہوری اسلامی ایران کے شہر قم آ گیا ۱۹۹۵ء میں میں واپس بوسنیا پلٹ گیا اور تقریبا ایک سال سے زیادہ وہیں رہا اور ۲۵ رسال کی عمر میں شادی کی اور قم واپس آ گیا اور امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کالج میں فلسفہ اسلامی کے موضوع میں بی اے تک تعلیم حاصل کی اس کے بعد تعلیمی سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے ایم افل میں میں نے ''خدا کا ارادہ وعلم اور انسان کے اختیار کے موضوع'' پر اپنی تھیسس کو پایہ تکمیل تک پہچایا (پژوہہ، ص ۳۔۴)

اس دور کے ممتاز علماء یہ ہیں ''صفوت بیک بشگیچ''، ''علی فہمی جانیچ'' اور جمال الدین چاوشویچ'' کہ جنہوں نے عثمانی ترکوں کے جانے کے بعد اور آسٹریائیوں کے آنے تک اس بات کی کوششیں کیں کہ بوسنیا دینی کارکردگی کے لحاظ سے مستقل وخود مختار رہے۔

لیکن ان کوششوں کو آسٹریا ومجارستان کی جانب سے شدید مخالفت کا سامنا رہا لیکن انجام کار جمال الدین چاوشویچ

کو انہیں علماء کی کوششوں کے سبب ۱۹۰۰ء میں رئیس العلماء کے عنوان سے منتخب کرلیا گیا اور آسٹریا نے بھی اسے قانونی طور پر قبول کرلیا جمال الدین چاوشویچ نے علماء اور ائمہ جماعت کے تعاون سے دینی اساتید وائمہ جماعت کی ایک تنظیم بنائی اور ۱۹۱۲ میں بوسنیائی حوزہ علمیہ کے بورڈ اور دفتر {Orgamaization;Structure} کی تاسیس کی اور یوں اس علاقہ میں مسلمانوں کی دینی آگاہی اور ثقافتی سطح کو بلند کرنے میں مدد کی۔

بیسویں صدی کے ممتاز علماء میں ''عصمت سپاھوتیچ'' ڈاکٹر رشید حافظوتیچ'' ''انس کارتیچ اور ڈاکٹر عدنان سیلدتیچ'' کے ناموں کو پیش کیا جاسکتا ہے فی الحال اس مقالے کے تحریر کئے جانے تک بوسنیا کے موجودہ رئیس العلما ڈاکٹر مصطفیٰ سرتیچ (۱) ہیں جو ممتاز علماء میں شمار ہوتے ہیں اس وقت اگرچہ بوسنیا میں دینی اور فرہنگی اعتبار سے کافی بہتری آئی ہے پھر بھی مادہ پرستی اور دنیا طلبی کا رنگ زیادہ غالب ہے اگر علماء کے پاس موثر منصوبہ بند پروگرام بھی ہوں تو میڈیا اور وہاں کے پروپیگنڈہ کرنے والے وسائل وذرائع ان منصوبوں کو عملی جامہ پہننے میں رکاوٹ بن سکتے ہیں اور اس بات کی اجازت نہیں دے سکتے کہ موثر طور پر کچھ کیا جاسکے۔

ب) بوسنیا میں مسلمانوں کے مذہبی آداب ورسوم :

یومیہ نمازیں ہر دن ہی انجام پاتی ہیں، بوسنیا میں مسلمانوں کے دیگر مذہبی رسوم میں ایک جشن ومحفل ہے جنکا انعقاد مختلف ہستیوں کی ولادت کی مناسبت سے ہوتا ہے ان محفلوں میں علاقے کے تمام مسلمان شریک ہوتے ہیں اور مساجد میں خاص کر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی مناسبت سے باوقار محفل منعقد ہوتی ہے. دیہات میں رہنے والے لوگ مختلف پکوانوں سے اپنے مہمانوں کا استقبال کرتے ہیں ان محفلوں میں جو کہ وہاں کی اسلامی جماعت کی مساعی کی بنیاد پر وجود میں آئی ہیں مختلف علماء تقاریر کرتے ہیں اور اشعار کی صورت میں نذرانہ

---

(۱) ڈاکٹر مصطفیٰ سرتیچ اس علاقہ کے معروف دانشوروں میں سے ہیں جنہوں نے اسلام شناسی میں امریکہ سے پی اچ ڈی کی ہے۔

عقیدت پیش کرتے ہیں۔

یہ محفلیں مسلمانوں کے ایک مقام پر جمع ہونے کا سبب بھی بنتی ہیں۔

اسلامی جماعت میں ماہ مبارک میں تو ایک خاص ہی جوش وخروش دیکھنے کو ملتا ہے، اس مہینہ میں اسلامی جماعت تمام علاقوں کے لیئے امام جماعت کا انتظام کرتی ہے اسلامی جماعت کے کچھ عالی مدارس بھی ہیں جن

میں تعلیم حاصل کرنے والے دوسرے سال سے امام جماعت اور ایک عالم دین کے طور پر مختلف ممالک میں بھیجے جاتے ہیں۔

اس مبارک مہینہ میں اجتماعی افطاری کا بھی انتظام ہوتا ہے افطار کے وقت دعا اور قرآن کی تلاوت ہوتی ہے، ماہ مبارک رمضان میں انجام پانے والی مذہبی رسموں میں نماز تراویح بھی ہے۔(۱)

ماہ مبارک رمضان میں نماز میں شرکت کرنے والوں کی تعداد میں خوب اضافہ ہو جاتا ہے ائمہ جماعت بھی نماز کی تاکید کرتے ہیں ۲۷ ماہ مبارک کی شب جسے وہاں شب قدر بھی مانا جاتا ہے قرآن کی تلاوت ہوتی ہے اور نماز ادا کی جاتی ہے عید فطر میں پورے سال کی سب سے باوقار و عظیم نماز کا روح پرور منظر دیکھنے کو ملتا ہے بوسنیا میں عید فطر کی مناسبت سے تین دن کی عمومی چھٹی ہوتی ہے اور مسلمان اپنے اہل وعیال، رشتہ داروں اور دوستوں سے ملاقات کے لئے جاتے ہیں مٹھائیاں اور کیک بنتے ہیں اور محفل جشن سجتی ہے جس میں اشعار پڑھے جاتے ہیں اور قرآن کی تلاوت ہوتی ہے۔

ج) مسلمانوں کی موجودہ صورت حال:

بوسنیائی مسلمانوں کو یہ ایک اچھا موقع نصیب ہوا ہے کہ وہ ایسے علاقہ میں رہائش پذیر ہیں جہاں ٹکنالوجی کا بول بالا ہے، اس کے علاوہ یہ ایک بڑا اچھا موقع ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور جہان اسلام سے ہمارا ایک اٹوٹ گہرا رابطہ ہے لہذا یورپ کی مادی ترقی اور اسلام کے ثقافتی، معنوی واخلاقی سرمایہ سے بہت کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے، لیکن اس وقت جو افسوس کی بات ہے وہ یہ کہ اس آپسی رابطہ اور اسلامی تعلیمات اور یورپ کی مادی ترقی کے امتزاج

۱۔ نماز تراویح وہ مستحب نمازیں ہیں جنہیں برادران اہل سنت ماہ مبارک کی بابرکت راتوں میں جماعت سے پڑھتے ہیں۔

کو پنپنے کا موقع ہی نہیں مل پا رہا ہے اسے سامنے آنے اور ظاہر ہونے کا موقع ہی نہیں ہے اسلامی تہذیب اور یورپ کی مادی ترقی کا حسین امتزاج اپنے وجود کا اظہار نہ کر سکے، یہ ایک خطرہ ہے، جس کا حل تلاش کرنا ضروری ہے۔

یورپ میں علمی ترقی اس بنیاد پر ہوئی کہ قرون وسطیٰ میں یورپ نے چرچ کی مخالفت کی اور ان کی جاہلانہ باتوں کو نہ سن کر عقل وفکر سے کام لیتے ہوئے علمی میدانوں میں قدم آگے بڑھائے اس لئے کہ چرچ سے سوائے

انحطاط وزبوں حالی کے انہیں کچھ اور نصیب نہ ہوسکا تھا یورپ اسی وقت ترقی کی راہوں کو طے کرنے میں کامیاب ہوا جب اس نے چرچ کے احکامات کو بے چوں چرا ماننے سے انکار کر دیا، اسی وجہ سے یورپ کے علمی اور فلسفی حلقے مسلمانوں کی اپنے دین سے پابندی کو خود انکی چرچ سے وابستگی کے طور پر دیکھ رہے ہیں کہ جب وہ چرچ سے وابستہ تھے تو انکے پاس کچھ نہ تھا اسی طرح آج چونکہ مسلمان اپنے دین سے وابستہ ہیں اس لئے ان کے پاس بھی کچھ نہیں ہے، یورپ کا ماننا ہے کہ اسلام کے پاس یورپ میں کوئی ٹھوس اجتماعی نظام نہیں ہے اور اسلام ہی کیا کسی بھی دین کے پاس انسان کے عصری تقاضوں کے مطابق کوئی لائحہ عمل موجود نہیں ہے لہذا اسلامی تنظیموں حتی خود اسلامی جماعت نے بھی یہ کام کیا کہ یورپ کے اسی نظریہ کے مطابق دین اور سیاست کو الگ الگ کر دیا اور اپنی فعالتیوں کو جاری رکھا تا کہ اسی راستہ سے علاقے کے لوگوں کی ثقافتی اور معنوی حیات کو پر بار بنایا جا سکے، علاوہ از ایں اس خطے کی ایک مشکل یہ بھی ہے کہ بہت سے مسلمان یورپ کے بے قید و بند طرز حیات کے عادی ہو گئے ہیں اور انہیں مطلوبہ اسلامی طرز معاشرت کی طرف پلٹانا ایک سخت کام ہے اور اس کام کے لئے بہت جد و جہد کی ضرورت ہے۔

اسلامی مذاہب کی تاثیر اور ان کے عمل دخل کے سلسلہ میں یہ بات بھی ملحوظ نظر رہے کہ موجودہ میڈیائی خطرات اور چینلوں کے باوجود اسلام کا نظام زندگی ہی کچھ ایسا ہے کہ تمام ادیان کے پیروکار اس دین کی طرف کھنچتے نظر آرہے ہیں. چنانچہ بوسنیائی مسلمان بھی اپنی کوششوں کو جاری رکھتے ہوئے اپنے عقائد پر ڈٹے ہیں، اور ان کی یہ استقامت و پائداری اس دین کے لئے امید کا باعث ہے جو دن بہ دن سرحدی حدود کو توڑتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے اور پھیلتا جا رہا ہے۔

د: مسلمانوں کی آبادی کا تناسب:

۱۹۹۱ء میں شائع ہونے والی مردم شماری کی رپورٹ کے مطابق بوسنیا کے ۵۱ فی صد لوگ مسلمان ۳۱ فیصد ارتوڈکس ۱۷ فیصد کروشیائی اور باقی کے ایک فیصد لوگ دیگر ادیان سے متعلق ہیں لیکن جنگ کے بعد مسلمانوں کے قتل عام، اور خون خرابے کی بنیاد پر ان کے دیگر علاقوں کی طرف کوچ کر جانے کی وجہ سے مسلمانوں کی تعداد کی صحیح جانکاری پر مشتمل رپورٹ ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے۔

ھ) بوسنیا کے سیاسی منظر نامے میں اسلامی تنظیموں کی شراکت اور ان کی سیاسی فعالیت:

اسلامی تنظیموں اور مبلغین کی فعالیتوں میں خاص کر آخر کے چند سالوں میں خاصا اضافہ ہوا ہے، اس وقت وہاں برادران اہل سنت وشیعہ دونوں ہی فریق کافی فعال ہیں، بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں متعدد تقاریر ہوئی ہیں اس لحاظ سے وہاں کوئی کمی نہیں ہے کہ وہاں لکھنے والے بھی ہیں بولنے والے بھی لیکن اگر مسلمان الگ الگ تقسیم نہ ہو کر ایک ہی روش پر کام کریں اور مبلغین ایک دوسرے پر کیچڑ نہ اچھالیں تو مسلمانوں کی فعالیت ثمر بخش ہوگی، لیکن افسوس کی بات ہے کہ بعض لوگ فاصلوں کو کم کرنے کے بجائے فاصلے بڑھا رہے ہیں جیسا کہ بعض سلفی عقائد کے حامل وہابی لوگ شیعوں کے خلاف کتاب لکھ کر مسلمانوں کے درمیان فضا کو زہریلا بنا رہے ہیں اور یہی بات رنجش وکدورت کا باعث بھی ہے۔

ہمیں ایسے حالات میں قرآنی دستور پر عمل کرنے کی ضرورت ہے کہ قرآن فرماتا ہے: ''ادع الی سبیل ربک بالحکمة و الموعظة الحسنه'' دوسروں کو اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت وموعظہ کے ذریعہ دعوت دو'' ہمارے کام حکمت کے ساتھ ہونا چاہئیں خاص کر برصغیر میں کہ یہاں صرف چند فرقے نہیں ہیں بلکہ یہ سرزمین ادیان کا گہوارہ ہے اور مختلف تہذیبیں یہاں سے وجود میں آئی ہیں مختلف ثقافتیں یہیں ڈھل کر سامنے آئی ہیں۔

ہماری نظر میں جو کچھ اسلام کی ترویج پر خرچ ہوتا ہے اس کو دیکھتے ہوئے جتنا اسلام دنیا میں پھیلا ہے بہت کم ہے اسلام کی ترویج پر صرف ہونے والے تن من دھن کے مقابل اس کا رواج بہت کم ہے جتنا کچھ ترویج اسلام کی خاطر کیا گیا ہے وہ ہرگز اسلام کے رواج پانے کی موجودہ رفتار کے مناسب نہیں ہے۔

ز: بوسنیا میں اہم تبلیغی ضرورتیں:

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ تبلیغ کو زندہ ومتحرک ہونا چاہیے، یعنی یہ کہ ہمیں خود اس بات کا اندازہ ہونا چاہیے کہ ہماری تبلیغ موثر ہو رہی ہے، اور اس بات کا مطلب یہ ہے کہ ہماری تبلیغ میں ہر جگہ حکمت کی کارفرمائی ہونا چاہیے، اور یہ بات خود مبلغ کے اوپر منحصر ہے کہ وہ کس قدر لوگوں کو متاثر کرنے میں کامیاب ہوتا ہے؛ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں لوگ انکے مقدس وجود سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ پاتے تھے اور جو بھی آپ کے پاس آتا وہ آپکا ہو کر جاتا تھا آپ سے متاثر ہر شخص کو آپ کی ذات سے انسیت ہو جاتی تھی اور دل میں عقیدت پیدا ہو جاتی تھی، اگر ہمارے پاس بھی ایسے مبلغین تیار ہو جائیں تو اس سے بہتر کیا ہوگا لیکن اس کام کے لئے ایک طویل مدت لائحۂ عمل کی ضرورت ہے۔

آخر میں اس نکتہ کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ راقم کی نظر میں سرزمین بوسنیا کے نشیب وفراز کو دیکھتے ہوئے بیان کرنے کے لئے بہت کچھ ہے لیکن طوالت سے گریز کی خاطر ہم نے اتنے ہی پر اکتفا کی ہے انشاء اللہ بہت جلد بوسنیا کے بارے میں بیان کئے گئے ان مطالب میں کچھ اور مواد کو شامل کر کے اسے ایک مستقل کتاب کی صورت میں تاریخ وثقافت سے شغف رکھنے والوں کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔

منابع و مآخذ :

۱۔ آسایش زارچی، محمد جواد، بحران بوسنی و ہرزگوئین و مذاکرات صلح، تہران، ۱۳۷۴ش۔

۲۔ابن عربی، محی الدین، فصوص الحکم، اہتمام، ابوالعلاء عفیفی، تہران، ۱۳۶۶ش.

۳۔ اطلس راہنمای کشورہای جہان (دفتر چہارم ۔ کشوررہای اروپا، سازمان جغرافیای نیروہائے مسلح، تہران، ۱۳۷۹ش

۴۔ یوگدانوتیچ، دیان، ''ادبیات فارسی در یوگسلاوی'' راہنمای کتاب، تہران، ۱۳۴۱ش سال پنجم، شمارہ ۱۱و۱۲، ۱۳۴۱ش

۵۔ یوگدانوتیچ، دیان، نویسندگان وشعرای فاری گوی یوگسلاوی'' وحید، تہران، سال اول، شمارہ ۸، و۹، ۱۳۴۳ش۔

۶۔ پژوھہ، دوماہنامہ اطلاع رسانی پژوہشی جامعۃ المصطفی العالمیہ، سال ششم، شمارہ ۳۰و۳۱ خرداد۔شہریور ۱۳۸۷.

۷۔تارلان ''ھم بستگی ادبیات ایران وترک...'' وحید تہران، سال ہفتم شمارہ ۷، ۱۳۴۹ش۔

۸۔ جان وی ای، فاین، ریشہ ھای تاریخی جامعہ بوسنی مدرن در دورہ عثمانی وقرون وسطی، در مسلمانان بوسنی ۔ ہرزگوئین: تاریخچہ تحولات ازقرون وسطی تازمان انحلال یوگسلاوی، ترجمہ مھوش غلامی، تہران، ۱۳۷۴ش

۹۔جعفری، عباس، گیتاشناسی نوین کشورھا، تہران، ۱۳۸۲ش۔

۱۰۔چلبی اولیا، سیاحت نامہ، استانبول ۱۳۱۵ق.

۱۱۔حاجی محمد اوتیچ، فواد [مقالہ] ادیان، مندرج در دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، جلد ۱۳

۱۲۔ حداد عادل، غلام علی و ہمکاران، دانشنامہ جہان السلام، بنیاد دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، تہران، چاپ دوم جلد۴، ۱۳۸۶۔ش

۱۳۔ خانجی، محمد الجوھر الاسنی فی ترجم علماء وشعرا بوسنہ، قاھرہ، ۱۳۴۹۔ق

۱۴۔ دادبہ، اصغر، [مقالہ] ''زبان وادبفارسی درقلمرو عثمانی، تہران، ۱۳۶۹ش۔

۱۵۔ ریاحی، محمد امین، نفوذ زبان وادبیات فارسی درقلمرو عثمانی، تہران ۱۳۶۹

۱۶۔ ریاحی، محمد امین، نفوذ زبان وادبیات فارسی درقلمرو عثمانی، یغما، تہران، سال بیست وسوم، شمارہ ۱، ۱۳۴۹ش۔

۱۷۔ شاوا، ج، وا، ک، شاو، تاریخ امپراتوری عثمانی وترکیہ جدید، ترجمہ محمود رمضان زادہ، مشہد، ۱۳۷۰ش.

۱۸۔ صفار مقدم، احمد، زبان وادبیات فارسی در بوسنی وہرزگوئین، تہران، ۱۳۷۲ش۔

۱۹۔ کین راس، پ، ب، قرون عثمانی (ظہور وسقوط امپراطوری عثمانی) ترجمہ پروانہ ستاری، تہران، ۱۳۷۳)

۲۰۔ لاپیدوس، ایرا ماروین، تاریخ جوامع اسلامی، ترجمہ محمود رمضان زادہ، مشہد ۱۳۶۷ش۔

۲۱۔ مرادی، مسعود، ''ادبیات فارسی در بوسنی وہرزگوئین'' کیھان فرھنگی، تہران، سال نھم، شمارہ ۸، ۱۳۷۱ش۔

۲۲۔ موسوی بجنوردی، کاظم وھمکاران، دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، مرکز دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، تھران، چاپ اول، جلد ۱۳، ۱۳۸۳ش۔

۲۴۔ ہمدانی، علی کرم [مقالہ] بوسنی وہرزگوئین (در دائرۃ المعارف)

۲۵۔ یوسفیان، جواد، نگاہی بہ تاریخ وفرھنگ بوسنی وھرزگوئین، بہ کوشش عبداللہ فقیہی، تھران، ۱۳۷۲ش

ایک کتاب: خلاصہ و تبصرہ

کتاب ''الفرقان الحق'' تعارف، تبصرہ اور تنقید

عزالدین رضانژاد
ترجمہ: سید نجیب الحسن زیدی

کتاب کا نام: ..... الفرقان الحق
ترجمہ: ..... المہدی
ناشر: ..... امگاوین پریس
صفحات: ۳۶۶
مجلس تحریریہ: ..... الصفی والمہدی
مقام اشاعت: ..... امریکہ
سال طباعت: ۲۰۰۱ء

الف: مصنف، مترجم اور ناشر کا مختصر تعارف:

حال ہی میں ''الفرقان الحق'' {The true furqan} عنوان کے تحت عربی زبان اور انگریزی ترجمہ کے ساتھ ایک کتاب امریکہ میں منظر عام پر آئی ہے.

اس کتاب کے مقدمہ میں دو لوگوں ''الصفی'' اور ''المہدی'' کو تالیف وجمع آوری، اور ترجمہ واشاعت کی کمیٹی پر نظارت کرنے والے اراکین کے طور پر پیش کیا گیا ہے گویا کہ عربی تالیف وجمع آوری ''الصفی الہام'' نامی شخص سے منسوب ہے اور ''المہدی'' نامی دوسرے شخص نے اس کے عربی متن کو انگریزی زبان میں ڈھالا ہے۔

امگا{Omega2001} اور وین پریس {Winpress} امریکہ کی دو اشاعتی کمپنیوں نے ۳۶۶ صفحات پر مشتمل وزیری سائز ۲۴+۵+۱۷ سینٹی میٹر میں اس کتاب کی اشاعت کی ہے۔

ہر صفحہ میں داہنے ہاتھ کی طرف عربی متن اور بائیں ہاتھ کی طرف اسکا انگریزی ترجمہ چھپا ہے، یہ کتاب آمازون سایٹ پر ۱۹ ڈالر اور ۹۵ سینٹ میں بیچی جارہی ہے۔

ب: کتاب الفرقان الحق کا ترجمہ:

کتاب کا آغاز خداوند متعال کے نام کا ذکر کیئے بغیر ہوتا ہے، اس کتاب میں عربی امت کے لئے (خاص طور پر) اور عالم اسلام کے لئے (عام طور پر) خداوند قادر کی ذات سے سلام و درود طلب کیا گیا ہے اور پھر اس مضمون کی عبارت درج ہے ''انسانی روح کی گہرائیوں میں خالص ایمان، درونی چین وسکون، معنوی آزادی، اور زندگی جاوید کی طرف میلان پایا جاتا ہے، ہم خدائے واحد پر عقیدہ رکھتے ہوئے یہ مانتے ہیں کہ ہمارے قارئین کرام اور سامعین اپنے درونی میلانات کو ''الفرقان الحق'' کے راستہ سے حاصل کر سکتے ہیں۔ خالق انسانیت نے نور کے محتاج تمام انسانوں انکی نسل، رنگ، قوم، زبان، خاندان، قبیلہ اور دین پر توجہ کیئے بغیر اپنی اس آسمانی برکت کو ان پر نازل کیا ہے، پس خداوند متعال نے اس کرہ ارض کے تمام انسانوں کی بھلائی کے لئے بہت کچھ اہتمام کیا ہے''

کتاب کا یہ مقدمہ تالیف وجمع آوری، اور ترجمہ واشاعت کی کمیٹی پر نظارت کرنے والے اراکین کے ناموں کے کے تذکرہ پر ختم ہوجاتا ہے اور اسکے بعد خودساختہ سوروں کے عناوین کی فہرست درج کی گئی ہے۔

ج: خودساختہ جھوٹے سوروں کے عناوین:

اس کتاب میں ۷۷/جھوٹ موٹ کے سوروں کے نام بیان کئے گئے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

۱. الفاتحه، ۲المحبه، ۳. النور، ۴. السلام ۵. الایمان ۶، الحق،

۷. التوحید ۸. المسیح، ۹. الصلب، ۱۰. الروح ۱۱. الفرقان الحق ۱۲. الثالوث

۱۳. الموعظه ۱۴. الحواریین، ۱۵. الاعجاز ۱۶. القدر، ۱۷. المارقین ۱۸. المومنین

۱۹. التوبه ۲۰. الصلاح ۲۱. الطهر ۲۲. الغرانیق ۲۳. العطار ۲۴. النساء

۲۵. الزواج ۲۶. الطلاق ۲۷. الزنا ۲۸. المائده ۲۹. المعجزات ۳۰. المنافقین

۳۱. القتل ۳۲. الجزیه ۳۳.الافک ۳۴.الضالین ۳۵. الاخاء ۳۶. الصیام

۳۷. الکنز ۳۸. الانبیاء ۳۹. الماکرین ۴۰. الامیین ۴۱. المفترین ۴۲. الصلاة

۴۳.الملوک ۴۴. الطاغوت ۴۵. النسخ ۴۶.الرعاة ۴۷.الشهادة ۴۸.الهوی

۴۹.الانجیل ۵۰.المشرکین ۵۱.الحکم ۵۲. الوعید ۵۳.الکبائر ۵۴. الاضحی

۵۵. الاساطیر ۵۶. الجنه ۵۷. المحرضین ۵۸.البهتان ۵۹. الیسر ۶۰. الفقراء

۶۱. الوحی ۶۲.المهتدین ۶۳.الطوبی ۶۴.الاولیاء ۶۵.اقرا ۶۶. الکافرین

۶۷.الخاتم ۶۸.الاصرار ۶۹. التنزیل ۷۰. التحریف ۷۱. العاملین ۷۲. الآلاء

۷۳. المحاجة ۷۴. المیزان ۷۵. القبس ۷۶. الاسماء ۷۷. الشهید

ان مذکورہ ناموں میں گیارہ نام قرآنی سوروں کے ناموں سے ماخوذ ہیں [1]

د: مصنفین ومولفین کا مقصد:

المہدی کی جانب سے اس کتاب کی تالیف اور اسکی اشاعت کا مقصد جو کہ اس پروجیکٹ کو عملی جامہ پہنانے والی اجرائی کمیٹی کا ایک رکن بھی ہے کچھ یوں بیان کیا گیا ہے:

''ہمارا عقیدہ ہے کہ تقریبا ایک عرب کی تعداد میں ۳۹ رممالک میں زندگی گزار رہے ہمارے مسلمان دوستوں نے انجیل مقدس کے پیغام کی حقیقت کو ابھی تک نہیں سمجھا ہے ...[2] ''الفرقان الحق'' کی اشاعت کا مقصد مسلم اقوام کے لئے ایک ایسے وسیلہ کی فراہمی ہے جو انکی مدد کر سکے اور انہیں انجیل کے تعلیمات کی بشارت دے سکے اس لئے کہ اب تک ہمیں کوئی ایسا ذریعہ فراہم نہ ہوسکا جس کے بل پر ہم مسلمانوں کے افکار تک پہنچ سکیں ۔(اسلام درنگاہ غرب، ص ۲۵)

۱۔ ۱،۳،۷،۱۶،۱۹،۲۴، ۲۶، ۲۸،۳۰،۳۸،۶۶، یہ وہ نام ہیں جو قرآنی سوروں سے لئے گئے ہیں

۲۔ تمام دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ایک عرب ۵ کروڑ کے قریب بیان کی گئی ہے جو خاص کر ۵۰ سے زیادہ اسلامی ممالک میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔

اس کتاب کی جمع آوری اور اسے شائع کرنے والوں کا ماننا ہے کہ ''الفرقان الحق'' میں نہ صرف یہ کہ انجیل مقدس کو عربی کی کلاسیکل {Classical} زبان میں ڈھال کر بیان کیا گیا ہے بلکہ یہ کتاب اس بات کی درپے ہے کہ ۱۴۰۰ سال سے قرآن کے عیسائیت سے مقابلہ کے جواب میں مسلمانوں کے درمیان جناب عیسی کے حاضر ہونے کے لئے سازگار ماحول فراہم کر سکے۔

یہ کتاب عثمانی رسم الخط کی بنیاد پر لکھی گئی ہے، اسکے مولفین و مصنفین اسے ۱۲ رجلدوں میں شایع کر کے مسلمانوں کے جذبات سے کھلواڑ کرنا چاہتے ہیں اور حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو وہ نفرت کے شعلے بھڑکانے والی ایک ثقافتی جنگ کے وسائل فراہم کرنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ بعض عیسائی اور یہودی انتہا پسند کتاب ورسائل میں صلیبی جنگ کے وقوع پذیر ہونے پر تاکید کرتے ہوئے یہ اعلان کیا گیا ہے کہ ہمیں کھل کر قرآن اور مسلمانوں کے خلاف جنگ میں آگے آنا چاہیے اور اس سلسلہ میں تمام عیسائی اور یہودی بوڑھوں، جوانوں، عورتوں اور مردوں پر فرض ہے کہ خود کو ہر طرح سے اس جنگ کے لئے تیار رکھیں۔

اس کتاب کی نشر واشاعت:

یہ کتاب امریکہ ویورپ کے بک اسٹالوں اور انٹرنیٹ کے ذریعہ لوگوں تک پہچائی گئی ہے، اپریل ۲۰۰۵ء میں اس کتاب کی کچھ کاپیاں پیرس میں موجود اسلامی ممالک کے سفارت خانوں میں بھیجی گئیں، ان کتابوں کو لندن سے نکلنے والے جریدوں اور وہاں موجود خبر رساں ایجنسیوں اور عربی زبان میں نکلنے والے رسائل و جرائد کے دفاتر میں بھی بھیجا گیا۔ اسکے علاوہ بیت المقدس سے نکلنے والے عربی اور عبرانی زبان کے رسائل و جرائد کے دفاتر میں بھی ان کتابوں کو ارسال کیا گیا۔

کچھ غور طلب باتیں تنقید اور جائزہ :

الف: اسلامی تعلیمات کو مسخ کر کے پیش کرنے کی اوچھی حرکت:

دین مبین اسلام کے دن بدن بڑھتے ہوئے دائرہ کی بنا پر اسلام مخالف عناصر اسلام کے مقابل ردعمل دکھانے پر مجبور ہو گئے، چنانچہ ایک بار پھر انہوں نے جعل وتحریف جیسے اپنے پرانے حیلوں کو اسلام کے خلاف آزمایا

تا کہ اپنے خیال خام میں وہ اسلام کے آفتاب عالم تاب کی نورانی کرنوں کو ظلمتوں کے پردوں کی اوٹ میں چھپا دیں، اس بار صہیونزم اور عالمی سامراج واستعمار نے اسلام سے عناد رکھنے والے عیسائیوں کو آلہ کار بنا کر ایک ثقافتی شبیخون کی تیاری کی اور ''''واقعی ایمان''''معنوی آزادی'' اور درونی صلح'' کے دلفریب نعروں کے آڑ میں بیٹھ گئے کہ شاید کسی اونگھتے ہوئے سرگرداں انسان کو اپنے جال میں پھنسالیں، ہر چند کہ اسلام کی چودہ سوسالہ تاریخ ان افراد کی کم مائگی کی روشن گواہ ہے کہ جنہوں نے جھوٹے سورے گڑھے۔ اس سے قرآن میں تو کوئی نقص پیدا نہ ہوسکا بلکہ خود جہالت ومن گڑھت کی رسوائی نے انہیں کے دامن کو داغ دار کیا جبکہ قرآن کی عظمت اور اس کی شوکت میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔

الفرقان الحق کی طباعت کی شکل میں سازشی ذہنوں کی قرآن کی عظمت کو گھٹانے کا یہ پہلا قدم نہیں ہے اور شاید انکا یہ آخری قدم بھی نہ ہو، بہر کیف دشمن ہر دن فریب ونیرنگی چالوں کے ذریعہ سامنے ہے، اس حساس مرحلہ میں دقت عمل اور مسائل کی صحیح جان کاری اور سازشوں کی برمحل اطلاع کے ذریعہ دشمنوں کی سازشوں کو نقش برآب کیا جاسکتا ہے۔

ب: تاریخی سابقہ

اسلام کی تاریخ میں قرآن سے مقابلہ اور قرآنی چیلنج کی جواب دہی کا آغاز پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہی دور سے ملتا ہے۔

مسیلمہ کذاب، پہلا وہ شخص ہے جس کے ذہن میں قرآن سے مقابلہ کا فتور آیا، اس نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد دین اسلام سے منھ موڑ لیا اور نبوت کا دعوی کر ڈالا، ساتھ ہی قرآن کے بعض سوروں کے مثل کچھ سورے بھی گڑھ ڈالے جیسے سورہ اعلی وفیل کی طرح اس نے دوسورے قرآن کے مقابلہ میں پیش کیئے (رک: سیرہ ابن ہشام ۲/۶۰۰، تاریخ طبری: ۲/۳۹۴، ۳۹۹) مسیلمہ کذاب کی یہ ناکام کوشش اس قدر مضحکہ خیز تھی کہ لوگوں کے سامنے اس کے اظہار سے اسے ذلت کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگا اور ہر ایک پر اسکی ذلت ورسوائی آشکار ہوگئی۔

گرچہ تحدی وقرآنی چیلنج سے مقابلہ کی فکر سامنے آتی رہی ہے لیکن عصر حاضر میں اس مسئلہ نے ایک جدید

رخ اختیار کرلیا ہے، یہ اور بات ہے کہ جب بھی کسی نے قرآنی چیلنج کا جواب لانے کی کوشش کی ہے دینی دانشوروں کی علمی کاوشوں کی روشنی میں قرآنی تحدی وچیلنج کا جواب لانے والوں کو منھ کی کھانی پڑی ہے اور انکے بے بنیاد دعووں کی قلعی کھل کر سامنے آئی ہے۔

ابھی چند سال قبل ''امریکہ آن لاین'' نامی ایک امریکی کمپنی نے اپنے ایک شیطانی حربہ کے تحت قرآن کے مقابلہ کے لئے خرافاتی مضامین پر مشتمل مطالب قرآن کی تقلید کرتے ہوئے ''مسلمون''، ''تجسد'' وصایا'' اور ''ایمان'' نامی سوروں کو گڑھ کر نیٹ پر اپلوڈ کیا، امریکی کمپنی کی اس گستاخی پر اسلامی معاشروں میں شدید برہمی کا اظہار کیا گیا جس کے نتیجہ میں آخر کار اس سائٹ کو بلاک کرنا پڑا، اس کے بعد {Suralikeit.uk} نامی ایک برطانوی کمپنی نے ان ہی من گڑھت سوروں کو چار صفحوں میں شایع کیا، اور اپنے اہانت آمیز اور مسلمانوں کو اذیت پہنچانے والے ایک بیان میں مظلوم نمائی کرتے ہوئے اپنے اس اقدام کو قرآنی تحدی وچیلنج کے جواب کے طور پر پیش کیا اور مسلمانوں کو انتہا پسند اور میانہ رو دو گروہوں میں بانٹتے ہوئے یہ دعوی کیا کہ میانہ رو اور معتدل مسلمانوں نے ان صفحوں کا استقبال کیا ہے جب کہ انتہا پسندوں نے اسکے مقابل شدید رد عمل کا اظہار کیا ہے۔

بحمد اللہ ان کاموں کے تار و پود کی علمی تنقید اور دینی معاشروں میں دانشوروں کے دیئے گئے جوابات کی بنا پر قرآن کے مقابلہ پر آنے والوں کو خود ہی پیچھے ہٹنا پڑا۔ ان جعلی سوروں کے بارے میں مزید معلومات اور انکی تنقید کے لئے رجوع کریں: مجلّہ تخصصی کلام اسلامی، سال نہم، شمارہ ۳۳، صفحات ۱۵۹۔۱۴۰

ج: قرآن کریم کی تحدی یا چیلنج

اسلام کے جاودان دین کی یادگار اور معجزہ کی حیثیت سے قرآن اسلامی دعوت کے منکروں کو مقابلہ کے لئے للکار رہا ہے، اسلام کی تاریخ میں مسلمانوں نے قرآن کی تحدی اور اس کے چیلنج کو پیش کر کے مخالفین کی عاجزی و ناتوانی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، یہی وجہ ہے کہ تمام صدیوں میں پیغمبر اسلامؐ کے جاودان معجزہ نے اپنے تحرک کو باقی رکھا ہے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتا رہا ہے قرآنی چیلنج کو پیش کرنے والی آیات رہ گشا ہیں۔

الف: منکروں کو قرآن جیسی کتاب لانے کا چیلنج:

﴿ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ ﴾

اگر یہ اپنے دعوی میں سچے ہیں تو یہ بھی ایسا ہی کوئی کلام لے آئیں (طور/۳۴)

﴿ قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هذَا الْقُرْآنِ لا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَ لَوْ كانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيراً ﴾

''ان سے کہہ دو کہ اگر تمام انسان اور جن اس بات پر جمع ہو جائیں کہ قرآن کی مثل کچھ لے آئیں تو وہ نہیں لا سکتے ہیں اگر چہ سب ایک دوسرے کے پشت پناہ ہی کیوں نہ ہو جائیں۔''

(اسراء /۸۸)

ب: منکرین قرآن کو صرف دس سوروں کا جواب لانے کا چیلنج

﴿ أَمْ يَقُولُونَ افْتَراهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِثْلِهِ مُفْتَرَياتٍ وَ ادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صادِقِينَ ﴾

''کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ قرآن ایک بندے نے گڑھ لیا ہے تو آپ ان سے کہہ دیں کہ اس کے جیسے دس سورہ تم بھی گڑھ کر لے آؤ اور اللہ کے علاوہ جسے بھی تم چاہو اپنی مدد کے لئے بلا لو اگر تم اپنی بات میں سچے ہو'' (ھود/۱۳)

ج: قرآن کے کسی ایک سورہ کا جواب لانے کا چیلنج

'' وَ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنا عَلى عَبْدِنا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ وَ ادْعُوا شُهَداءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صادِقِينَ ''

'' اور اگر تمہیں اس کلام کے بارے میں کوئی شک ہے جسے ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو اس کا جیسا ایک سورہ ہی لے آؤ اور اللہ کے علاوہ جتنے بھی تمہارے مددگار ہیں سب کو بلا لو اگر تم اپنے دعوی میں سچے ہو '' (بقرہ/۲۳)

واضح سی بات ہے کہ یہاں پر قرآن کے چیلنج کا مطلب یہی ہے کہ کوئی ایسا جواب پیش کیا جائے جس

میں کوئی شخص تنہا یا دوسرے کے ساتھ مل کر جدید اسلوب اور نئے انشا میں بلند مفاہیم کو اس طرح جملوں اور کلموں کے قالب میں ڈھالے کہ جو اپنی مٹھاس، کشش، اور جذابیت میں قرآن کی آیات کے مثل ہوں اور یہ شباہت اتنی ہو کہ اگر ان جملوں کو قرآنی آیات کے سامنے رکھا جائے تو یہ کہا جا سکے کہ قرآن کی نظیر پیش کر دی گئی ہے۔

کتاب فرقان الحق یا چار دیگر بیان شدہ صفحات کو قرآن کے جواب میں لانے والے اتنی بھی سمجھ کے حامل نہ تھے کہ یہ موٹی سی بات بھی سمجھ پاتے کہ اگر کوئی شاعر یا مصنف کسی کلام کے مقابل اپنا کلام پیش کرے اور کسی کلام کا مقابلہ کرنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ ایسا کلام پیش کرے جو اپنے الفاظ کے استقلال اور اپنے مخصوص اسلوب بیان اور اسکی ترکیب میں کم از کم اپنے مقابل کے کلام سے کسی ایک جہت اور ایک ہدف میں یکسانیت کا حامل ہو۔

اب یہ کہ کوئی شخص کسی فصیح کلام کے مقابل اس کلام کے اسلوب اور اس کی ترکیب کی تقلید کرے اور صرف اس کے بعض کلموں کو ادھر ادھر کر کے بدل دے اور ان سے کوئی جملہ بنا لے تو اسے مقابلہ نہیں کہا جائے گا۔

قرآن کریم کے چیلنج کی قلمرو:

قرآن کریم کا چیلنج تین انواع کو شامل ہے

۱۔ فردی شمول: قرآن کریم سورہ اسراء کی اٹھائیسویں آیت میں تمام انسانوں اور جنوں کو چیلنج کر رہا ہے اور دوٹوک لہجہ میں اس بات کا اظہار کر رہا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی قرآن کے مثل جواب نہیں لا سکتے۔

۲۔ زمانی شمول: یعنی قرآن کریم کی یہ دعوت اور تحدی صدر اسلام سے شروع ہوئی ہے اور ہمیشہ جاری رہے گی لہذا فرماتا ہے:

"فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَ لَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ" (بقرۃ/۲۴)

۳۔ احوالی شمول: کسی بھی حالت میں تم قرآن کا مثل پیش نہیں کر سکتے ہو، یعنی کوئی عرب یا عجم، ادیب (جو عربی لٹریچر میں مہارت رکھتا ہو) یا کسی اور میدان میں مہارت کا حامل ہو، کوئی کسی بھی منزل پر ہو لیکن

قرآن کا جواب نہیں لاسکتا یہ بات قرآن کریم کی آیت میں موجود اطلاق سے سمجھ میں آتی ہے (ر.ک: معرفت، ۱۴۱۶ق، ص۲۲)

بیان شدہ مطالب سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن کریم کا چیلنج خاص افراد یا کسی خاص زمانے سے محدود نہیں ہے اور نہ اسکی کوئی خاص حالت یا فضا ہے جس میں جواب لانا ممکن ہو بلکہ (دیگر زمانوں کی طرح) آج بھی قرآنی چیلنج اپنی جگہ قائم ہے۔

اعجاز قرآن کریم کے مختلف پہلو:

قرآن کے معجزہ ہونے کی بنیاد اور اس بات پر توجہ رکھتے ہوئے کہ اس آسمانی کتاب کی کوئی نظیر نہیں ہے، قرآن کریم کے معجزہ ہونے کے اسباب وعلل اور کیفیت اعجاز کے مختلف پہلوؤں کو ذکر کیا گیا ہے جنکی طرف ایک اشارہ کرتے ہوئے انکی ایک جمع بندی کو پیش کیا جارہا ہے۔

۱۔ فصاحت وبلاغت

۲۔ بے نظیر جملہ بندی وترکیب اور مخصوص طرز بیان ونظم

۳۔ شیرینی وخاص قسم کی کشش اور قرآن کا مخصوص ترنم

۴۔ ایک امی شخصیت سے جس نے دنیاوی درسگاہوں میں تعلیم حاصل نہ کی ہو اس قدر بلند معارف کا سامنے آنا۔

۵۔ متین اور ثابت تشریعی نظام اور ٹھوس وپائدار قوانین

۶۔ بلند مرتبہ براہین کا پیش کیا جانا

۷۔ ماضی کا بیان مستقبل کی غیب کی خبریں

۸۔ اسرار خلقت کا بیان (علمی اعجاز)

۹۔ بیان کی پائداری (قرآن میں اختلاف کا نہ ہونا)

۱۰۔ اجتماعی انقلاب پیدا کرنا۔

اعجاز قرآن کے سلسلہ میں بیان کئے گئے دس اسباب اور اعجازی پہلوؤں میں ہر ایک، یا دیگر اسباب کے ساتھ مل کر قرآن کریم کے معجزہ ہونے کی کیفیت کو ثابت کر رہا ہے۔

البتہ یہ یاد دہانی ضروری ہے کہ جملوں کی ترکیبوں اور قرآن کے الفاظ کا معجزہ اس کے مطالب اور مضامین کی بنیاد پر ہے اب اگر کوئی ایسے الفاظ اور فصیح ترکیبیں لے آئے جو قرآن سے مشابہ ہوں تو یہ قرآن کا جواب نہ ہوگا، اسی طرح اگر کوئی غیب سے متعلق کچھ ایسی خبروں کے مضامین بیان کر دے جو قرآن کے عربی الفاظ اور اس کی فصیح و بلیغ ترکیبوں سے مشابہت نہ رکھتے ہوں تو یہ بھی قرآن کا مثل نہیں پیش کر سکا ہے، پس نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کے فصیح و بلیغ الفاظ اور نہ اسکے مضامین کچھ بھی اکیلے ہی قرآن نہیں ہیں، ہر چند کہ ان میں سے ہر ایک قرآن کریم کے اعجازی پہلو کو بیان کر رہا ہے، چوں کہ جو چیز جہاں ہے وہ اپنے اعلی درجہ پر ہے اور انسان اسکی نظیر لانے سے قاصر رہا ہے (رضائی، اصفہانی، ۱۳۸۰، ص ۷۹)

اس وضاحت کے بعد اگر کوئی سوال کرتا ہے کہ پھر چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد آج تک کوئی کیوں کر قرآن کا جواب نہ لا سکا کیوں کر کوئی قرآن کے چیلنج کا سامنا نہ کر سکا اور اسکے مقابل کوئی اسی کے جیسا سورہ پیش نہ کر سکا، اس عاجزی کا راز کیا ہے اس ناتوانی کی وجہ کیا ہے؟ کیا انسان عربی زبان اور اسکے قواعد سے نابلد ہیں یا اسے نہیں سیکھ سکتے ہیں، کیا بشریت کا علم ناکافی ہے؟ تو اسکے جواب میں یہ کہنا چاہیے کہ قرآن ایک ایسا کلام ہے جو مختلف پہلوؤں اور مختلف جہات سے معجزہ ہے، قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو محدود الفاظ میں بہت سے بلند معانی کو بیان کر رہی ہے، قرآن ایسی کتاب ہے جو معمولی عربی الفاظ کو فصاحت و بلاغت کی بلندیوں سے اس طرح بیان کر رہی ہے کہ اسکی کوئی نظیر نہیں۔

ہر دوسری کتاب کی طرح قرآن کریم بھی ''لفظ، معنی، اور نظم'' کے تین عنصروں سے تشکیل پاتا ہے پس اگر کوئی قرآن جیسی کتاب لانا چاہے تو کم از کم اسے ان خصوصیتوں کا خیال رکھنا ہوگا۔

- تمام الفاظ، اسما اور افعال کا اسے علم ہونا چاہیے تا کہ وہ سب سے بہتر اور مناسب لفظ اسم یا فعل کو ہر جملہ میں استعمال کر سکے۔

۴۔ اس کی عقل تمام معانی، الفاظ، اور اسم وفعل کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتی ہوتا کہ گفتگو کے وقت سب سے بہتر اور مناسب الفاظ کو اپنا مقصود بیان کرنے کے لئے پیش کر سکے۔

۵۔ کلمات ومعانی کے تمام پہلوؤں اور انکے نظم سے باخبر ہوتا کہ ضرورت کے وقت سب سے بہتر اور مناسب کلمہ کو اپنے کلام کے لئے منتخب کر سکے۔

اس لحاظ سے کہ جب الفاظ ومعانی اور ان کے درمیان پائے جانے والے نظم سب کو ساتھ میں ضرب دیا جائے تو ان سے ایک لامتناہی (ریاضیات کی اصلاح میں) مجموعہ سامنے آتا ہے، جس پر تسلط اور احاطہ اور ان کے بارے میں ذہنی حضور انسان کے بس میں نہیں ہے، اس پر یہ بھی کہ قرآن کے بلند مفاہیم اور اس کے علمی اسرار اور ان کی دیگر جہتیں خود ان دوسرے علوم کا مطالبہ کرتی ہیں جو بشریت کی دسترس سے باہر ہیں۔

نتیجہ یہ کہ صرف خدا کی ذات ہے جو ہر چیز پر محیط ہے یہ اسی کا لامحدود علم ہے جو ان تمام مجموعوں کو ایک ساتھ ایک ہی جگہ نظر میں رکھ کر ایک ایسی کتاب وجود میں لاسکتا ہے کہ جس میں فصیح الفاظ کے صحیح معانی کو بہترین نظم و ترتیب کے ساتھ بیان کیا گیا ہو" أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

کیا تم نہیں جانتے کہ بیشک اللہ ہر شئے پر قادر ہے (بقرہ/۱۰۶)

قرآن کے مثل کوئی کلام پیش کرنے میں انسان کی عاجزی کا راز علم وعقل کے محدود دائرہ اور خداوند متعال کے لامحدود علم وادراک میں نہاں ہے" وَ ما أُوتيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلاَّ قَليلا" (اسراء/۸۵)

یہی وجہ ہے کہ جس قدر بھی بشر کا علم زیادہ ہوتا جائے گا اس کی عقل اور فکر کی گہرائیوں میں اضافہ کے ساتھ پختگی آتی جائے گی، اور وہ علم وعقل وفکر کی روشنی میں قرآن کے الفاظ، معانی اور ان کے درمیان پائے جانے والے نظم کو بہتر طور پر سمجھ سکے گا اور اس آسمانی کتاب کے بارے میں اسکے تعجب میں اور بھی اضافہ ہوگا لیکن ان تمام باتوں کے ساتھ وہ کبھی بھی قرآن کے مثل کلام پیش کرنے پر قادر نہ ہوگا (رضائی، اصفہانی، گزشتہ حوالہ، ص ۸۱،۸۰)

اب تمام باتوں کی روشنی میں اب "الفرقان الحق" کے مصنفین سے یہ سوال کیا جانا چاہیے کہ تم نے اپنے اس نوشتہ میں اعجاز کے کون سے پہلوؤں کو پیش کیا ہے کہ جو تمہاری کتاب قرآن کے مقابل ٹک سکے اور قرآن کے

مخاطبوں کو قرآن سے روگرداں کر کے تمہاری کتاب کی طرف کھینچ سکے؟

ھ۔ردعمل:

مسلمانوں نے ''الفرقان الحق'' کی طباعت کو امریکہ کی سازش جانا ہے اور وہ اسے جہان اسلام کے اہم سیاسی اور دینی امور سے مسلمانوں کی توجہ ہٹانے کے لئے ایک امریکی ہتکنڈہ کے طور پر سمجھتے ہیں، کتاب کے پبلشرز کا یہ دعوی ہے کہ وہ امریکہ کے ایک تنصیری (تعاونی وحمایتی) پروٹسٹنٹ {Protestant} گروپ سے متعلق ہیں۔

مسجد الاقصی کے امام جماعت اور بیت المقدس کے مفتی اعظم شیخ عکرمہ بن سعید صبری نے ۲۰/۱۰/۱۴۲۵ھ نماز جمعہ کے خطبہ میں امریکہ پر یہ الزام عائد کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو اس بات پر مجبور کرنے کی کوششوں میں لگا ہے کہ وہ حقیقی قرآن سے منھ موڑ کر فرقان الحق کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

مصر سے چھپنے والے عربی روزنامہ ''الاسبوع'' کے چیف ایڈیٹر نے دسمبر ۲۰۰۴ء میں اس بات کو برملا کیا کہ اس کتاب کا سب سے پہلا نسخہ خفیہ طور پر امریکہ اور اسرائیل میں چھپا ہے اور اسرائیلی عناصر کی شراکت سے جارج بش کے حکم پر شایع کیا گیا ہے۔

عالمی سامراج کی جانب سے صلیبی جنگ کا شوشہ چھوڑنا اور ثقافتی جنگ کی فضا کو تیار بنانے کے لئے قرآن کریم اور مسلمانوں کے خلاف کتاب شایع کرنا یہ سب چیزیں ہر دن بڑھتی ہی جا رہی ہیں اور یہ تمام مسلمان غیرت مندوں کے لئے ایک خطرہ کا اعلان ہے۔

الفرقان الحق کے مقبوضہ فلسطین کی سرزمین پر تقسیم ہوتے ہی بعض یہودیوں نے اس کی تفسیر کرنا شروع کر دی تا کہ قرآن کریم سے اس کا تقابل کرتے ہوئے یہ باور کرایا جا سکے کہ قرآن آسمانی کتاب نہیں بلکہ بشر کی لکھی ہوئی کتاب ہے۔

یہ لوگ ۱۱ر ستمبر کے دھماکوں سے ڈیوڈ بیکھم کے بچوں کے اغوا تک کو مسلمانوں سے منسوب کرتے ہیں اور گروہی طور ذرائع ابلاغ کا کنٹرول اپنے ہاتھوں میں رکھنے کی بنا پر خاص کر دنیا کی بڑی بڑی خبر رساں ایجنسیوں پر اپنے کنٹرول کی وجہ سے مسلمانوں کے خلاف بدگمانیاں پھیلا رہے ہیں اور اپنے انہیں حیلوں اور شاطرانہ چالوں کی بنا پر بعض مقاصد کو حاصل کرنے میں کامیاب بھی رہے ہیں۔

معاملہ کی اس سنگینی کے پیش نظر مسلمانوں کی بیداری، اوران کے درمیان اتحاد و ہمدلی، نیز علماء کرام کی حق بیانی اور مسائل سے پردہ دری ان مسلم دشمن عناصر کی سازشوں کو نقش برآب کرنے میں ایک بڑا رول ادا کرسکتی ہے۔

د: جعلی قرآن کی تعلیمات:

کتاب ''الفرقان الحق'' نامی جعلی قرآن جسے جدید قرآن، صدی کا قرآن، اور اکیسویں صدی کے قرآن کا نام دیا جارہا ہے ایک ایسی کتاب ہے جو انجیل کی تعلیمات کی اساس پر ترتیب پائی ہے علاوہ اس کے کہ اس جعلی قرآن میں حق و باطل کا معیار انجیل کو ذکر کیا گیا ہے، یہ کتاب بعض بدیہی اور واضح امور کو بھی خارج کی دنیا میں موجود ہ حقائق سے منطبق کر کے عصر حاضر میں بشریت کی ضرورتوں کے مطابق پیش کرنے میں ناکام رہی ہے ۔

اس کتاب کی بعض تعلیمات اجمالی طور پر کچھ یوں ہیں:

۱۔عیسائی تثلیث کو جو بعض عیسائیوں کے فرقوں خاص کر خدا کو وحدہ لاشریک ماننے والے فرقہ کے لیئے بھی قابل قبول نہیں اور موحد فرقہ اس عقیدہ کو رد کرتا رہا ہے اسی کو کتاب کے ہر حصہ میں بسم اللہ کی جگہ بیان کیا گیا ہے

۲۔بغیر کسی عقلی اور علمی اور تاریخی دلیل کے قرآنی تعلیمات کو رد کیا گیا ہے اور کتاب کا یہ دعوی ہے کہ مسلمان گمراہ ہیں۔

۳۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو شرک بیان کیا گیا ہے گویا اس کتاب کے مصنفین کی نظر میں جناب عیسیٰؑ کی اطاعت بھی شرک ہوگی!

۴۔اس کتاب میں جوانوں کی شادی کے مسائل کو حل کرنے کے بجائے یہ دعوی کیا گیا ہے کہ ایک سے زیادہ شادی زنا کا حکم رکھتی ہے۔

۵۔اس کتاب میں طلاق کی ہر صورت میں مذمت کی گئی ہے، اور کسی بیوہ سے شادی کو زنا قرار دیا گیا ہے

۶۔اس جعلی قرآن میں جہاد کو حرام قرار دیا گیا ہے تا کہ کوئی عالمی سامراج سے مقابلہ کے لئے نہ اٹھ سکے

۷۔اس کتاب میں نہ تو بشریت کی اصلاح کے لئے کوئی نئی تجویز بیان کی گئی ہے اور نہ علمی، اور غیب کے امور سے کوئی خبر دی گئی ہے نہ ہی ماضی میں گزر جانے والی شخصیتوں کی تاریخ ہے اور نہ ہی تربیتی نمونوں کو پیش

کیا گیا ہے۔

۸۔ کتاب ''الفرقان الحق'' کے مصنفین اس بات کے دعوے دار ہیں کہ یہ کتاب وحی مبین ہے! معلوم نہیں کہ اس میں کون سا نکتہ وحی ہے اور کس پر وحی ہوئی ہے اور وحی کی خصوصیتیں اور علامتیں کیا ہیں؟

﴿و.....یُرِیدُونَ لِیُطْفِؤُا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَ اللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَ لَوْ كَرِهَ الْكَافِرُون﴾

یہ لوگ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں لیکن خدا اپنے نور کو کامل کرے گا چاہے کافروں کو ناگوار ہی کیوں نہ گزرے۔ (صف/۸)

NAJAFI BOOK LIBRARY
Shop No. 11
M.L. Heights
Soldicr Bazar#2
KARACHI
PH. 7211795

Acc No.....Date.....
Section.....Status.....
D.D. Class.....
NAJAFI BOOK LIBRARY

منابع و ماخذ

۱۔ رضائی اصفہانی، محمد علی، پژوہشی در اعجاز علمی قرآن، انتشارات کتاب مبین، قم، چاپ اول، ۱۳۸۰، جلد ۱

۲۔ معرفت، محمد ہادی، التمہید فی علوم القرآن، موسسہ النشر الاسلامی، قم، چاپ دوم، ۱۴۱۶ھ جلد ۴

Sho'ūr-e Ittehād

A Quarterly Journal on Islamic Unity and Matters Concerning the Proximity Among the Islamic Schools of Thought and Law

The World Forum For Proximity
of Islamic Schools of Thought